غزوۂ اُحُد

انتقامی جنگ کے لیے قریش کی تیاریاں

اہلِ مکّہ کو معرکۂ بدر میں شکست و ہزیمت کی جو زک اور اپنے صَنادید و اَشراف کے قتل کا جو صدمہ برداشت کرنا پڑا تھا اس کے سبب وہ مسلمانوں کے خلاف غیظ و غضب سے کھَول رہے تھے، حتیٰ کہ انہوں نے اپنے مقتولین پر آہ و فغاں کرنے سے بھی روک دیا تھا اور قیدیوں کے فدیے کی ادائیگی میں بھی جلد بازی کا مظاہرہ کرنے سے منع کر دیا تھا تاکہ مسلمان ان کے رنج و غم کی شدّت کا اندازہ نہ کر سکیں۔ پھر انہوں نے جنگِ بدر کے بعد یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں سے ایک بھرپور جنگ لڑ کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کریں اور اپنے جذبۂ غیظ و غضب کو تسکین دیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس طرح کی معرکہ آرائی کی تیاری بھی شروع کر دی۔ اس معاملے میں سردارانِ قریش میں سے عِکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن اُمیّہ، ابوسفیان بن حرب، اور عبداللہ بن ربیعہ زیادہ پُرجوش اور سب سے پیش پیش تھے۔

ان لوگوں نے اس سلسلے میں پہلا کام یہ کیا کہ ابوسفیان کا وہ قافلہ جو جنگِ بدر کا باعث بنا تھا اور جسے ابوسفیان بچا کر نکال لے جانے میں کامیاب ہو گیا تھا، اس کا سارا مال جنگی اخراجات کے لیے روک لیا اور جن لوگوں کا مال تھا اُن سے کہا کہ: اے قریش کے لوگو! تمہیں محمدؐ نے سخت دھچکا لگایا ہے اور تمہارے منتخب سرداروں کو قتل کر ڈالا ہے۔ لہٰذا ان سے جنگ کرنے کے لیے اس مال کے ذریعے مدد کرو؛ ممکن ہے کہ ہم بدلہ چُکا لیں۔ قریش کے لوگوں نے اسے منظور کر لیا۔ چنانچہ یہ سارا مال جس کی مقدار ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار تھی، جنگ کی تیاری کے لیے بیچ ڈالا گیا۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ (۸:۳۶)

"جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے اموال اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے خرچ کریں گے۔ تو یہ

خرچ تو کریں گے لیکن پھر یہ ان کے لیے باعثِ حسرت ہوگا۔ پھر مغلوب کئے جائیں گے۔"

پھر انہوں نے رضاکارانہ جنگی خدمت کا دروازہ کھول دیا کہ جو اَحابیش، کنانہ اور اہلِ تہامہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہونا چاہیں وہ قریش کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ انہوں نے اس مقصد کے لیے ترغیب و تحریص کی مختلف صورتیں بھی اختیار کیں، یہاں تک کہ ابوعزہ شاعر جو جنگ بدر میں قید ہُوا تھا اور جس کو رسول اللہ ﷺ نے یہ عہد لے کر کہ اب وہ آپؐ کے خلاف کبھی نہ اُٹھے گا ازراہِ احسان بلا فدیہ چھوڑ دیا تھا، اُسے صفوان بن اُمیہ نے اُبھارا کہ وہ قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کا کام کرے اور اس سے یہ عہد کیا کہ اگر وہ لڑائی سے بچ کر زندہ و سلامت واپس آگیا تو اُسے مالا مال کر دے گا، ورنہ اس کی لڑکیوں کی کفالت کرے گا۔ چنانچہ ابوعزہ نے رسول اللہ ﷺ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو پسِ پشت ڈال کر جذباتِ غیرت و حمیت کو شعلہ زن کرنے والے اشعار کے ذریعے قبائل کو بھڑکانا شروع کر دیا۔ اسی طرح قریش نے ایک اور شاعر مسافع بن عبدِ مناف جُمحی کو اس مہم کے لیے تیار کیا۔

ادھر ابوسفیان نے غزوۂ سَوِیق سے ناکام و نامراد بلکہ سامان رسد کی ایک بہت بڑی مقدار سے ہاتھ دھو کر واپس آنے کے بعد مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو ابھارنے اور بھڑکانے میں کچھ زیادہ ہی سرگرمی دکھائی۔

پھر اخیر میں سَریۂ زیدؓ بن حارثہ کے واقعے سے قریش کو جس سنگین اور اقتصادی طور پر کمر توڑ خسارہ سے دوچار ہونا پڑا اور انہیں جس قدر بے اندازہ رنج و الم پہنچا اس نے آگ پر تیل کا کام کیا اور اس کے بعد مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے قریش کی تیاری کی رفتار میں بڑی تیزی آگئی۔

قریش کا لشکر، سامانِ جنگ اور کمان

چنانچہ سال پورا ہوتے ہوتے قریش کی تیاری مکمل ہوگئی۔ ان کے اپنے افراد کے علاوہ ان کے حلیفوں اور احابیش کو ملا کر مجموعی طور پر کُل تین ہزار فوج تیار ہُوئی۔ قائدین قریش کی رائے ہوئی کہ اپنے ساتھ عورتیں بھی لے چلیں تاکہ حرمت و ناموس کی حفاظت کا احساس کچھ زیادہ ہی جذبۂ جان سپاری کے ساتھ لڑنے کا سبب بنے۔ لہٰذا اس لشکر میں انکی عورتیں بھی شامل ہوئیں جن کی تعداد پندرہ تھی۔ سواری و باربرداری کے لیے تین ہزار اونٹ تھے اور رسالے کے

لیے دو سو گھوڑے[1] ان گھوڑوں کو تازہ دم رکھنے کے لیے انہیں پورے راستے بازو میں لے جایا گیا یعنی ان پر سواری نہیں کی گئی۔ حفاظتی ہتھیاروں میں سات سو زرہیں تھیں۔

ابوسفیان کو پورے لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ رسالے کی کمان خالد بن ولید کو دی گئی اور عکرمہ بن ابی جہل کو ان کا معاون بنایا گیا۔ پرچم مقررہ دستور کے مطابق قبیلہ بنی عبدالدار کے ہاتھ میں دیا گیا۔

مکّی لشکر کی روانگی

اس بھرپور تیاری کے بعد مکّی لشکر نے اس حالت میں مدینے کا رُخ کیا کہ مسلمانوں کے خلاف غم و غصّہ اور انتقام کا جذبہ ان کے دلوں میں شعلہ بن کر بھڑک رہا تھا اور یہ جو عنقریب پیش آنے والی جنگ کی خونریزی اور شدّت کا پتا دے رہا تھا۔

مدینے میں اطلاع

حضرت عباس رضی اللہ عنہ قریش کی اس ساری نقل و حرکت اور جنگی تیاریوں کا بڑی چابکدستی اور گہرائی سے مطالعہ کر رہے تھے؛ چنانچہ جوں ہی یہ لشکر حرکت میں آیا، حضرت عبّاسؓ نے اس کی ساری تفصیلات پر مشتمل ایک خط فوراً نبی ﷺ کی خدمت میں روانہ فرما دیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قاصد پیغام رسانی میں نہایت پھرتیلا ثابت ہوا۔ اس نے مکّے سے مدینے تک کوئی پانچ سو کیلومیٹر کی مسافت صرف تین دن میں طے کر کے ان کا خط نبی ﷺ کے حوالے کیا۔ اس وقت آپؐ مسجد قبا میں تشریف فرما تھے۔

یہ خط حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو پڑھ کر سنایا۔ آپؐ نے انہیں رازداری برتنے کی تاکید کی اور جھٹ مدینہ تشریف لا کر انصار و مہاجرین کے قائدین سے صلاح و مشورہ کیا۔

ہنگامی صورتِ حال کے مقابلے کی تیاری

اس کے بعد مدینے میں عام لام بندی کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ لوگ کسی بھی اچانک صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے ہمہ وقت ہتھیار بند رہنے لگے؛ حتیٰ کہ نماز میں بھی ہتھیار جُدا نہیں کیا جاتا تھا۔

ادھر انصار کا ایک مختصر سا دستہ، جس میں سَعْد بن معاذ، اُسَید بن حُضَیر اور سعد بن عبادہ

---

[1] زاد المعاد ۲/۹۲۔ یہی مشہور ہے۔ لیکن فتح الباری ۷/۳۴۶ میں گھوڑوں کی تعداد ایک سو بتائی گئی ہے۔

رضی اللہ عنہم تھے، رسول اللہ ﷺ کی نگرانی پر تعینات ہوگیا۔ یہ لوگ ہتھیار پہن کر ساری ساری رات رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر گذار دیتے تھے۔

کچھ اور دستے اس خطرے کے پیش نظر کہ غفلت کی حالت میں اچانک کوئی حملہ نہ ہو جائے۔ مدینے میں داخلے کے مختلف راستوں پر تعینات ہو گئے۔

چند دیگر دستوں نے دشمن کی نقل و حرکت کا پتا لگانے کے لیے طلایہ گردی شروع کر دی یہ دستے ان راستوں پر گشت کرتے رہتے تھے جن سے گذر کر مدینے پر چھاپہ مارا جا سکتا تھا۔

مکّی لشکر، مدینے کے دامن میں

ادھر مکّی لشکر معروف کاروانی شاہراہ پر چلتا رہا۔ جب اَبْوَاء پہنچا تو ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عُتبہ نے یہ تجویز پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ کی قبر اکھیڑ دی جائے۔

لیکن اس دروازے کو کھولنے کے جو سنگین نتائج نکل سکتے تھے اس کے خوف سے قائدینِ لشکر نے یہ تجویز منظور نہ کی۔

اس کے بعد لشکر نے اپنا سفر بدستور جاری رکھا یہاں تک کہ مدینے کے قریب پہنچ کر پہلے وادی عقیق سے گذرا پھر کسی قدر داہنے جانب کترا کر کوہِ اُحد کے قریب عینین نامی ایک مقام پر جو مدینہ کے شمال میں وادیٔ قَنَاۃ کے کنارے ایک بنجر زمین ہے پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ جمعہ ۶ شوال ۳ھ کا واقعہ ہے۔

مدینے کی دفاعی حکمتِ عملی کے لیے مجلسِ شُوریٰ کا اجلاس

مدینے کے ذرائع اطلاعات مکّی لشکر کی ایک ایک خبر مدینہ پہنچا رہے تھے، حتّٰی کہ اس کے پڑاؤ کی بابت آخری خبر بھی پہنچا دی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فوجی ہائی کمان کی مجلسِ شوریٰ منعقد فرمائی جس میں مناسب حکمتِ عملی اختیار کرنے کے لیے صلاح مشورہ کرنا تھا۔ آپؐ نے انہیں اپنا دیکھا ہوا ایک خواب بتلایا۔ آپؐ نے بتلایا کہ واللہ میں نے ایک بھلی چیز دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح کی جا رہی ہیں اور میں نے دیکھا کہ میری تلوار کے سرے پر کچھ شکستگی ہے اور یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک محفوظ زِرہ میں داخل کیا ہے۔ پھر آپؐ نے گائے کی یہ تعبیر بتلائی کہ کچھ صحابہؓ قتل کیے جائیں گے۔ تلوار میں شکستگی کی یہ تعبیر بتلائی کہ آپؐ کے گھر کا کوئی آدمی شہید ہوگا اور محفوظ

زرہ کی یہ تعبیر بتلائی کہ اس سے مراد شہر مدینہ ہے۔

پھر آپؐ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے دفاعی حکمتِ عملی کے متعلق اپنی رائے پیش کی کہ مدینے سے باہر نہ نکلیں بلکہ شہر کے اندر ہی قلعہ بند ہو جائیں۔ اب اگر مشرکین اپنے کیمپ میں مقیم رہتے ہیں تو بے مقصد اور بُرا قیام ہوگا اور اگر مدینے میں داخل ہوتے ہیں تو مسلمان گلی کوچے کے ناکوں پر ان سے جنگ کریں گے اور عورتیں چھتوں کے اُوپر سے ان پر خشت باری کریں گی۔ یہی صحیح رائے تھی اور اسی رائے سے عبداللہ بن اُبَیّ راس المنافقین نے بھی اتفاق کیا جو اس مجلس میں خزرج کے ایک سرکردہ نمائندہ کی حیثیت سے شریک تھا لیکن اس کے اتفاق کی بنیاد یہ نہ تھی کہ جنگی نقطۂ نظر سے یہی صحیح موقف تھا بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ جنگ سے دُور بھی رہے اور کسی کو اس کا احساس بھی نہ ہو۔ لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اس نے چاہا کہ یہ شخص اپنے رفقاء سمیت پہلی بار سرِعام رسوا ہو جائے اور اُن کے کُفر و نفاق پر جو پردہ پڑا ہُوا ہے وہ ہٹ جائے اور مسلمانوں کو اپنے مشکل ترین وقت میں معلوم ہو جائے کہ اُن کی آستین میں کتنے سانپ رینگ رہے ہیں۔

چنانچہ فضلاءِ صحابہؓ کی ایک جماعت نے جو بدر میں شرکت سے رہ گئی تھی، بڑھ کر نبی ﷺ کو مشورہ دیا کہ میدان میں تشریف لے چلیں اور انہوں نے اپنی اس رائے پر سخت اصرار کیا؛ حتیٰ کہ بعض صحابہؓ نے کہا: "اے اللہ کے رسولؐ! ہم تو اس دن کی تمنّا کیا کرتے تھے اور اللہ سے اس کی دُعائیں مانگا کرتے تھے۔ اب اللہ نے یہ موقع فراہم کر دیا ہے اور میدان میں نکلنے کا وقت آگیا ہے تو پھر آپؐ دشمن کے مدِمقابل ہی تشریف لے چلیں۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ڈر گئے ہیں"۔

ان گرم جوش حضرات میں خود رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سرفہرست تھے جو معرکۂ بدر میں اپنی تلوار کا جوہر دکھلا چکے تھے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کی کہ اس ذات کی قسم جس نے آپؐ پر کتاب نازل کی، میں کوئی غذا نہ چکھوں گا یہاں تک کہ مدینے سے باہر اپنی تلوار کے ذریعے ان سے دو دو ہاتھ کر لوں[۲]

رسول اللہ ﷺ نے اکثریّت کے اصرار کے سامنے اپنی رائے ترک کر دی اور آخری

---

[۲] سیرۃ حلبیہ ۲/۱۴

فیصلہ یہی ہُوا کہ مدینے سے باہر نکل کر کھلے میدان میں معرکہ آرائی کی جائے۔

اسلامی لشکر کی ترتیب اور میدانِ جنگ کیلئے روانگی

اس کے بعد نبی ﷺ نے جمعہ کی نماز پڑھائی تو وعظ و نصیحت کی، جدوجہد کی ترغیب دی اور بتلایا کہ صبر اور ثابت قدمی ہی سے غلبہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ دشمن سے مقابلے کے لیے تیار ہو جائیں۔ یہ سن کر لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

اس کے بعد جب آپؐ نے عصر کی نماز پڑھی تو اس وقت تک لوگ جمع ہو چکے تھے۔ عَوالی کے باشندے بھی آ چکے تھے۔ نماز کے بعد آپؐ اندر تشریف لے گئے۔ ساتھ میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ انہوں نے آپؐ کے سر پر عمامہ باندھا اور لباس پہنایا۔ آپؐ نے نیچے اُوپر دو زرہیں پہنیں، تلوار حمائل کی اور ہتھیار سے آراستہ ہو کر لوگوں کے سامنے تشریف لائے۔

لوگ آپؐ کی آمد کے منتظر تو تھے ہی لیکن اس دوران حضرت سعد بن معاذ اور اُسَید بن حُضَیر رضی اللہ عنہما نے لوگوں سے کہا کہ آپ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو میدان میں نکلنے پر زبردستی آمادہ کیا ہے لہٰذا معاملہ آپؐ ہی کے حوالے کر دیجیے۔ یہ سُن کر سب لوگوں نے ندامت محسوس کی اور جب آپؐ باہر تشریف لائے تو آپؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمیں آپؐ کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ آپؐ کو جو پسند ہو وہی کیجیے۔ اگر آپؐ کو یہ پسند ہے کہ مدینے میں رہیں تو آپؐ ایسا ہی کیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کوئی نبی جب اپنا ہتھیار پہن لے تو مناسب نہیں کہ اُسے اتارے تاآنکہ اللہ اس کے درمیان اور اُس کے دشمن کے درمیان فیصلہ فرما دے"۔[۳]

اس کے بعد نبی ﷺ نے لشکر کو تین حصّوں میں تقسیم فرمایا۔

۱۔ مہاجرین کا دستہ: اس کا پرچم حضرت مُصْعَب بن عُمَیر عَبْدَرِی رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔

۲۔ قبیلۂ اَوْس (انصار) کا دستہ: اس کا عَلَم حضرت اُسَید بن حُضَیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

۳۔ قبیلہ خزرج (انصار) کا دستہ: اس کا عَلَم حباب بن مُنذِر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

پورا لشکر ایک ہزار مردانِ جنگی پر مشتمل تھا جن میں ایک سو زِرہ پوش اور پچاس شہسوار

---

[۳] مسند احمد، نسائی، حاکم۔ ابن اسحاق

تھے[4] اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شہسوار کوئی بھی نہ تھا۔

حضرت ابن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مقرر فرمایا کہ وہ مدینے کے اندر رہ جانے والے لوگوں کو نماز پڑھائیں گے۔ اس کے بعد کوچ کا اعلان فرما دیا اور لشکر نے شمال کا رُخ کیا۔ حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما زرہ پہنے نبی ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے۔

ثَنِیَّۃ الوَدَاع سے آگے بڑھے تو ایک دستہ نظر آیا جو نہایت عمدہ ہتھیار پہنے ہوئے تھا اور پورے لشکر سے الگ تھلگ تھا۔ آپؐ نے دریافت کیا تو بتلایا گیا کہ خزرج کے حلیف یہود ہیں[5] جو مشرکین کے خلاف شریکِ جنگ ہونا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: کیا یہ مسلمان ہو چکے ہیں؟ لوگوں نے کہا: نہیں۔ اس پر آپؐ نے اہلِ شرک کے خلاف اہلِ کفر کی مدد لینے سے انکار کر دیا۔

لشکر کا معائنہ

پھر آپؐ نے "شیخان" نامی ایک مقام تک پہنچ کر لشکر کا معائنہ فرمایا۔ جو لوگ چھوٹے یا ناقابلِ جنگ نظر آئے انہیں واپس کر دیا۔ اُن کے نام یہ ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر، اُسامہ بن زید، اسید بن ظہیر، زید بن ثابت، زید بن ارقم، عرابہ بن اوس، عمرو بن حزم، ابو سعید خدری، زید بن حارثہ انصاری اور سعد بن حبہ رضی اللہ عنہم۔ اسی فہرست میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا نام بھی ذکر کیا جاتا ہے لیکن صحیح بخاری میں ان کی جو روایت مذکور ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اُحد کے موقعے پر لڑائی میں شریک تھے۔

البتہ صِغرِ سنّی کے باوجود حضرت رافع بن خَدِیج اور سَمُرَہ بن جُندُب رضی اللہ عنہما کو جنگ میں شرکت کی اجازت مل گئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت رافع بن خَدِیج رضی اللہ عنہ بڑے ماہر تیر انداز تھے اس لیے اُنہیں اجازت مل گئی۔ جب اُنہیں اجازت مل گئی تو حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تو رافع سے زیادہ طاقتور ہوں؛ میں اسے پچھاڑ

---

[4] یہ بات ابنِ قیم نے زاد المعاد ۲/۹۲ میں بیان کی ہے۔ حافظ ابنِ حجر کہتے ہیں کہ یہ فاش غلطی ہے موسیٰ بن عقبہ نے جزم کے ساتھ کہا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگِ اُحد میں سرے سے کوئی گھوڑا تھا ہی نہیں۔ واقدی کا بیان ہے کہ صرف دو گھوڑے تھے، ایک رسول اللہ ﷺ کے پاس۔ اور ایک ابو بُردہ رضی اللہ عنہ کے پاس (فتح الباری ۷/۳۵۰)

[5] یہ واقعہ ابنِ سعد نے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ بنو قَینُقاع کے یہود تھے۔ (۲/۳۴) لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ بنو قینقاع کو جنگ بدر کے کچھ ہی دنوں بعد جلا وطن کر دیا گیا تھا۔

سکتا ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپؐ نے اپنے سامنے دونوں سے کشتی لڑوائی اور واقعۃً سمرہ نے رافعؓ کو پچھاڑ دیا۔ لہذا انہیں بھی اجازت مل گئی۔

اُحُد اور مدینے کے درمیان شب گذاری

یہیں شام ہو چکی تھی۔ لہذا آپؐ نے یہیں مغرب اور پھر عشاء کی نماز پڑھی اور یہیں رات بھی گذارنے کا فیصلہ کیا۔ پہرے کے لیے پچاس صحابہؓ منتخب فرمائے جو کیمپ کے گرد و پیش گشت لگاتے رہتے تھے۔ ان کے قائد محمدؐ بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے کعب بن اشرف کو ٹھکانے لگانے والی جماعت کی قیادت فرمائی تھی۔ ذکوانؓ بن عبداللہ بن قیس خاص نبی ﷺ کے پاس پہرہ دے رہے تھے۔

عبداللہ بن اُبیّ اور اس کے ساتھیوں کی سرکشی

طلوعِ فجر سے کچھ پہلے آپ پھر چل پڑے اور مقام "شوط" پہنچ کر فجر کی نماز پڑھی۔ اب آپؐ دشمن کے بالکل قریب تھے اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ یہیں پہنچ کر عبداللہ بن اُبیّ منافق نے بغاوت کر دی اور کوئی ایک تہائی لشکر یعنی تین سو افراد کو لے کر یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ ہم نہیں سمجھتے کہ کیوں خواہ مخواہ اپنی جان دیں۔ اس نے اس بات پر بھی احتجاج کا مظاہرہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات نہیں مانی اور دوسروں کی بات مان لی۔

یقیناً اس علیحدگی کا سبب وہ نہیں تھا جو اس منافق نے ظاہر کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات نہیں مانی، کیونکہ اس صورت میں جیشِ نبویؐ کے ساتھ یہاں تک اس کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسے لشکر کی روانگی کے پہلے ہی قدم پر الگ ہو جانا چاہیئے تھا۔ اس لیے حقیقت وہ نہیں جو اس نے ظاہر کی تھی بلکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ اس نازک موڑ پر الگ ہو کر اسلامی لشکر میں ایسے وقت اضطراب اور کھلبلی مچانا چاہتا تھا جب دشمن اس کی ایک ایک نقل و حرکت دیکھ رہا ہو، تاکہ ایک طرف تو عام فوجی نبی ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں اور جو باقی رہ جائیں ان کے حوصلے ٹوٹ جائیں اور دوسری طرف اس منظر کو دیکھ کر دشمن کی ہمت بندھے اور اس کے حوصلے بلند ہوں۔ لہذا یہ کارروائی نبی ﷺ اور ان کے مخلص ساتھیوں کے خاتمے کی ایک مؤثر تدبیر تھی جس کے بعد اس منافق کو توقع تھی کہ اس کی اور اس کے رفقاء کی سرداری و سربراہی

کے لیے میدان صاف ہو جائے گا۔

قریب تھا کہ یہ منافق اپنے بعض مقاصد کی برآری میں کامیاب ہو جاتا، کیونکہ مزید دو جماعتوں یعنی قبیلہ اوس میں سے بنو حارثہ اور قبیلہ خزرج میں سے بنو سلمہ کے قدم بھی اکھڑ چکے تھے اور وہ واپسی کی سوچ رہے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری کی اور یہ دونوں جماعتیں اضطراب اور ارادۂ واپسی کے بعد جم گئیں۔ انہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ (۳:۱۲۲)

"جب تم میں سے دو جماعتوں نے قصد کیا کہ بزدلی اختیار کریں، اور اللہ ان کا ولی ہے، اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیئے۔"

بہرحال منافقین نے واپسی کا فیصلہ کیا تو اس نازک ترین موقعے پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کا فرض یاد دلانا چاہا۔ چنانچہ موصوف انہیں ڈانٹتے ہوئے واپسی کی ترغیب دیتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چلے کہ آؤ۔ اللہ کی راہ میں لڑو یا دفاع کرو۔ مگر انہوں نے جواب میں کہا، اگر ہم جانتے کہ آپ لوگ لڑائی کریں گے تو ہم واپس نہ ہوتے۔ یہ جواب سن کر حضرت عبداللہ بن حرامؓ یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے کہ او اللہ کے دشمنو! تم پر اللہ کی مار۔ یاد رکھو! اللہ اپنے نبیؐ کو تم سے مستغنی کر دے گا۔

ان ہی منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ○ (۳:۱۶۷)

"اور تاکہ اللہ انہیں بھی جان لے جنہوں نے منافقت کی، اور اُن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑائی کرو یا دفاع کرو تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم لڑائی جانتے تو یقیناً تمہاری پیروی کرتے۔ یہ لوگ آج ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب ہیں۔ مُنہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو دل میں نہیں ہے اور یہ جو کچھ چھپاتے ہیں اللہ اُسے جانتا ہے۔"

بقیہ اسلامی لشکر دامنِ اُحد میں

اس بغاوت اور واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے باقیماندہ لشکر کو لے کر، جس کی تعداد سات سو

تھی، دشمن کی طرف قدم بڑھایا۔ دشمن کا پڑاؤ آپ کے درمیان اور اُحد کے درمیان کئی سمت سے حائل تھا۔ اس لیے آپؐ نے دریافت کیا کہ کوئی آدمی ہے جو ہمیں دشمن کے پاس سے گذرے بغیر کسی قریبی راستے سے لے چلے۔

اس کے جواب میں ابو خَیثَمہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں"۔ پھر انہوں نے ایک مختصر راستہ اختیار کیا جو مشرکین کے لشکر کو مغرب کی سمت چھوڑتا ہُوا بنی حارثہ کے حرہ اور کھیتوں سے گذرتا تھا۔

اس راستے سے جاتے ہوئے لشکر کا گذر مربع بن قیظی کے باغ سے ہُوا۔ یہ شخص منافق بھی تھا اور نابینا بھی۔ اس نے لشکر کی آمد محسوس کی تو مسلمانوں کے چہروں پر دُھول پھینکنے لگا اور کہنے لگا کہ اگر آپؐ اللہ کے رسول ہیں تو یاد رکھیں کہ آپؐ کو میرے باغ میں آنے کی اجازت نہیں۔ لوگ اسے قتل کرنے کو لپکے لیکن آپؐ نے فرمایا: "اسے قتل نہ کرو۔ یہ دل اور آنکھ دونوں کا اندھا ہے"۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے آگے بڑھ کر وادی کے آخری سرے پر واقع اُحد پہاڑ کی گھاٹی میں نزول فرمایا اور وہیں اپنے لشکر کا کیمپ لگوایا۔ سامنے مدینہ تھا اور پیچھے اُحد کا بلند و بالا پہاڑ؛ اس طرح دشمن کا لشکر مسلمانوں اور مدینے کے درمیان حدِ فاصل بن گیا۔

دفاعی منصوبہ یہاں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی ترتیب و تنظیم قائم کی اور جنگی نقطۂ نظر سے اسے کئی صفوں میں تقسیم فرمایا۔ ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ بھی منتخب کیا جو پچاس مردانِ جنگی پر مشتمل تھا۔ ان کی کمان حضرت عبداللہ بن جبیر بن نعمان انصاری دَوْسی بدری رضی اللہ عنہ کو سپرد کی اور انہیں وادی قناۃ کے جنوبی کنارے پر واقع ایک چھوٹی سی پہاڑی پر جو اسلامی لشکر کے کیمپ سے کوئی ڈیڑھ سو میٹر جنوب مشرق میں واقع ہے اور اب جبل رماۃ کے نام سے مشہور ہے، تعینات فرمایا۔ اس کا مقصد ان کلمات سے واضح ہے جو آپؐ نے ان تیر اندازوں کو ہدایات دیتے ہوئے ارشاد فرمائے۔ آپؐ نے ان کے کمانڈر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"شہسواروں کو تیر مار کر ہم سے دُور رکھو۔ وہ پیچھے سے ہم پر چڑھ نہ آئیں۔ ہم جیتیں یا ہاریں تم اپنی جگہ رہنا۔ تمہاری طرف سے ہم پر حملہ نہ ہونے پائے"[۶] پھر آپؐ نے تیر اندازوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

---

[۶] ابن ہشام ۲/ ۶۵، ۶۶

"ہماری پُشت کی حفاظت کرنا۔ اگر دیکھو کہ ہم مارے جا رہے ہیں تو ہماری مدد کو نہ آنا اور اگر دیکھو کہ ہم مالِ غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا"[۷] اور صحیح بخاری کے الفاظ کے مطابق آپؐ نے یوں فرمایا: "اگر تم لوگ دیکھو کہ ہمیں پرندے اچک لے رہے ہیں تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں؛ اور اگر تم لوگ دیکھو کہ ہم نے قوم کو شکست دے دی ہے اور انہیں کچل دیا ہے، تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں"[۸]

ان سخت ترین فوجی احکامات و ہدایات کے ساتھ اس دستے کو اس پہاڑی پر متعین فرما کر رسول اللہ ﷺ نے وہ واحد شگاف بند فرما دیا جس سے نفوذ کر کے مشرکین کا رسالہ مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے پہنچ سکتا تھا اور ان کو محاصرے اور نرغے میں لے سکتا تھا۔

باقی لشکر کی ترتیب یہ تھی کہ مَیمَنہ پر حضرت مُنذِرؓ بن عمرو مقرر ہوئے اور مَیسَرہ پر حضرت زُبیرؓ بن عوام — اور ان کا معاون حضرت مِقدادؓ بن اسود کو بنایا گیا — حضرت زُبیرؓ کو یہ مہم بھی سونپی گئی تھی کہ وہ خالد بن ولید کے شہسواروں کی راہ روکے رکھیں۔ اس ترتیب کے علاوہ صف کے اگلے حصّے میں ایسے ممتاز اور منتخب بہادر مسلمان رکھے گئے جن کی جانبازی و دلیری کا شہرہ تھا اور جنہیں ہزاروں کے برابر مانا جاتا تھا۔

یہ منصُوبہ بڑی باریکی اور حکمت پر مبنی تھا جس سے نبی ﷺ کی فوجی قیادت کی عبقریت کا پتا چلتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ کوئی کمانڈر خواہ کیسا ہی باصلاحیت کیوں نہ ہو آپؐ سے زیادہ باریک اور باحکمت منصوبہ تیار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپؐ باوجودیکہ دشمن کے بعد یہاں تشریف لائے تھے لیکن آپؐ نے اپنے لشکر کے لیے وہ مقام منتخب فرمایا جو جنگی نقطۂ نظر سے میدانِ جنگ کا سب سے بہترین مقام تھا؛ یعنی آپؐ نے پہاڑ کی بلندیوں کی اوٹ لے کر اپنی پُشت اور دایاں بازو محفوظ کر لیا اور بائیں بازو پر دورانِ جنگ جس واحد شگاف سے حملہ کر کے پُشت تک پہنچا جا سکتا تھا اسے تیر اندازوں کے ذریعے بند کر دیا۔ اور پڑاؤ کے لیے ایک اُونچی جگہ منتخب فرمائی کہ اگر خدانخواستہ شکست سے دوچار ہونا پڑے تو بھاگنے اور تعاقب کنندگان کی قید میں جانے کے بجائے کیمپ میں پناہ لی جا سکے اور اگر دشمن کیمپ پر قبضے کے

---

۷ احمد، طبرانی، حاکم، عن ابن عباس۔ دیکھئے فتح الباری ۷/۳۵۰
۸ صحیح بخاری کتاب الجہاد ۱/۴۲۶

لیے پیش قدمی کرے تو اسے نہایت سنگین نقصان سے دوچار ہونا پڑے۔ اس کے برعکس آپؐ نے دشمن کو اپنے کیمپ کے لیے ایک ایسا نشیبی مقام قبول کرنے پر مجبور کر دیا کہ اگر وہ غالب آجائے تو فتح کا کوئی خاص فائدہ نہ اُٹھا سکے اور اگر مسلمان غالب آجائیں تو تعاقب کرنے والوں کی گرفت سے بچ نہ سکے۔ اسی طرح آپؐ نے ممتاز بہادروں کی ایک جماعت منتخب کر کے فوجی تعداد کی کمی پوری کر دی۔ یہ تھی نبی ﷺ کے لشکر کی ترتیب و تنظیم جو ۷ شوال ۳ھ یوم سنیچر کی صبح عمل میں آئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر میں شجاعت کی رُوح پھونکتے ہیں

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جب تک آپؐ حکم نہ دیں جنگ شروع نہ کی جائے۔ آپؐ نے نیچے اُوپر دو زِرہیں پہن رکھی تھیں۔ اب آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو جنگ کی ترغیب دیتے ہوئے تاکید فرمائی کہ جب دشمن سے ٹکراؤ ہو تو پامردی اور ثابت قدمی سے کام لیں۔ آپؐ نے ان میں دلیری اور بہادری کی رُوح پھونکتے ہوئے ایک نہایت تیز تلوار بے نیام کی اور فرمایا کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟ اس پر کئی صحابہ تلوار لینے کے لیے لپک پڑے جن میں علیؓ بن ابی طالب، زبیرؓ بن عوام اور عمرؓ بن خطاب بھی تھے، لیکن ابو دُجانہ سِماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ! اس کا حق کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا "اس سے دشمن کے چہرے کو مارو یہاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔" انہوں نے کہا "یا رسولؐ اللہ! میں اس تلوار کو لیکر اس کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔" آپؐ نے تلوار انہیں دے دی۔

ابو دُجانہ رضی اللہ عنہ بڑے جانباز تھے۔ لڑائی کے وقت اکڑ کر چلتے تھے۔ ان کے پاس ایک سُرخ پٹی تھی۔ جب اُسے باندھ لیتے تو لوگ سمجھ جاتے کہ وہ اب موت تک لڑتے رہیں گے۔ چنانچہ جب انہوں نے تلوار لی تو سر پر پٹی بھی باندھ لی اور فریقین کی صفوں کے درمیان اکڑ کر چلنے لگے۔ یہی موقع تھا جب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ چال اللہ تعالےٰ کو ناپسند ہے، لیکن اس جیسے موقع پر نہیں۔

مکّی لشکر کی تنظیم

مُشرکین نے بھی صف بندی ہی کے اصول پر اپنے لشکر کو مرتب اور منظم کیا تھا۔ اُن کا سپہ سالار ابوسفیان تھا جس نے قلبِ لشکر

میں اپنا مرکز بنایا تھا۔ میمنہ پر خالد بن ولید تھے جو ابھی تک مشرک تھے۔ میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ پیدل فوج کی کمان صفوان بن امیہ کے پاس تھی اور تیر اندازوں پر عبداللہ بن ربیعہ مقرر ہوئے۔

جھنڈا بنو عبدالدار کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ہاتھ میں تھا۔ یہ منصب انہیں اسی وقت سے حاصل تھا جب بنو عبدِ مناف نے قُصیّ سے وراثت میں پائے ہوئے مناصب کو باہم تقسیم کیا تھا۔ جس کی تفصیل ابتدائے کتاب میں گذر چکی ہے۔ پھر باپ دادا سے جو دستور چلا آرہا تھا اس کے پیشِ نظر کوئی شخص اس منصب کے بارے میں ان سے نزاع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن سپہ سالار ابوسفیان نے انہیں یاد دلایا کہ جنگِ بدر میں ان کا پرچم بردار نضر بن حارث گرفتار ہوا تو قریش کو کن حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اور اس بات کو یاد دلانے کے ساتھ ہی ان کا غصہ بھڑکانے کے لیے کہا: "اے بنی عبدالدار! بدر کے روز آپ لوگوں نے ہمارا جھنڈا لے رکھا تھا تو ہمیں جن حالات سے دوچار ہونا پڑا وہ آپ نے دیکھ ہی لیا ہے۔ درحقیقت فوج پر جھنڈے ہی کی جانب سے زد پڑتی ہے۔ جب جھنڈا گر پڑتا ہے تو فوج کے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔ پس اب کی بار آپ لوگ یا تو ہمارا جھنڈا ٹھیک طور سے سنبھالیں یا ہمارے اور جھنڈے کے درمیان سے ہٹ جائیں۔ ہم اس کا انتظام خود کر لیں گے۔" اِس گفتگو سے ابوسفیان کا جو مقصد تھا اس میں وہ کامیاب رہا۔ کیونکہ اس کی بات سُن کر بنی عبدالدار کو سخت تاؤ آیا۔ انہوں نے دھمکیاں دیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس پر پِل پڑیں گے۔ کہنے لگے ہم اپنا جھنڈا تمہیں دیں گے؟ کل جب ٹکر ہوگی تو دیکھ لینا ہم کیا کرتے ہیں۔ اور واقعی جب جنگ شروع ہوئی تو وہ نہایت پامردی کے ساتھ جمے رہے۔ یہاں تک کہ ان کا ایک ایک آدمی لقمۂ اجل بن گیا۔

قریش کی سیاسی چال بازی

آغازِ جنگ سے کچھ پہلے قریش نے مسلمانوں کی صف میں پھوٹ ڈالنے اور نزاع پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے لیے ابوسفیان نے انصار کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ آپ لوگ ہمارے اور ہمارے چچیرے بھائی (محمد ﷺ) کے بیچ سے ہٹ جائیں تو ہمارا رُخ بھی آپ کی طرف نہ ہوگا، کیونکہ ہمیں آپ لوگوں سے لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن جس ایمان کے آگے پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتے اس کے آگے یہ چال کیونکر کامیاب ہو سکتی تھی۔ چنانچہ انصار نے اسے نہایت سخت

جواب دیا اور کڑوی کسیلی سنائی۔

پھر وقت صفر قریب آگیا اور دونوں فوجیں ایک دوسرے کے قریب آگئیں تو قریش نے اس مقصد کے لیے ایک اور کوشش کی، یعنی ان کا ایک خیانت کوش آلۂ کار ابو عامر فاسق مسلمانوں کے سامنے نمودار ہوا۔ اس شخص کا نام عبد عمرو بن صیفی تھا اور اسے راہب کہا جاتا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام فاسق رکھ دیا۔ یہ جاہلیت میں قبیلۂ اوس کا سردار تھا لیکن جب اسلام کی آمد آمد ہوئی تو اسلام اس کے گلے کی پھانس بن گیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کھل کر عداوت پر اُتر آیا۔ چنانچہ وہ مدینہ سے نکل کر قریش کے پاس پہنچا۔ اور انہیں آپؐ کے خلاف بھڑکا بھڑکا کر آمادۂ جنگ کیا اور یقین دلایا کہ میری قوم کے لوگ مجھے دیکھیں گے تو میری بات مان کر میرے ساتھ ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہ پہلا شخص تھا جو میدانِ اُحد میں احابیش اور اہلِ مکہ کے غلاموں کے ہمراہ مسلمانوں کے سامنے آیا اور اپنی قوم کو پکار کر اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا "قبیلہ اوس کے لوگو! میں ابو عامر ہوں۔ ان لوگوں نے کہا" او فاسق! اللہ تیری آنکھ کو خوشی نصیب نہ کرے۔ اس نے یہ جواب سنا تو کہا" اوہو! میری قوم میرے بعد شر سے دوچار ہو گئی ہے۔ (پھر جب لڑائی شروع ہوئی تو اس شخص نے بڑی پُرزور جنگ کی اور مسلمانوں پر جم کر پتھر برسائے۔)

اس طرح قریش کی جانب سے اہلِ ایمان کی صفوں میں تفرقہ ڈالنے کی دوسری کوشش بھی ناکام رہی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تعداد کی کثرت اور ساز و سامان کی فراوانی کے باوجود مشرکین کے دلوں پر مسلمانوں کا کس قدر خوف اور ان کی کیسی ہیبت طاری تھی۔

جوش و ہمّت دلانے کے لیے قریشی عورتوں کی تگ و تاز

ادھر قریشی عورتیں بھی جنگ میں اپنا حصّہ ادا کرنے اٹھیں۔ ان کی قیادت ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ کر رہی تھی۔ ان عورتوں نے صفوں میں گھوم گھوم کر اور دف پیٹ پیٹ کر لوگوں کو جوش دلایا۔ لڑائی کے لیے بھڑکایا، جانبازوں کو غیرت دلائی، اور نیزہ بازی و شمشیر زنی، مار دھاڑ اور تیر افگنی کے لیے جذبات کو برانگیختہ کیا۔ کبھی وہ علمبرداروں کو مخاطب کر کے یوں کہتیں:

ویھا بنی عبد الدار ویھا حُماۃ الادبار ضربا بکل بتار

دیکھو! بنی عبد الدار! دیکھو! پشت کے پاسدار خوب کرو شمشیر کا وار

اور کبھی اپنی قوم کو لڑائی کا جوش دلاتے ہوئے یوں کہتیں :

اِنْ تُقْبِلُوْا نُعَانِقْ وَنَفْرِشُ النَّمَارِقْ اَوْتُدْبِرُوْا نُفَارِقْ فِرَاقَ غَیْرِ وَامِقْ

اگر پیش قدمی کروگے تو ہم گلے لگائیں گی۔ اور قالینیں بچھائیں گی۔ اور اگر پیچھے ہٹوگے تو رُوٹھ جائیں گی اور الگ ہوجائیں گی۔

جنگ کا پہلا ایندھن

اس کے بعد دونوں فریق بالکل آمنے سامنے اور قریب آگئے اور لڑائی کا مرحلہ شروع ہوگیا۔ جنگ کا پہلا ایندھن مشرکین کا علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ عَبْدَرِی بنا۔ یہ شخص قریش کا نہایت بہادر شہسوار تھا۔ اسے مسلمان کبش الکتیبہ (لشکر کا مینڈھا) کہتے تھے۔ یہ اونٹ پر سوار ہوکر نکلا اور مُبارَزت کی دعوت دی۔ اس کی حد سے بڑھی ہوئی شجاعت کے سبب عام صحابہؓ مقابلے سے کترا گئے لیکن حضرت زبیرؓ آگے بڑھے اور ایک لمحہ کی مہلت دیئے بغیر شیر کی طرح جست لگا کر اونٹ پر جا چڑھے۔ پھر اسے اپنی گرفت میں لے کر زمین پر کُود گئے اور تلوار سے ذبح کردیا۔

نبی ﷺ نے یہ ولولہ انگیز منظر دیکھا تو فرطِ مسرّت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر لگایا پھر آپؐ نے حضرت زبیرؓ کی تعریف کی اور فرمایا ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرے حواری زبیرؓ ہیں [۹]

معرکہ کا مرکزِ ثقل اور علمبرداروں کا صفایا

اس کے بعد ہر طرف جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھے اور پورے میدان میں پُرزور مار دھاڑ شروع ہوگئی۔ مشرکین کا پرچم معرکے کا مرکزِ ثقل تھا۔ بنو عبدالدار نے اپنے کمانڈر طلحہ بن ابی طلحہ کے قتل کے بعد یکے بعد دیگرے پرچم سنبھالا لیکن سب کے سب مارے گئے۔ سب سے پہلے طلحہ کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے پرچم اٹھایا اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا :

ان علی اھل اللواء حقا ان تخضب الصعدۃ أوتندقا

"پرچم والوں کا فرض ہے کہ نیزہ (خون سے) رنگین ہوجائے یا ٹوٹ جائے۔"

اس شخص پر حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا اور اس کے کندھے پر ایسی تلوار ماری کہ وہ ہاتھ سمیت کندھے کو کاٹتی اور جسم کو چیرتی ہوئی ناف تک جا پہنچی یہاں تک

---

[۹] اس کا ذکر صاحب سیرت حلبیہ نے کیا ہے۔ ورنہ احادیث میں یہ جملہ دوسرے موقعے پر مذکور ہے۔

کہ پھیپھڑا دکھائی دینے لگا۔

اس کے بعد ابوسعد بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھایا۔ اس پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تیر چلایا اور وہ ٹھیک اس کے گلے پر لگا جس سے اس کی زبان باہر نکل آئی اور وہ اسی وقت مرگیا ـــــ لیکن بعض سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ ابوسعد نے باہر نکل کر دعوتِ مُبارَزت دی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر مقابلہ کیا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر تلوار کا ایک وار کیا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوسعد کو مار لیا۔

اس کے بعد مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھایا لیکن اسے عاصم بن ثابت بن ابی افلح رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس کے بھائی کلاب بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھایا مگر اس پر حضرت زُبَیر بن عوام رضی اللہ عنہ ٹوٹ پڑے اور لڑ بھڑ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر ان دونوں کے بھائی جلاس بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھایا مگر اسے طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے نیزہ مار کر ختم کر دیا؛ اور کہا جاتا ہے کہ عاصم بن ثابت بن ابی افلح رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر ختم کیا۔

یہ ایک ہی گھر کے چھ افراد تھے۔ یعنی سب کے سب ابوطلحہ عبداللہ بن عثمان بن عبدالدار کے بیٹے یا پوتے تھے جو مشرکین کے جھنڈے کی حفاظت کرتے ہوئے مارے گئے۔ اس کے بعد قبیلہ بنی عبدالدار کے ایک اور شخص اَرْطَاۃ بن شُرَحْبِیل نے پرچم سنبھالا، لیکن اُسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد شُرَیح بن قارظ نے جھنڈا اٹھایا مگر اُسے قزمان نے قتل کر دیا ـــــ قُزمان منافق تھا اور اسلام کے بجائے قبائلی حمیت کے جوش میں مسلمانوں کے ہمراہ لڑنے آیا تھا ـــــ شریح کے بعد ابوزید عمرو بن عبدمناف عبدری نے جھنڈا سنبھالا مگر اسے بھی قُزمان نے ٹھکانے لگا دیا۔ پھر شُرَحْبِیل بن ہاشم عبدری کے ایک لڑکے نے جھنڈا اٹھایا مگر وہ بھی قُزمان کے ہاتھوں مارا گیا۔

یہ بنو عبدالدار کے دس افراد ہوئے جنہوں نے مشرکین کا جھنڈا اٹھایا اور سب کے سب مارے گئے۔ اس کے بعد اس قبیلے کا کوئی آدمی باقی نہ بچا جو جھنڈا اٹھاتا لیکن اس موقعے پر ان کے ایک حبشی غلام نے ـــــ جس کا نام صواب تھا ـــــ لپک کر جھنڈا اٹھا لیا اور ایسی بہادری اور پامردی سے لڑا کہ اپنے سے پہلے جھنڈا اٹھانے والے اپنے آقاؤں سے بھی بازی

لے گیا یعنی یہ شخص مسلسل لڑتا رہا یہاں تک کہ اس کے دونوں ہاتھ یکے بعد دیگرے کاٹ دیئے گئے لیکن اس کے بعد بھی اس نے جھنڈا گرنے نہ دیا بلکہ گھٹنے کے بل بیٹھ کر سینے اور گردن کی مدد سے کھڑا کئے رکھا یہاں تک کہ جان سے مار ڈالا گیا اور اس وقت بھی یہ کہہ رہا تھا کہ یا اللہ! اب تو میں نے کوئی کسر باقی نہ چھوڑی؟

اس غلام (صواب) کے قتل کے بعد جھنڈا زمین پر گر گیا اور اسے کوئی اٹھانے والا باقی نہ بچا اس لیے وہ گرا ہی رہا۔

بقیہ حصّوں میں جنگ کی کیفیت

ایک طرف مشرکین کا جھنڈا معرکے کا مرکزِ ثقل تھا تو دوسری طرف میدان کے بقیہ حصّوں میں بھی شدید جنگ جاری تھی۔ مسلمانوں کی صفوں پر ایمان کی رُوح چھائی ہوئی تھی اس لیے وہ شرک و کفر کے لشکر پر اس سیلاب کی طرح ٹوٹے پڑ رہے تھے جس کے سامنے کوئی بند ٹھہر نہیں پاتا۔ مسلمان اس موقعے پر اَمِتْ اَمِتْ کہہ رہے تھے؛ اور اس جنگ میں یہی ان کا شعار تھا۔

ادھر ابو دُجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی سُرخ پٹی باندھے رسول اللہ ﷺ کی تلوار تھامے اور اس کے حق کی ادائیگی کا عزمِ مصمّم کئے پیش قدمی کی اور لڑتے ہوئے دُور تک جا گھُسے۔ وہ جس کسی مشرک سے ٹکراتے اس کا صفایا کر دیتے۔ انہوں نے مشرکین کی صفوں کی صفیں اُلٹ دیں۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ سے تلوار مانگی اور آپؐ نے مجھے نہ دی تو میرے دل پر اس کا اثر ہُوا اور مَیں نے اپنے جی میں سوچا کہ میں آپؐ کی پھوپھی حضرت صفیہ کا بیٹا ہوں، قریشی ہوں اور میں نے آپؐ کے پاس جا کر ابو دُجانہؓ سے پہلے تلوار مانگی لیکن آپؐ نے مجھے نہ دی، اور انہیں دے دی اس لیے واللہ! میں دیکھوں گا کہ وہ اس سے کیا کام لیتے ہیں؟ چنانچہ میں ان کے پیچھے لگ گیا۔ انہوں نے یہ کیا کہ پہلے اپنی سُرخ پٹی نکالی اور سر پہ باندھی۔ اس پر انصار نے کہا کہ ابو دُجانہ نے موت کی پٹی نکال لی ہے۔ پھر وہ یہ کہتے ہوئے میدان کی طرف بڑھے۔ ؎

انا الّذی عاھدنی خلیلی ونحن بالسفح لذی النخیل

ان لا اقوم الدھر فی الکیول اضرب بسیفِ اللہ والرّسول

"میں نے اس نخلستان کے دامن میں اپنے خلیل ﷺ سے عہد کیا ہے کہ کبھی صفوں کے پیچھے نہ رہوں گا (بلکہ آگے بڑھ کر) اللہ اور اس کے رسولؐ کی تلوار چلاؤں گا۔"

اس کے بعد انہیں جو بھی مل جاتا اُسے قتل کر دیتے۔ ادھر مشرکین میں ایک شخص تھا جو ہمارے کسی بھی زخمی کو پا جاتا تو اس کا خاتمہ کر دیتا تھا۔ یہ دونوں رفتہ رفتہ قریب ہو رہے تھے۔ میں نے اللہ سے دُعا کی کہ دونوں میں ٹکر ہو جائے اور واقعتہً ٹکر ہو گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے پر ایک ایک وار کیا۔ پہلے مشرک نے ابو دُجانہؓ پر تلوار چلائی لیکن ابو دُجانہؓ نے یہ حملہ ڈھال پر روک لیا اور مشرک کی تلوار ڈھال میں پھنس کر رہ گئی۔ اس کے بعد ابو دُجانہؓ نے تلوار چلائی اور مشرک کو وہیں ڈھیر کر دیا۔[1]

اس کے بعد ابو دُجانہؓ صفوں پر صفیں درہم برہم کرتے ہوئے آگے بڑھے یہاں تک کہ قرشی عورتوں کی کمانڈر تک جا پہنچے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ عورت ہے۔ چنانچہ ان کا بیان ہے کہ میں نے ایک انسان کو دیکھا وہ لوگوں کو بڑے زور و شور سے جوش و ولولہ دلا رہا ہے۔ اس لیے میں نے اس کو نشانے پر لے لیا۔ لیکن جب تلوار سے حملہ کرنا چاہا تو اس نے ہائے پکار مچائی اور پتا چلا کہ عورت ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی تلوار کو بٹہ نہ لگنے دیا کہ اس سے کسی عورت کو ماروں۔

یہ عورت ہند بنت عتبہ تھی۔ چنانچہ حضرت زُبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ابو دُجانہ کو دیکھا انہوں نے ہند بنت عتبہ کے سر کے بیچوں بیچ تلوار بلند کی اور پھر ہٹا لی۔ میں نے سوچا اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔[2]

ادھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی بپھرے ہوئے شیر کی طرح جنگ لڑ رہے تھے اور بے نظیر مار دھاڑ کے ساتھ قلب لشکر کی طرف بڑھے اور چڑھے جا رہے تھے۔ ان کے سامنے سے بڑے بڑے بہادر اس طرح بکھر جاتے تھے جیسے تیز آندھی میں پتے اُڑ رہے ہوں۔ انہوں نے مشرکین کے علمبرداروں کی تباہی میں نمایاں رول ادا کرنے کے علاوہ ان کے بڑے بڑے جانبازوں اور بہادروں کا بھی حال خراب کر رکھا تھا۔ لیکن صد حیف کہ اسی عالم میں ان کی شہادت واقع ہو گئی۔ مگر انہیں بہادروں کی طرح رُو در رُو لڑ کر شہید نہیں کیا گیا بلکہ بزدلوں

---

[1] ابنِ ہشام ۲/ ۶۸، ۶۹ [2] ابنِ ہشام ۲/ ۶۹

کی طرح چھپ چھپا کر بے خبری کے عالم میں مارا گیا۔

شیرِ خدا حضرت حمزہؓ کی شہادت

حضرت حمزہؓ کے قاتل کا نام وحشی بن حرب تھا۔ ہم ان کی شہادت کا واقعہ اسی کی زبانی نقل کرتے ہیں۔ اس کا بیان ہے کہ میں جُبَیر بن مُطعِم کا غلام تھا اور ان کا چچا طُعَیمہ بن عَدِی جنگِ بدر میں مارا گیا تھا۔ جب قریش جنگ اُحد پر روانہ ہونے لگے تو جبیر بن مطعم نے مجھ سے کہا "اگر تم محمدؐ کے چچا حمزہؓ کو میرے چچا کے بدلے قتل کر دو تو تم آزاد ہو۔" وحشی کا بیان ہے کہ (اس پیش کش کے نتیجے میں) میں بھی لوگوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ میں حبشی آدمی تھا اور حبشیوں کی طرح نیزہ پھینکنے میں ماہر تھا۔ نشانہ کم ہی چُوکتا تھا۔ جب لوگوں میں جنگ چھڑ گئی تو میں نکل کر حمزہؓ کو دیکھنے لگا۔ میری نگاہیں اُن کی تلاش میں تھیں۔ بالآخر میں نے انہیں لوگوں کے ہجوم میں دیکھ لیا۔ وہ خاکستری اُونٹ کی طرح معلوم ہو رہے تھے۔ لوگوں کو درہم برہم کرتے جا رہے تھے۔ ان کے سامنے کوئی چیز ٹک نہیں پاتی تھی۔

واللہ! میں ابھی انکے قتل کے ارادے سے تیار ہی ہو رہا تھا اور ایک درخت یا پتھر کی اوٹ میں چھپ کر انہیں قریب آنے کا موقع دینا چاہتا تھا کہ اتنے میں سباع بن عبد العزیٰ مجھ سے آگے بڑھ کر ان کے پاس جا پہنچا۔ حمزہؓ نے اسے للکارتے ہوئے کہا "او! شرمگاہ کی چمڑی کاٹنے والی کے بیٹے! یہ لے۔" اور ساتھ ہی اس زور کی تلوار ماری کہ گویا اس کا سر تھا ہی نہیں۔

وحشی کا بیان ہے کہ اس کے ساتھ ہی میں نے اپنا نیزا تولا اور جب میری مرضی کے مطابق ہو گیا تو ان کی طرف اچھال دیا۔ نیزہ ناف کے نیچے لگا اور دونوں پاؤں کے بیچ سے پار ہو گیا۔ انہوں نے میری طرف اُٹھنا چاہا لیکن مغلوب ہو گئے۔ میں نے ان کو اسی حال میں چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے۔ اس کے بعد میں نے ان کے پاس جا کر اپنا نیزہ نکال لیا اور لشکر میں واپس جا کر بیٹھ گیا۔ (میرا کام ختم ہو چکا تھا) مجھے ان کے سوا کسی اور سے سروکار نہ تھا۔ میں نے انھیں محض اس لیے قتل کیا تھا کہ آزاد ہو جاؤں۔ چنانچہ جب مکہ آیا تو مجھے آزادی مل گئی۔[۱۲]

---

[۱۲] ابن ہشام ۲ / ۶۹ - ۷۲ - صحیح بخاری ۲ / ۵۸۳ - وحشی نے جنگ طائف کے بعد اسلام قبول کیا۔ اور اپنے اسی نیزے سے دَورِ صدیقی میں جنگِ یمامہ کے اندر مُسَیلمہ کذّاب کو قتل کیا۔ رومیوں کے خلاف جنگِ یَرمُوک میں بھی شرکت کی۔

مسلمانوں کی بالادستی

شیرِ خدا اور شیرِ رسولؐ حضرت حمزہؓ کی شہادت کے نتیجے میں مسلمانوں کو جو سنگین خسارہ اور ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا اس کے باوجود جنگ میں مسلمانوں ہی کا پلّہ بھاری رہا۔ حضرت ابوبکر و عمر، علی و زبیر، مُصعَب بن عُمَیر، طلحہ بن عبید اللہ، عبد اللہ بن جحش، سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، سعد بن ربیع اور نضر بن انس وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین نے ایسی پامردی و جانبازی سے لڑائی لڑی کہ مشرکین کے چھکّے چھوٹ گئے، حوصلے ٹوٹ گئے، اور ان کی قوتِ بازو جواب دے گئی۔

عورت کی آغوش سے تلوار کی دھار پر

اور آیئے! ذرا ادھر دیکھیں۔ انہیں جان فروش شہبازوں میں ایک اور بزرگ حضرت حَنْظَلَۃ الغَسِیل رضی اللہ عنہ نظر آرہے ہیں۔ جو آج ایک نرالی شان سے میدانِ جنگ میں تشریف لائے ہیں ـــــ آپ اسی ابوعامر راہب کے بیٹے ہیں جسے بعد میں فاسق کے نام سے شہرت ملی اور جس کا ذکر ہم پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں۔ حضرت حنظلہ نے ابھی نئی نئی شادی کی تھی۔ جنگ کی منادی ہوئی تو وہ بیوی سے ہم آغوش تھے۔ آواز سنتے ہی آغوش سے نکل کر جہاد کے لیے رواں دواں ہو گئے اور جب مشرکین کے ساتھ میدانِ کارزار گرم ہوا تو ان کی صفیں چیرتے پھاڑتے ان کے سپہ سالار ابوسفیان تک جا پہنچے اور قریب تھا کہ اس کا کام تمام کر دیتے۔ مگر اللہ نے خود ان کے لیے شہادت مقدر کر رکھی تھی۔ چنانچہ انہوں نے جوں ہی ابوسفیان کو نشانے پر لے کر تلوار بلند کی شدّاد بن اوس نے دیکھ لیا اور جھٹ حملہ کر دیا جس سے خود حضرت حنظلہؓ شہید ہو گئے۔

تیر اندازوں کا کارنامہ

جبل رماۃ پر جن تیر اندازوں کو رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمایا تھا انہوں نے بھی جنگ کی رفتار مسلمانوں کے موافق چلانے میں بڑا اہم رول ادا کیا۔ مکّی شہسواروں نے خالد بن ولید کی قیادت میں اور ابوعامر فاسق کی مدد سے اسلامی فوج کا بایاں بازو توڑ کر مسلمانوں کی پشت تک پہنچنے اور ان کی صفوں میں کھلبلی مچا کر بھرپور شکست سے دوچار کرنے کے لیے تین بار پُرزور حملے کئے لیکن مسلمان تیر اندازوں نے انہیں اس طرح تیروں سے چھلنی کیا کہ ان کے تینوں حملے ناکام ہو گئے۔[۱۳]

---

[۱۳] دیکھئے فتح الباری ۷/۳۴۶

مشرکین کی شکست

کچھ دیر تک اسی طرح شدید جنگ ہوتی رہی اور چھوٹا سا اسلامی لشکر، رفتارِ جنگ پر پوری طرح مسلط رہا۔ بالآخر مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے، اُن کی صفیں دائیں بائیں، آگے پیچھے سے بکھرنے لگیں۔ گویا تین ہزار مشرکین کو سات سو نہیں بلکہ تیس ہزار مسلمانوں کا سامنا ہے۔ ادھر مسلمان تھے کہ ایمان و یقین اور جانبازی و شجاعت کی نہایت بلند پایہ تصویر بنے شمشیر و سنان کے جوہر دکھلا رہے تھے۔

جب قریش نے مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملے روکنے کے لیے اپنی انتہائی طاقت صَرف کرنے کے باوجُود مجبوری و بے بسی محسوس کی، اور ان کے حوصلے اس حد تک ٹوٹ گئے کہ صواب کے قتل کے بعد کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ سلسلۂ جنگ جاری رکھنے کے لیے اپنے گرے ہوئے جھنڈے کے قریب جا کر اسے بلند کرے تو انہوں نے پسپا ہونا شروع کر دیا اور فرار کی راہ اختیار کی اور بدلہ و انتقام بحالیٔ عزّ و وقار اور واپسیٔ مجد و شرف کی جو باتیں انہوں نے سوچ رکھی تھیں انہیں یکسر بھُول گئے۔

ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ اللہ نے مسلمانوں پر اپنی مدد نازل کی اور ان سے اپنا وعدہ پورا کیا؛ چنانچہ مسلمانوں نے تلواروں سے مشرکین کی ایسی کٹائی کی کہ وہ کیمپ سے بھی پرے بھاگ گئے اور بلاشبہ ان کو شکست فاش ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے والد نے فرمایا: "واللہ میں نے دیکھا کہ ہند بنت عتبہ اور اُس کی ساتھی عورتوں کی پنڈلیاں نظر آ رہی ہیں۔ وہ کپڑے اُٹھائے بھاگی جا رہی ہیں۔ ان کی گرفتاری میں کوئی چیز بھی حائل نہیں تھی"۔۔۔۔ الخ[۱۴]

صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب مشرکین سے ہماری ٹکر ہوئی تو مشرکین میں بھگدڑ مچ گئی یہاں تک کہ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے پہاڑ میں تیزی سے بھاگ رہی تھیں۔ ان کی پازیبیں دکھائی پڑ رہی تھیں۔[۱۵] اور اس بھگدڑ کے عالم میں مسلمان مشرکین پر تلوار چلاتے اور مال سمیٹتے ہوئے ان کا تعاقب کر رہے تھے۔

تیر اندازوں کی خوفناک غلطی

لیکن عین اس وقت جبکہ یہ مختصر سا اسلامی لشکر اہلِ مکّہ کے خلاف تاریخ کے اوراق پر ایک اور

---

[۱۴] ابنِ ہشام ۲/۷۷ [۱۵] صحیح بخاری ۲/۵۷۹

شاندار فتح ثبت کر رہا تھا جو اپنی تابناکی میں جنگِ بدر کی فتح سے کسی طرح کم نہ تھی، تیراندازوں کی اکثریت نے ایک خوفناک غلطی کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا مسلمانوں کو شدید نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ اور خود نبی کریم ﷺ شہادت سے بال بال بچے؛ اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کی وہ ساکھ اور وہ ہیبت جاتی رہی جو جنگِ بدر کے نتیجے میں انہیں حاصل ہوئی تھی۔

پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیراندازوں کو فتح و شکست ہر حال میں اپنے پہاڑی مورچے پر ڈٹے رہنے کی کتنی سخت تاکید فرمائی تھی لیکن ان سارے تاکیدی احکامات کے باوجود جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان دشمن کا مالِ غنیمت لوٹ رہے ہیں تو اُن پر حُبِّ دُنیا کا کچھ اثر غالب آگیا؛ چنانچہ بعض نے بعض سے کہا غنیمت.....! غنیمت.....! تمہارے ساتھی جیت گئے.....! اب کاہے کا انتظار ہے؟

اس آواز کے اُٹھتے ہی ان کے کمانڈر حضرت عبداللہؓ بن جبیر نے انہیں رسول اللہ ﷺ کے احکامات یاد دلائے اور فرمایا: کیا تم لوگ بھول گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں کیا حکم دیا تھا؟ لیکن ان کی غالب اکثریت نے اس یاددہانی پر کان نہ دھرا اور کہنے لگے: "خدا کی قسم ہم بھی لوگوں کے پاس ضرور جائیں گے اور کچھ مالِ غنیمت ضرور حاصل کریں گے"[۱۶] اس کے بعد چالیس تیراندازوں نے اپنے مورچے چھوڑ دیئے اور مالِ غنیمت سمیٹنے کے لیے عام لشکر میں جا شامل ہوئے۔ اس طرح مسلمانوں کی پشت خالی ہوگئی اور وہاں صرف عبداللہؓ بن جبیر اور ان کے نو ساتھی باقی رہ گئے جو اس عزم کے ساتھ اپنے مورچوں میں ڈٹے رہے کہ یا تو انہیں اجازت دی جائے گی یا وہ اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دیں گے۔

اسلامی لشکر مشرکین کے نرغے میں

حضرت خالد بن ولید، جو اس سے پہلے تین بار اس مورچے کو سر کرنے کی کوشش کر چکے تھے، اس زرّیں موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نہایت تیزی سے چکر کاٹ کر اسلامی لشکر کی پشت پر جا پہنچے اور چند لمحوں میں عبداللہؓ بن جبیر اور ان کے ساتھیوں کا صفایا کر کے مسلمانوں پر پیچھے سے ٹوٹ پڑے۔ ان کے شہسواروں نے ایک نعرہ بلند کیا

---

[۱۶] یہ بات صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دیکھئے ۱/۴۲۶

جس سے شکست خوردہ مشرکین کو اس نئی تبدیلی کا علم ہوگیا اور وہ بھی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر قبیلہ بنو حارث کی ایک عورت عمرہ بنت علقمہ نے لپک کر زمین پر پڑا ہوا مشرکین کا جھنڈا اٹھا لیا۔ پھر کیا تھا، بکھرے ہوئے مشرکین اس کے گرد سمٹنے لگے اور ایک نے دوسرے کو آواز دی، جس کے نتیجے میں وہ مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہوگئے اور جم کر لڑائی شروع کر دی۔ اب مسلمان آگے اور پیچھے دونوں طرف سے گھیرے میں آچکے تھے۔ گویا چکی کے دو پاٹوں کے بیچ میں پڑ گئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پُرخطر فیصلہ اور دلیرانہ اقدام

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف نو صحابہؓ[17] کی ذرا جتنی نفری کے ہمراہ پیچھے[18] تشریف فرما تھے اور مسلمانوں کی مار دھاڑ اور مشرکین کے کھدیڑے جانے کا منظر دیکھ رہے تھے کہ آپؐ کو ایک دم اچانک خالد بن ولید کے شہسوار دکھائی پڑے۔ اس کے بعد آپؐ کے سامنے دو ہی راستے تھے، یا تو آپؐ اپنے نو رفقاء سمیت تیزی سے بھاگ کر کسی محفوظ جگہ چلے جاتے اور اپنے لشکر کو جو اب نرغے میں آیا ہی چاہتا تھا اس کی قسمت پر چھوڑ دیتے یا اپنی جان خطرے میں ڈال کر اپنے صحابہؓ کو بلاتے اور ان کی ایک معتدبہ تعداد اپنے پاس جمع کر کے ایک مضبوط محاذ تشکیل دیتے اور اس کے ذریعے مشرکین کا گھیرا توڑ کر اپنے لشکر کے لیے احد کی بلندی کی طرف جانے کا راستہ بناتے۔

آزمائش کے اس نازک ترین موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبقریت اور بے نظیر شجاعت نمایاں ہوئی کیونکہ آپؐ نے جان بچا کر بھاگنے کے بجائے اپنی جان خطرہ میں ڈال کر صحابہ کرامؓ کی جان بچانے کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ آپؐ نے خالد بن ولید کے شہسواروں کو دیکھتے ہی نہایت بلند آواز سے صحابہ کرامؓ کو پکارا "اللہ کے بندو..... ادھر..... ادھر..... حالانکہ آپؐ جانتے تھے کہ یہ آواز مسلمانوں سے پہلے مشرکین تک پہنچ جائے گی اور یہی ہوا بھی؛ چنانچہ یہ آواز سن کر مشرکین کو معلوم ہوگیا کہ آپؐ یہیں موجود ہیں۔ لہٰذا ان کا ایک دستہ مسلمانوں سے پہلے آپؐ کے پاس پہنچ گیا اور باقی شہسواروں

---

[17] صحیح مسلم (۲ / ۱۰۷) میں روایت ہے۔ کہ آپؐ احد کے روز صرف سات انصار اور دو قریشی صحابہؓ کے درمیان رہ گئے تھے۔

[18] اس کی دلیل اللہ کا یہ ارشاد ہے والرسول یدعوکم فی اُخراکم یعنی رسول تمہارے پیچھے سے تمہیں بلا رہے تھے

نے تیزی کے ساتھ مسلمانوں کو گھیرنا شروع کر دیا۔ اب ہم دونوں محاذوں کی تفصیلات الگ الگ ذکر کر رہے ہیں۔

مُسلمانوں میں انتشار

جب مسلمان نرغے میں آگئے تو ایک گروہ تو ہوش کھو بیٹھا اُسے صرف اپنی جان کی پڑی تھی چنانچہ اس نے میدانِ جنگ چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کی۔ اسے کچھ خبر نہ تھی کہ پیچھے کیا ہو رہا ہے؟ ان میں سے کچھ تو بھاگ کر مدینے میں جا گھسے اور کچھ پہاڑ کے اُوپر چڑھ گئے۔ ایک اور گروہ پیچھے کی طرف پلٹا تو مشرکین کے ساتھ مخلوط ہو گیا۔ دونوں لشکر گڈمڈ ہو گئے اور ایک کو دوسرے کا پتا نہ چل سکا۔ اس کے نتیجے میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں بعض مسلمان مار ڈالے گئے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ احد کے روز (پہلے) مشرکین کو شکستِ فاش ہُوئی۔ اس کے بعد ابلیس نے آواز لگائی کہ اللہ کے بندو! پیچھے۔۔۔۔ اس پر اگلی صف پلٹی اور پچھلی صف سے گتھ گئی۔ حذیفہؓ نے دیکھا کہ ان کے والد یمانؓ پر حملہ ہو رہا ہے۔ وہ بولے' اللہ کے بندو! میرے والد ہیں۔ لیکن خدا کی قسم لوگوں نے ان سے ہاتھ نہ روکا یہاں تک کہ انہیں مار ہی ڈالا۔ حذیفہؓ نے کہا' اللہ آپ لوگوں کی مغفرت کرے۔ حضرت عروہ کا بیان ہے کہ بخدا حضرت حذیفہؓ میں ہمیشہ خیر کا بقیہ رہا یہاں تک کہ وہ اللہ سے جا ملے۔[19]

غرض اس گروہ کی صفوں میں سخت انتشار اور بدنظمی پیدا ہو گئی تھی۔ بہت سے لوگ حیران و سرگرداں تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کدھر جائیں۔ اسی دوران ایک پکارنے والے کی پکار سنائی پڑی کہ محمدؐ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ اس سے رہا سہا ہوش بھی جاتا رہا۔ اکثر لوگوں کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ بعض نے لڑائی سے ہاتھ روک لیا اور درماندہ ہو کر ہتھیار پھینک دیئے۔ کچھ اور لوگوں نے سوچا کہ رأس المنافقین عبد اللہ بن اُبَیّ سے مل کر کہا جائے کہ وہ ابوسفیان سے ان کے لیے امان طلب کر دے۔

چند لمحے بعد ان لوگوں کے پاس سے حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ کا گذر ہُوا۔ دیکھا کہ

---

[19] صحیح بخاری ۱/۵۳۹، ۲/۵۸۱ فتح الباری ۷/۳۵۱، ۳۶۲، ۳۶۳۔ بخاری کے علاوہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی دیت دینی چاہی۔ لیکن حضرت حذیفہؓ نے کہا: میں نے ان کی دیت مسلمانوں پر صدقہ کر دی۔ اس کی وجہ سے نبی ﷺ کے نزدیک حضرت حذیفہؓ کے خیر میں مزید اضافہ ہو گیا۔ دیکھئے مختصر السیرہ للشیخ عبد اللہ النجدی ص ۲۴۶۔

ہاتھ پر ہاتھ دھرے پڑے ہیں۔ پوچھا کاہے کا انتظار ہے؟ جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ قتل کر دیئے گئے۔ حضرت انسؓ بن نضر نے کہا: تو اب آپؐ کے بعد تم لوگ زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ اُٹھو! اور جس چیز پر رسول اللہ ﷺ نے جان دی اسی پر تم بھی جان دے دو۔ اس کے بعد کہا: اے اللہ! ان لوگوں نے ـــــ یعنی مُسلمانوں نے ـــــ جو کچھ کیا ہے اس پر میں تیرے حضور معذرت کرتا ہوں؛ اور ان لوگوں نے ـــــ یعنی مشرکین نے ـــــ جو کچھ کیا ہے اس سے براءت اختیار کرتا ہوں؛ اور یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ آگے حضرت سعدؓ بن معاذ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے دریافت کیا، ابو عمرؓ! کہاں جا رہے ہو؟ حضرت انسؓ نے جواب دیا: آہا! جنّت کی خوشبو کا کیا کہنا۔ اے سعد! میں اسے اُحد کے پرے محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے بعد اور آگے بڑھے اور مشرکین سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ خاتمۂ جنگ کے بعد انہیں پہچانا نہ جا سکا حتیٰ کہ ان کی بہن نے انہیں محض انگلیوں کے پور سے پہچانا۔ ان کو نیزے، تلوار اور تیر کے اسّی[۸] سے زیادہ زخم آئے تھے۔[۲۰]

اسی طرح ثابت بن دَحداحؓ نے اپنی قوم کو پکار کر کہا: "اگر محمدؐ قتل کر دیئے گئے ہیں تو اللہ تو زندہ ہے۔ وہ تو نہیں مر سکتا۔ تم اپنے دین کے لیے لڑو۔ اللہ تمہیں فتح و مدد دے گا۔ اس پر انصار کی ایک جماعت اُٹھ پڑی اور حضرت ثابتؓ نے ان کی مدد سے خالد کے رسالے پر حملہ کر دیا اور لڑتے لڑتے حضرت خالد کے ہاتھوں نیزے سے شہید ہو گئے۔ انہیں کی طرح ان کے رفقاء نے بھی لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کیا۔[۲۱]

ایک مہاجر صحابی ایک انصاری صحابی کے پاس سے گذرے جو خون میں لت پت تھے۔ مہاجر نے کہا، بھئی فلاں: آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ محمدؐ قتل کر دیئے گئے۔ انصاری نے کہا: اگر محمدؐ قتل کر دیئے گئے تو وہ اللہ کا دین پہنچا چکے ہیں۔ اب تمہارا کام ہے کہ اس دین کی حفاظت کے لیے لڑو۔[۲۲]

اس طرح کی حوصلہ افزا اور ولولہ انگیز باتوں سے اسلامی فوج کے حوصلے بحال ہو گئے۔ اور ان کے ہوش و حواس اپنی جگہ آ گئے۔ چنانچہ اب انہوں نے ہتھیار ڈالنے یا ابن اُبَیّ سے مل کر طلبِ امان کی بات سوچنے کے بجائے ہتھیار اٹھا لیے اور مشرکین کے تند سیلاب سے

---

[۲۰] زاد المعاد ۲/ ۹۳، ۹۶۔ صحیح بخاری ۲/ ۵۷۹
[۲۱] السیرۃ الحلبیہ ۲/ ۲۲ [۲۲] زاد المعاد ۲/ ۹۶

ٹکرا کر ان کا گھیرا توڑنے اور مرکزِ قیادت تک راستہ بنانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ اسی دوران یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے قتل کی خبر محض جھوٹ اور گھڑنت ہے۔ اس سے ان کی قوّت اور بڑھ گئی اور ان کے حوصلوں اور ولولوں میں تازگی آگئی؛ چنانچہ وہ ایک سخت اور خونریز جنگ کے بعد گھیرا توڑ کر نرغے سے نکلنے اور ایک مضبوط مرکز کے گرد جمع ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

اسلامی لشکر کا ایک تیسرا گروہ وہ تھا جسے صرف رسول اللہ ﷺ کی فکر تھی۔ یہ گروہ گھیراؤ کی کارروائی کا علم ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ کی طرف پلٹا۔ ان میں سرِفہرست ابوبکر صدیق، عمر بن الخطاب اور علی بن ابی طالب وغیرہم رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ لوگ مقاتلین کی صفِ اوّل میں بھی سب سے آگے تھے لیکن جب نبی ﷺ کی ذات گرامی کے لیے خطرہ پیدا ہوا تو آپؐ کی حفاظت اور دفاع کرنے والوں میں بھی سب سے آگے آگئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد خونریز معرکہ

عین اُس وقت جبکہ اسلامی لشکر نرغے میں آکر مشرکین کی چکّی کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہا تھا رسول اللہ ﷺ کے گرداگرد بھی خونریز معرکہ آرائی جاری تھی۔ ہم بتا چکے ہیں کہ مشرکین نے گھیراؤ کی کارروائی شروع کی تو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ محض نو آدمی تھے اور جب آپؐ نے مسلمانوں کو یہ کہہ کر پکارا کہ میری طرف آؤ! میں اللہ کا رسول ہوں، تو آپؐ کی آواز مشرکین نے سن لی اور آپؐ کو پہچان لیا۔ (کیونکہ اس وقت وہ مسلمانوں سے بھی زیادہ آپؐ کے قریب تھے) چنانچہ انہوں نے جھپٹ کر آپؐ پر حملہ کر دیا اور کسی مسلمان کی آمد سے پہلے پہلے اپنا پورا بوجھ ڈال دیا۔ اس فوری حملے کے نتیجے میں ان مشرکین اور وہاں پر موجود نو صحابہؓ کے درمیان نہایت سخت معرکہ آرائی شروع ہو گئی جس میں محبّت و جان سپاری اور شجاعت و جانبازی کے بڑے بڑے نادر واقعات پیش آئے۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُحد کے روز رسول اللہ ﷺ سات انصار اور دو قریشی صحابہ کے ہمراہ الگ تھلگ رہ گئے تھے۔ جب حملہ آور آپؐ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو آپؐ نے فرمایا: "کون ہے جو انہیں ہم سے دفع کرے اور اس

کے لیے جنّت ہے؟ یا (یہ فرمایا کہ) وہ جنّت میں میرا رفیق ہوگا؟" اس کے بعد ایک انصاری صحابی آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ اس کے بعد پھر مشرکین آپؐ کے بالکل قریب آگئے اور پھر یہی ہوا۔ اس طرح باری باری ساتوں انصاری صحابی شہید ہوگئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دو باقیماندہ ساتھیوں۔یعنی قریشیوں —— سے فرمایا "ہم نے اپنے ساتھیوں سے انصاف نہیں کیا۔" [۲۳]

ان ساتوں میں سے آخری صحابی حضرت عمارہؓ بن یزید بن السکن تھے۔ وہ لڑتے رہے لڑتے رہے یہاں تک کہ زخموں سے چُور ہو کر گر پڑے۔ [۲۴]

ابنؓ السکن کے گرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ صرف دونوں قریشی صحابی رہ گئے تھے۔ چنانچہ صحیحین میں ابوعثمان رضی اللہ عنہ کا بیان مروی ہے کہ جن ایّام میں آپؐ نے معرکہ آرائیاں کیں ان میں سے ایک لڑائی میں آپؐ کے ساتھ طلحہؓ بن عبید اللہ اور سعدؓ (ابن ابی وقاص) کے سوا کوئی نہ رہ گیا تھا [۲۵] اور یہ لمحہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے لیے نہایت ہی نازک ترین لمحہ تھا جبکہ مشرکین کے لیے انتہائی سنہری موقع تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مشرکین نے اس موقعے سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ انہوں نے اپنا تابڑ توڑ حملہ نبی ﷺ پر مرکوز رکھا اور چاہا کہ آپؐ کا کام تمام کردیں۔ اسی حملے میں عُتبہ بن ابی وقاص نے آپؐ کو پتّھر مارا جس سے آپؐ پہلو کے بَل گر گئے۔ آپؐ کا داہنا نچلا رباعی [۲۶] دانت ٹوٹ گیا۔ اور آپؐ کا نچلا ہونٹ زخمی ہوگیا۔ عبداللہ بن شہاب زہری نے آگے بڑھ کر آپؐ کی پیشانی زخمی کردی۔ ایک اور اڑیل سوار عبداللہ بن قمئہ نے لپک کر آپؐ کے کندھے پر ایسی سخت تلوار

---

۲۳ صحیح مسلم باب غزوۃ احد ۲/۱۰۷

۲۴ ایک لحظہ بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت آگئی۔ انہوں نے کفّار کو حضرت عمارہؓ سے پیچھے دھکیلا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے قریب لے آئے۔ آپؐ نے انہیں اپنے پاؤں پر ٹیک لیا اور انہوں نے اس حالت میں دم توڑ دیا کہ ان کا رخسار رسول اللہ ﷺ کے پاؤں پر تھا (ابن ہشام ۲/۸۱) گویا یہ آرزو حقیقت بن گئی کہ ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے اوپر ۔۔۔ یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

۲۵ صحیح بخاری ۱/۵۲۷، ۲/۵۸۱

۲۶ مُنہ کے بالکل بیچوں بیچ نیچے اُوپر کے دو دو دانت ثنایا کہلاتے ہیں اور ان کے دائیں بائیں، نیچے اوپر کے ایک ایک دانت رباعی کہلاتے ہیں جو کچلی کے نوکیلے دانت سے پہلے ہوتے ہیں۔

ماری کہ آپؐ ایک مہینے سے زیادہ عرصے تک اس کی تکلیف محسوس کرتے رہے۔ البتہ آپؐ کی دوہری زرہ نہ کٹ سکی۔ اس کے بعد اس نے پہلے ہی کی طرح پھر ایک زوردار تلوار ماری۔ جو آنکھ سے نیچے کی اُبھری ہوئی ہڈی پر لگی اور اس کی وجہ سے خود[۲۷] کی دو کڑیاں چہرے کے اندر دھنس گئیں ساتھ ہی اُس نے کہا: اسے لے! میں قمئہ (توڑنے والے) کا بیٹا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے چہرے سے خون پونچھتے ہوئے فرمایا: "اللہ تجھے توڑ ڈالے"۔[۲۸]

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ آپؐ کا رباعی دانت توڑ دیا گیا اور سر زخمی کر دیا گیا۔ اس وقت آپؐ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے: "وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو زخمی کر دیا اور اس کا دانت توڑ دیا حالانکہ وہ انہیں اللہ کی طرف دعوت دے رہا تھا"۔ اس پر اللہ عزّوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○
(۳ : ۱۲۸)

"آپ کو کوئی اختیار نہیں اللہ چاہے تو انہیں توبہ کی توفیق دے اور چاہے تو عذاب دے کہ وہ ظالم ہیں"۔[۲۹]

طبرانی کی روایت ہے کہ آپؐ نے اس روز فرمایا: "اس قوم پر اللہ کا سخت عذاب ہو جس نے اپنے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کر دیا" پھر تھوڑی دیر رُک کر فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔[۳۰]

"اے اللہ میری قوم کو بخش دے۔ وہ نہیں جانتی۔"

صحیح مسلم کی روایت میں بھی یہی ہے کہ آپؐ بار بار کہہ رہے تھے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔[۳۱]

اے پروردگار! میری قوم کو بخش دے۔ وہ نہیں جانتی۔"

---

[۲۷] لوہے یا پتھر کی ٹوپی جسے جنگ میں سر اور چہرے کی حفاظت کے لیے اوڑھا جاتا ہے۔

[۲۸] اللہ نے آپؐ کی یہ دُعا سُن لی؛ چنانچہ ابن عائذ سے روایت ہے کہ ابن قمئہ جنگ سے گھر واپس جانے کے بعد اپنی بکریاں دیکھنے کے لیے نکلا تو یہ بکریاں پہاڑ کی چوٹی پر ملیں۔ یہ شخص وہاں پہنچا تو ایک پہاڑی بکرے نے حملہ کر دیا اور سینگ مار مار کر پہاڑ کی بلندی سے نیچے لڑھکا دیا۔ (فتح الباری ۷/۳۷۳) اور طبرانی کی روایت ہے کہ اللہ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلّط کر دیا جس نے سینگ مار مار کر اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا (فتح الباری ۷/۳۶۶) [۲۹] صحیح بخاری ۲/۵۸۲ - صحیح مسلم ۲/۱۰۸

[۳۰] فتح الباری ۷/۳۷۳ [۳۱] صحیح مسلم، باب غزوۂ احد ۲/۱۰۸

قاضی عیاض کی شفا میں یہ الفاظ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ [۳۲]

"اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے۔ وہ نہیں جانتی۔"

اس میں شبہ نہیں کہ مشرکین آپؐ کا کام تمام کر دینا چاہتے تھے مگر دونوں قریشی صحابہ یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما نے نادر الوجود جانبازی اور بے مثال بہادری سے کام لے کر صرف دو ہوتے ہوئے مشرکین کی کامیابی ناممکن بنا دی۔ یہ دونوں عرب کے ماہر ترین تیر انداز تھے۔ انہوں نے تیر مار مار کر مشرکین حملہ آوروں کو رسول اللہ ﷺ سے پرے رکھا۔

جہاں تک سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکش کے سارے تیر ان کے لیے بکھیر دیئے اور فرمایا: "چلاؤ، تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں" [۳۳]۔ ان کی صلاحیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سوا کسی اور کے لیے ماں باپ کے فدا ہونے کی بات نہیں کہی۔ [۳۴]

اور جہاں تک حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو ان کے کارنامے کا اندازہ نسائی کی ایک روایت سے لگایا جا سکتا ہے جس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ پر مشرکین کے اس وقت کے حملے کا ذکر کیا ہے جب آپؐ انصار کی ذرا جتنی نفری کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو جا لیا تو آپؐ نے فرمایا: "کون ہے جو ان سے نمٹے؟" حضرت طلحہؓ نے کہا: میں۔ اس کے بعد حضرت جابرؓ نے انصار کے آگے بڑھنے اور ایک ایک کر کے شہید ہونے کی وہ تفصیل ذکر کی ہے جسے ہم صحیح مسلم کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ سب شہید ہو گئے تو حضرت طلحہؓ آگے بڑھے اور گیارہ آدمیوں کے برابر تنہا لڑائی کی یہاں تک کہ ان کے ہاتھ پر تلوار کی ایک ایسی ضرب لگی جس سے ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔ اس پر ان کے منہ سے آواز نکلی حس (سی)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اگر تم بسم اللہ کہتے تو تمہیں فرشتے اٹھا لیتے

---

[۳۲] کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ۱/ ۸۱

[۳۳-۳۴] صحیح بخاری ۱/ ۴۰۷، ۲/ ۵۸۰، ۵۸۱

اور لوگ دیکھتے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ پھر اللہ نے مشرکین کو پلٹا دیا۔ [۳۵]

اکلیل میں حاکم کی روایت ہے کہ انہیں اُحد کے روز انتالیس یا پینتیس زخم آئے اور ان کی نچلی اور شہادت کی انگلیاں شل ہوگئیں۔ [۳۶]

امام بخاریؒ نے قیسؒ بن ابی حازم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: "میں نے حضرت طلحہؓ کا ہاتھ دیکھا کہ وہ شل تھا۔ اس سے اُحد کے دن انہوں نے نبی ﷺ کو بچایا تھا۔ [۳۷]

ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں اس روز فرمایا جو شخص کسی شہید کو روئے زمین پر چلتا ہوا دیکھنا چاہے وہ طلحہؓ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔ [۳۸]

اور ابوداؤد طیالسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جب جنگِ اُحد کا تذکرہ فرماتے تو کہتے کہ یہ جنگ کُل کی کُل طلحہؓ کے لیے تھی [۳۹] (یعنی اس میں نبی ﷺ کے تحفظ کا اصل کارنامہ انہیں نے انجام دیا تھا۔) حضرت ابوبکرؓ نے ان کے بارے میں یہ بھی کہا:

یا طلحة بن عبید اللہ قد وَجَبَتْ لك الجنان وبوأت المها العینا [۴۰]

اے طلحہ بن عبید اللہ تمہارے لیے جنتیں واجب ہوگئیں۔ اور تم نے اپنے یہاں حورعین کا ٹھکانا بنا لیا۔

اسی نازک ترین لمحے اور مشکل ترین وقت میں اللہ نے غیب سے اپنی مدد نازل فرمائی، چنانچہ صحیحین میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اُحد کے روز دیکھا آپؐ کے ساتھ دو آدمی تھے، سفید کپڑے پہنے ہوئے۔ یہ دونوں آپؐ کی طرف سے انتہائی زوردار لڑائی لڑ رہے تھے۔ میں نے اس سے پہلے اور اس کے بعد ان دونوں کو کبھی نہیں دیکھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ دونوں حضرت جبرئیلؑ و حضرت میکائیلؑ تھے۔ [۴۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ کے اکٹھا ہونے کی ابتدا

یہ سارا حادثہ چند لمحات

---

[۳۵] فتح الباری ۷/ ۳۶۱۔ سنن نسائی ۲/ ۵۲، ۵۳
[۳۶] فتح الباری ۷/ ۳۶۱ [۳۷] صحیح بخاری ۱/ ۵۲۷، ۵۸۱
[۳۸] مشکوۃ ۲/ ۵۶۶، ابن ہشام ۲/ ۸۶ [۳۹] فتح الباری ۷/ ۳۶۱
[۴۰] مختصر تاریخ دمشق ۷/ ۸۲۔ بحوالہ حاشیہ شرح شذور الذہب ص ۱۱۴)
[۴۱] صحیح بخاری ۲/ ۵۸۰

کے اندر اندر بالکل اچانک اور نہایت تیز رفتاری سے پیش آ گیا۔ ورنہ نبی ﷺ کے منتخب صحابہ کرام جو لڑائی کے دوران صفِ اوّل میں تھے، جنگ کی صورتِ حال بدلتے ہی یا نبی ﷺ کی آواز سُنتے ہی آپؐ کی طرف بے تحاشا دوڑ کر آئے کہ کہیں آپؐ کو کوئی ناگوار حادثہ پیش نہ آ جائے۔ مگر یہ لوگ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ زخمی ہو چکے تھے، چھ انصاری شہید ہو چکے تھے، ساتویں زخمی ہو کر گر چکے تھے اور حضرت سعدؓ اور حضرت طلحہؓ جان توڑ کر مدافعت کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے پہنچتے ہی اپنے جسموں اور ہتھیاروں سے نبیؐ کے گرد ایک باڑھ تیار کر دی اور دشمن کے تابڑ توڑ حملے روکنے میں انتہائی بہادری سے کام لیا۔ لڑائی کی صف سے آپؐ کے پاس پلٹ کر آنے والے سب سے پہلے صحابی آپؐ کے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

ابنِ حبّان نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اُحد کے دن سارے لوگ نبی ﷺ سے پلٹ گئے تھے (یعنی محافظین کے سوا تمام صحابہ آپؐ کو آپ کی قیام گاہ میں چھوڑ کر لڑائی کے لیے اگلی صفوں میں چلے گئے تھے۔ پھر گھیراؤ کے حادثے کے بعد) میں پہلا شخص تھا جو نبی ﷺ کے پاس پلٹ کر آیا۔ دیکھا تو آپ کے سامنے ایک آدمی تھا جو آپؐ کی طرف سے لڑ رہا تھا اور آپؐ کو بچا رہا تھا۔ میں نے (جی ہی جی میں) کہا، تم طلحہؓ ہو۔ تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ تم طلحہ ہو۔ تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ اتنے میں ابوعبیدہ بن جراح میرے پاس آ گئے۔ وہ اس طرح دوڑ رہے تھے گویا چڑیا (اُڑ رہی) ہے یہاں تک کہ مجھ سے آ ملے۔ اب ہم دونوں نبی ﷺ کی طرف دوڑے۔ دیکھا تو آپ کے آگے طلحہ بچھے پڑے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، اپنے بھائی کو سنبھالو اس نے (جنّت) واجب کر لی۔" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ (ہم پہنچے تو) نبی ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہو چکا تھا اور خُود کی دو کڑیاں آنکھ کے نیچے رخسار میں دھنس چکی تھیں۔ میں نے انہیں نکالنا چاہا تو ابوعُبَیدہ نے کہا، خدا کا واسطہ دیتا ہوں مجھے نکالنے دیجئے۔ اس کے بعد انہوں نے منہ سے ایک کڑی پکڑی اور آہستہ آہستہ نکالنی شروع کی تاکہ رسول اللہ ﷺ کو اذیّت نہ پہنچے، اور بالآخر ایک کڑی اپنے مُنہ سے کھینچ کر نکال دی۔ لیکن (اس کوشش میں) اُن کا ایک نچلا دانت گر گیا۔ اب دوسری میں نے کھینچنی چاہی تو ابوعبیدہ نے پھر کہا، ابوبکر!

خدا کا واسطہ دیتا ہوں مجھے کھینچنے دیجئے! اس کے بعد دوسری بھی آہستہ آہستہ کھینچی۔ لیکن ان کا دوسرا نچلا دانت بھی گر گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اپنے بھائی طلحہؓ کو سنبھالو۔ (اس نے جنّت) واجب کر لی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اب ہم طلحہ کی طرف متوجّہ ہوتے اور انہیں سنبھالا۔ ان کو دس سے زیادہ زخم آچکے تھے۔[۴۲] (اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت طلحہؓ نے اس دن دفاع وقتال میں کیسی جانبازی اور بے جگری سے کام لیا تھا۔)

پھر ان ہی نازک ترین لمحات کے دوران رسول اللہ ﷺ کے گرد جانباز صحابہؓ کی ایک جماعت بھی آن پہنچی جن کے نام یہ ہیں۔ ابو دجانہ[۱]۔ مصعب بن عمیرؓ[۲]۔ علی بن ابی طالب[۳]۔ سہل بن حنیفؓ[۴]۔ مالک بن سنان[۵]۔ (ابوسعید خدری کے والد) ام عمارہ[۶] نسیبہ بنتِ کعب مازنیہ۔ قتادہ بن نعمان[۷]۔ عمر بن الخطاب[۸]۔ حاطب بن ابی بلتعہ[۹] اور ابو طلحہ[۱۰] رضی اللہ عنہم اجمعین۔

مشرکین کے دباؤ میں اضافہ

ادھر مشرکین کی تعداد بھی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جارہی تھی جس کے نتیجے میں ان کے حملے سخت ہوتے جارہے تھے اور ان کا دباؤ بڑھتا جارہا تھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ ان چند گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں جا گرے جنہیں ابو عامر فاسق نے اسی قسم کی شرارت کے لیے کھود رکھا تھا اور اس کے نتیجے میں آپؐ کا گھٹنہ موچ کھا گیا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے آپؐ کا ہاتھ تھاما اور طلحہؓ بن عبید اللہ نے (جو خود بھی زخموں سے چُور تھے۔) آپؐ کو آغوش میں لیا۔ تب آپؐ برابر کھڑے ہو سکے۔

نافعؓ بن جبیر کہتے ہیں: "میں نے ایک مہاجر صحابی کو سنا فرما رہے تھے، میں جنگ اُحد میں حاضر تھا۔ میں نے دیکھا کہ ہر جانب سے رسول اللہ ﷺ پر تیر برس رہے ہیں اور آپؐ تیروں کے بیچ میں ہیں لیکن سارے تیر آپؐ سے پھیر دیئے جاتے ہیں (یعنی آگے گھیرا ڈالے ہوئے صحابہ انہیں روک لیتے تھے۔) اور میں نے دیکھا کہ عبد اللہ بن شہاب زہری کہہ رہا تھا، مجھے بتاؤ محمدؐ کہاں ہے؟ اب یا تو میں رہوں گا یا وہ رہے گا۔ حالانکہ رسول اللہ

---

[۴۲] زاد المعاد ۲/۹۵

ﷺ اس کے قریب تھے۔ آپؐ کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔ پھر وہ آپؐ سے آگے نکل گیا۔ اس پر صفوان نے اسے ملامت کی۔ جواب میں اُس نے کہا: "واللہ میں نے اُسے دیکھا ہی نہیں۔ خدا کی قسم وہ ہم سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ہم چار آدمی یہ عہد و پیمان کر کے نکلے کہ انہیں قتل کر دیں گے لیکن ان تک پہنچ نہ سکے۔"[۴۳]

نادرۂ روزگار جانبازی

بہرحال اس موقع پر مسلمانوں نے ایسی بے مثال جانبازی اور تابناک قربانیوں کا مظاہرہ کیا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے آگے سپر بنا لیا۔ وہ اپنا سینہ سامنے کر دیا کرتے تھے تاکہ آپؐ کو دشمن کے تیروں سے محفوظ رکھ سکیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اُحد کے روز لوگ (یعنی عام مسلمان) شکست کھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس (آنے کے بجائے اِدھر اُدھر) بھاگ گئے اور ابوطلحہؓ آپؐ کے آگے اپنی ایک ڈھال لے کر سپر بن گئے۔ وہ ماہر تیر انداز تھے۔ بہت کھینچ کر تیر چلاتے تھے؛ چنانچہ اس دن دو یا تین کمانیں توڑ ڈالیں۔ نبی ﷺ کے پاس سے کوئی آدمی تیروں کا ترکش لیے گذرتا تو آپؐ فرماتے کہ انہیں ابوطلحہ کے لیے بکھیر دو اور نبی ﷺ قوم کی طرف سر اُٹھا کر دیکھتے تو ابوطلحہ کہتے: "میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپؐ سر اٹھا کر نہ جھانکیں۔ آپ کو قوم کا کوئی تیر نہ لگ جائے۔ میرا سینہ آپ کے سینہ کے آگے ہے۔"[۴۴]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ اپنا اور نبی ﷺ کا ایک ہی ڈھال سے بچاؤ کر رہے تھے اور ابوطلحہؓ بہت اچھے تیر انداز تھے۔ جب وہ تیر چلاتے تو نبی ﷺ گردن اٹھا کر دیکھتے کہ ان کا تیر کہاں گرا۔[۴۵]

حضرت ابودُجانہ نبی ﷺ کے آگے کھڑے ہو گئے اور اپنی پیٹھ کو آپؐ کے لیے ڈھال بنا دیا۔ ان پر تیر پڑ رہے تھے لیکن وہ ہلتے نہ تھے۔

حضرت حاطبؓ بن ابی بَلْتَعَہ نے عُتْبہ بن ابی وقاص کا پیچھا کیا جس نے نبی ﷺ کا دندان مبارک شہید کیا تھا اور اسے اس زور کی تلوار ماری کہ اس کا سر چھٹک گیا۔ پھر اس کے

---

[۴۳] زاد المعاد ۲/۹۷

[۴۴] صحیح بخاری ۲/۵۸۱

[۴۵] ایضاً ۱/۴۰۶

گھوڑے اور تلوار پر قبضہ کر لیا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بہت زیادہ خواہاں تھے کہ اپنے اس بھائی ـــــ عتبہ ـــــ کو قتل کریں مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ بلکہ یہ سعادت حضرت حاطبؓ کی قسمت میں تھی۔

حضرت سہلؓ بن حُنَیف بھی بڑے جانباز تیر انداز تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے موت پر بیعت کی اور اس کے بعد مشرکین کو نہایت زور شور سے دفع کیا۔

رسول اللہ ﷺ خود بھی تیر چلا رہے تھے۔ چنانچہ حضرت قتادہ بن نعمانؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کمان سے اتنے تیر چلائے کہ اس کا کنارہ ٹوٹ گیا۔ پھر اس کمان کو حضرت قتادہؓ بن نعمان نے لے لیا اور وہ انھیں کے پاس رہی۔ اس روز یہ واقعہ بھی ہُوا کہ حضرت قتادہؓ کی آنکھ چوٹ کھا کر چہرے پر ڈھلک آئی۔ نبی ﷺ نے اسے اپنے ہاتھ سے پپوٹے کے اندر داخل کر دیا۔ اس کے بعد ان کی دونوں آنکھوں میں یہی زیادہ خوبصورت لگتی تھی اور اسی کی بینائی زیادہ تیز تھی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے لڑتے لڑتے منہ پر چوٹ کھائی جس سے اُن کا سامنے کا دانت ٹوٹ گیا اور انہیں بیس یا بیس سے زیادہ زخم آئے جن میں سے بعض زخم پاؤں میں لگے۔ اور وہ لنگڑے ہو گئے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے خون چوس کر صاف کیا۔ آپؐ نے فرمایا "اِسے تھوک دو۔ انہوں نے کہا" واللہ اسے تو میں ہرگز نہ تھوکوں گا۔ اس کے بعد پلٹ کر لڑنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" جو شخص کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہو وہ انہیں دیکھے۔ اس کے بعد وہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

ایک نادر کارنامہ خاتون صحابیہ حضرت امِّ عمارہ نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا نے انجام دیا۔ وہ چند مسلمانوں کے درمیان لڑتی ہُوئی ابنِ قمئہ کے سامنے آ گئیں۔ ابن قمئہ نے ان کے کندھے پر ایسی تلوار ماری کہ گہرا زخم ہو گیا۔ انہوں نے بھی ابنِ قمئہ کو اپنی تلوار کی کئی ضربیں لگائیں لیکن کمبخت دو زِرہیں پہنے ہوئے تھا۔ اس لیے بچ گیا۔ حضرت امِّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے لڑتے بھڑتے بارہ زخم کھائے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے بھی انتہائی پامردی و جانبازی سے جنگ کی۔

وہ رسول اللہ ﷺ سے ابنِ قمئہ اور اس کے ساتھیوں کے پے در پے حملوں کا دفاع کر رہے تھے۔ انہیں کے ہاتھ میں اسلامی لشکر کا پھریرا تھا۔ ظالموں نے ان کے داہنے ہاتھ پر اس زور کی تلوار ماری کہ ہاتھ کٹ گیا۔ اس کے بعد انہوں نے بائیں ہاتھ میں جھنڈا پکڑ لیا اور کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ بالآخر اُن کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے جھنڈے پر گھٹنے ٹیک کر اسے سینے اور گردن کے سہارے لہراتے رکھا۔ اور اسی حالت میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ان کا قاتل ابنِ قمئہ تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ محمدؐ ہیں کیونکہ حضرت مصعبؓ بن عمیر آپؐ کے ہم شکل تھے۔ چنانچہ وہ حضرت مصعبؓ کو شہید کر کے مشرکین کی طرف واپس چلا گیا اور چلّا چلّا کر اعلان کیا کہ محمدؐ قتل کر دیئے گئے۔[۴۶]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر اور معرکہ پر اس کا اثر

اس کے اس اعلان سے نبی ﷺ کی شہادت کی خبر مسلمانوں اور مشرکین دونوں میں پھیل گئی اور یہی وہ نازک ترین لمحہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ سے الگ تھلگ نرغے کے اندر آئے ہوئے بہت سے صحابہ کرام کے حوصلے ٹوٹ گئے اُن کے عزائم سرد پڑ گئے اور ان کی صفیں اتھل پتھل اور بدنظمی و انتشار کا شکار ہو گئیں۔ مگر آپؐ کی شہادت کی یہی خبر اس حیثیت سے مفید ثابت ہوئی کہ اس کے بعد مشرکین کے پُرجوش حملوں میں کسی قدر کمی آ گئی کیونکہ وہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کا آخری مقصد پورا ہو چکا ہے چنانچہ اب بہت سے مشرکین نے حملہ بند کر کے مسلمان شہداء کی لاشوں کا مُثلہ کرنا شروع کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیہم معرکہ آرائی اور حالات پر قابو

حضرت مُصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جھنڈا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیا۔ انہوں نے جم کر لڑائی کی۔ وہاں پر موجود باقی صحابہ کرام نے بھی بے مثال جانبازی و سرفروشی کے ساتھ دفاع اور حملہ کیا جس سے بالآخر اس بات کا امکان پیدا ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ مشرکین کی صفیں چیر کر نرغے میں آئے ہوئے صحابہ کرامؓ کی جانب راستہ بنائیں۔ چنانچہ آپؐ نے

---

[۴۶] دیکھئے ابنِ ہشام ۲/۷۳، ۸۰-۸۳۔ زاد المعاد ۲/۹۷

قدم آگے بڑھایا اور صحابہ کرام کی جانب تشریف لائے۔ سب سے پہلے حضرت کعبؓ بن مالک نے آپؐ کو پہچانا۔ خوشی سے چیخ پڑے، مسلمانو! خوش ہو جاؤ۔ یہ ہیں رسول اللہ ﷺ! آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ خاموش رہو ـــ تاکہ مشرکین کو آپؐ کی موجودگی اور مقام موجودگی کا پتا نہ لگ سکے ـــ مگر ان کی آواز مسلمانوں کے کان تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ مسلمان آپؐ کی پناہ میں آنا شروع ہو گئے اور رفتہ رفتہ تقریباً تیس صحابہ جمع ہو گئے۔

جب اتنی تعداد جمع ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے پہاڑ کی گھاٹی یعنی کیمپ کی طرف ہٹنا شروع کیا۔ مگر چونکہ اس واپسی کے معنی یہ تھے کہ مشرکین نے مسلمانوں کو نرغے میں لینے کی جو کارروائی کی تھی وہ بے نتیجہ رہ جائے اس لیے مشرکین نے اس واپسی کو ناکام بنانے کے لیے اپنے تابڑ توڑ حملے جاری رکھے۔ مگر آپؐ نے ان حملہ آوروں کا ہجوم چیر کر راستہ بنا ہی لیا اور شیرانِ اسلام کی شجاعت و شہ زوری کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ اسی اثنا میں مشرکین کا ایک اڑیل شہسوار عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ یہ کہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی جانب بڑھا کہ یا تو میں رہوں گا یا وہ رہے گا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ بھی دو دو ہاتھ کرنے کے لیے ٹھہر گئے مگر مقابلے کی نوبت نہ آئی؛ کیونکہ اس کا گھوڑا ایک گڑھے میں گر گیا اور اتنے میں حارثؓ بن صمہ نے اس کے پاس پہنچ کر اُسے للکارا اور اس کے پاؤں پر اس زور کی تلوار ماری کہ وہیں بٹھا دیا۔ پھر اس کا کام تمام کر کے اس کا ہتھیار لے لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ گئے؛ مگر اتنے میں مکی فوج کے ایک دوسرے سوار عبداللہ بن جابر نے پلٹ کر حضرت حارثؓ بن صمہ پر حملہ کر دیا اور ان کے کندھے پر تلوار مار کر زخمی کر دیا، مگر مسلمانوں نے لپک کر انہیں اٹھا لیا۔ اُدھر خطرات سے کھیلنے والے مردِ مجاہد حضرت ابو دجانہؓ جنہوں نے آج سُرخ پٹی باندھ رکھی تھی، عبداللہ بن جابر پر ٹوٹ پڑے اور اُسے ایسی تلوار ماری کہ اُس کا سر اڑ گیا۔

کرشمۂ قدرت دیکھیے کہ اسی خونریز مار دھاڑ کے دوران مسلمانوں کو نیند کی جھپکیاں بھی آ رہی تھیں اور جیسا کہ قرآن نے بتلایا ہے، یہ اللہ کی طرف سے امن و طمانیت تھی۔ ابو طلحہؓ کا بیان ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں تھا جن پر اُحد کے روز نیند چھا رہی تھی۔ یہاں تک کہ میرے ہاتھ سے کئی بار تلوار گر گئی۔ حالت یہ تھی کہ وہ گرتی تھی اور میں پکڑتا تھا پھر گرتی تھی اور پھر پکڑتا تھا۔[۴۷]

---

[۴۷] صحیح بخاری ۲/۵۸۲

خلاصہ یہ کہ اس طرح کی جانبازی وجان سپاری کے ساتھ یہ دستہ منظم طور سے پیچھے ہٹتا ہوا پہاڑ کی گھاٹی میں واقع کیمپ تک جا پہنچا اور بقیہ لشکر کے لیے بھی اس محفوظ مقام تک پہنچنے کا راستہ بنا دیا۔ چنانچہ باقیماندہ لشکر بھی اب آپؐ کے پاس آگیا اور حضرت خالد کی فوجی عبقریت رسول اللہ ﷺ کی فوجی عبقریت کے سامنے ناکام ہوگئی۔

اُبَیّ بن خلف کا قتل

ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ گھاٹی میں تشریف لا چکے تو اُبَیّ بن خلف یہ کہتا ہوا آیا کہ محمدؐ کہاں ہے؟ یا تو میں رہوں گا یا وہ رہے گا۔ صحابہؓ نے کہا' یا رسولؐ اللہ! ہم میں سے کوئی اس پر حملہ کرے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اسے آنے دو۔ جب قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ نے حارثؓ بن صمہ سے ایک چھوٹا سا نیزہ لیا اور لینے کے بعد جھٹکا دیا تو اس طرح لوگ ادھر ادھر اُڑ گئے جیسے اُونٹ اپنے بدن کو جھٹکا دیتا ہے تو مکھیاں اُڑ جاتی ہیں۔ اس کے بعد آپؐ اس کے سامنے آپہنچے۔ اس کی خود اور زِرہ کے درمیان حلق کے پاس تھوڑی سی جگہ کھُلی دکھائی پڑی۔ آپؐ نے اسی پر ٹکا کر ایسا نیزہ مارا کہ وہ گھوڑے سے کئی بار لڑھک لڑھک گیا۔ جب قریش کے پاس گیا ـــــ درآں حالیکہ گردن میں کوئی بڑی خراش نہ تھی البتہ خون بند تھا اور بہتا نہ تھا تو کہنے لگا' مجھے واللہ محمدؐ نے قتل کر دیا۔ لوگوں نے کہا' خدا کی قسم تم نے دل چھوڑ دیا ہے ورنہ تمہیں واللہ کوئی خاص چوٹ نہیں ہے۔ اس نے کہا! وہ مکّے میں مجھ سے کہہ چکا تھا کہ میں تمہیں قتل کروں گا[۴۸]۔ اس لیے خدا کی قسم اگر وہ مجھ پر تھوک دیتا تو بھی میری جان چلی جاتی۔ بالآخر اللہ کا یہ دشمن مکّہ واپس ہوتے ہوئے مقام سرف پہنچ کر مر گیا[۴۹]۔ ابوالاسود نے حضرت عروہؓ سے روایت کی ہے کہ یہ بیل کی طرح آواز نکالتا تھا اور کہتا تھا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو تکلیف مجھے ہے اگر وہ ذی المجاز کے سارے باشندوں کو ہوتی تو وہ سب کے سب مر جاتے۔[۵۰]

حضرت طلحہؓ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اُٹھاتے ہیں

پہاڑ کی طرف نبی ﷺ

---

[۴۸] اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب مکّے میں اُبَیّ کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہوتی تو وہ آپ سے کہتا اے محمدؐ! میرے پاس عود نامی ایک گھوڑا ہے۔ میں اسے روزانہ تین صاع (۷½ کیلو) دانہ کھلاتا ہوں۔ اسی پر بیٹھ کر تمہیں قتل کروں گا۔ جواب میں رسول اللہ ﷺ فرماتے بلکہ ان شاء اللہ میں تمہیں قتل کروں گا۔

[۴۹] ابنِ ہشام ۲/۸۴۔ زاد المعاد ۲/۹۷ [۵۰] مختصر سیرۃ الرسول للشیخ عبد اللہ ص ۲۵۰

کی واپسی کے دوران ایک چٹان آ گئی۔ آپؐ نے اس پر چڑھنے کی کوشش کی مگر چڑھ نہ سکے کیونکہ ایک تو آپ کا بدن بھاری ہو چکا تھا دوسرے آپؐ نے دوہری زرہ پہن رکھی تھی اور پھر آپؐ کو سخت چوٹیں بھی آئی تھیں لہذا حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ نیچے بیٹھ گئے اور آپؐ کو کندھوں پر اُٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ اس طرح آپؐ چٹان پر پہنچ گئے۔ آپؐ نے فرمایا طلحہؓ نے (جنت) واجب کر لی۔[۵۱]

مشرکین کا آخری حملہ

جب رسول اللہ ﷺ گھاٹی کے اندر اپنی قیادت گاہ میں پہنچ گئے تو مشرکین نے مسلمانوں کو زک پہنچانے کی آخری کوشش کی۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ اس اثنا میں کہ رسول اللہ ﷺ گھاٹی کے اندر تشریف فرما تھے ابوسفیان اور خالد بن ولید کی قیادت میں مشرکین کا ایک دستہ چڑھ آیا رسول اللہ ﷺ نے دُعا فرمائی کہ اے اللہ! یہ ہم سے اُوپر نہ جانے پائیں۔ پھر حضرت عمرؓ بن خطاب اور مہاجرین کی ایک جماعت نے لڑ کر اُنہیں پہاڑ سے نیچے اُترنے پر مجبور کر دیا۔[۵۲]

مغازی اموی کا بیان ہے کہ مشرکین پہاڑ پر چڑھ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعدؓ سے فرمایا: ان کے حوصلے پست کرو یعنی انہیں پیچھے دھکیل دو۔ انہوں نے کہا میں تنہا ان کے حوصلے کیسے پست کروں؟ اس پر آپؐ نے تین بار یہی بات دُہرائی۔ بالآخر حضرت سعدؓ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور ایک شخص کو مارا تو وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ میں نے پھر وہی تیر لیا۔ اسے پہچانتا تھا اور اس سے دوسرے کو مارا تو اس کا بھی کام تمام ہو گیا۔ اس کے بعد پھر تیر لیا۔ اسے پہچانتا تھا اور اس سے ایک تیسرے کو مارا تو اس کی بھی جان جاتی رہی۔ اس کے بعد مشرکین نیچے اُتر گئے۔ میں نے کہا: یہ مبارک تیر ہے۔ پھر میں نے اسے اپنے ترکش میں رکھ لیا۔ یہ تیر زندگی بھر حضرت سعدؓ کے پاس رہا اور ان کے بعد ان کی اولاد کے پاس رہا۔[۵۳]

شہداء کا مُثلہ

یہ آخری حملہ تھا جو مشرکین نے نبی ﷺ کے خلاف کیا تھا چونکہ انہیں آپؐ کے انجام کا صحیح علم نہ تھا بلکہ آپؐ کی شہادت کا تقریباً یقین تھا اس لیے انہوں نے اپنے کیمپ کی طرف پلٹ کر مکہ واپسی کی تیاری شروع کر دی۔

---

۵۱ ابنِ ہشام ۲/۸۶ ۵۲ ابنِ ہشام ۲/۸۶ ۵۳ زاد المعاد ۲/۹۵

کچھ مُشرک مرد اور عورتیں مسلمان شہداء کے مُثلہ میں مشغول ہوگئیں؛ یعنی شہیدوں کی شرمگاہیں اور کان، ناک وغیرہ کاٹ لیے۔ پیٹ چیر دیئے۔ ہند بنت عتبہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چاک کر دیا۔ اور مُنہ میں ڈال کر چبایا اور نگلنا چاہا لیکن نگل نہ سکی تو تھوک دیا۔ اور کٹے ہوئے کانوں اور ناکوں کا پازیب اور ہار بنایا۔[۵۴]

آخر تک جنگ لڑنے کے لیے مُسلمانوں کی مستعدی

پھر اس آخری وقت میں دو ایسے واقعات پیش آئے جن سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ جانباز و سرفروش مسلمان اخیر تک جنگ لڑنے کے لیے کس قدر مستعد تھے۔ اور اللہ کی راہ میں جان دینے کا کیسا ولولہ خیز جذبہ رکھتے تھے۔

۱۔ حضرت کعبؓ بن مالک کا بیان ہے کہ میں ان مسلمانوں میں تھا جو گھاٹی سے باہر آئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ مشرکین کے ہاتھوں مسلمان شہداء کا مُثلہ کیا جا رہا ہے تو رک گیا۔ پھر آگے بڑھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مشرک جو بھاری بھرکم زِرہ میں ملبوس تھا شہیدوں کے درمیان سے گذر رہا ہے۔ اور کہتا جا رہا ہے کہ کٹی ہوئی بکریوں کی طرح ڈھیر ہو گئے۔ اور ایک مسلمان اس کی راہ تک رہا ہے۔ وہ بھی زِرہ پہنے ہوئے ہے۔ میں چند قدم اور بڑھ کر اس کے پیچھے ہو لیا۔ پھر کھڑے ہو کر آنکھوں ہی آنکھوں میں مُسلم اور کافر کو تولنے لگا۔ محسوس ہُوا کہ کافر اپنے ڈیل ڈول اور ساز و سامان دونوں لحاظ سے بہتر ہے۔ اب میں دونوں کا انتظار کرنے لگا۔ بالآخر دونوں میں ٹکر ہو گئی اور مسلمان نے کافر کو ایسی تلوار ماری کہ وہ پاؤں تک کاٹتی چلی گئی۔ مشرک دو ٹکڑے ہو کر گرا۔ پھر مسلمان نے اپنا چہرا کھولا اور کہا: او کعبؓ! کیسی رہی؟ میں ابو دُجانہ ہوں۔[۵۵]

۲۔ خاتمہ جنگ پر کچھ مومن عورتیں میدانِ جہاد میں پہنچیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ کہ میں نے حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ اور اُمِّ سُلیمؓ کو دیکھا کہ پنڈلی کی پازیب تک کپڑے چڑھائے پیٹھ پر پانی کے مشکیزے لا رہی تھیں اور زخمیوں کے مُنہ میں انڈیل رہی تھیں۔[۵۶] حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ اُحد کے روز حضرت اُمِّ سُلیطؓ ہمارے لیے مشکیزے بھر بھر کر لا رہی تھیں۔[۵۷]

---

۵۴ ابنِ ہشام ۲/۹۰ ۵۵ البدایۃ والنہایۃ ۴/۱۷
۵۶ صحیح بخاری ۱/۴۰۳، ۲/۵۸۱ ۵۷ ایضاً ۱/۴۰۳

ان ہی عورتوں میں حضرت اُمِّ اَیمن بھی تھیں۔ انہوں نے جب شکست خوردہ مسلمانوں کو دیکھا کہ مدینے میں گھسنا چاہتے ہیں تو ان کے چہروں پر مٹی پھینکنے لگیں اور کہنے لگیں یہ سوت کاتنے کا تکلا لو اور ہمیں تلوار دو[۵۸] اس کے بعد تیزی سے میدان جنگ پہنچیں اور زخمیوں کو پانی پلانے لگیں۔ ان پر حبان بن عرقہ نے تیر چلایا۔ وہ گر پڑیں اور پردہ کھل گیا۔ اس پر اللہ کے اس دشمن نے بھرپور قہقہہ لگایا۔ رسول اللہ ﷺ پر یہ بات گراں گذری اور آپؐ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو ایک بغیر انی کے تیر دے کر فرمایا، اسے چلاؤ۔ حضرت سعدؓ نے چلایا تو وہ تیر حبان کے حلق پر لگا اور وہ چت گرا اور اس کا پردہ کھل گیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ اس طرح ہنسے کہ جڑ کے دانت دکھائی دینے لگے۔ فرمایا سعدؓ نے اُمِّ اَیمن کا بدلہ چکا لیا، اللہ ان کی دعا قبول کرے[۵۹]

گھاٹی میں قرار یابی کے بعد

جب رسول اللہ ﷺ نے گھاٹی کے اندر اپنی قیام گاہ میں ذرا قرار پا لیا تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مہراس سے اپنی ڈھال میں پانی بھر لائے ـــــ کہا جاتا ہے مہراس پتھر میں بنا ہوا وہ گڑھا ہوتا ہے جس میں زیادہ سا پانی آسکتا ہو؛ اور کہا جاتا ہے کہ یہ اُحد میں ایک چشمے کا نام تھا۔ بہرحال حضرت علیؓ نے وہ پانی نبی ﷺ کی خدمت میں پینے کے لیے پیش کیا۔ آپؐ نے قدرے ناگوار بو محسوس کی اس لیے اسے پیا تو نہیں البتہ اس سے چہرے کا خون دھو لیا اور سر پر بھی ڈال لیا۔ اس حالت میں آپؐ فرما رہے تھے: "اس شخص پر اللہ کا سخت غضب ہو جس نے اس کے نبیؐ کے چہرے کو خون آلود کیا[۶۰]"

حضرت سہلؓ فرماتے ہیں مجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا زخم کس نے دھویا؟ پانی کس نے بہایا؟ اور علاج کس چیز سے کیا گیا؟ آپؐ کی لختِ جگر حضرت فاطمہؓ آپؐ کا زخم دھو رہی تھیں اور حضرت علیؓ ڈھال سے پانی بہا رہے تھے۔ جب حضرت فاطمہؓ نے دیکھا کہ پانی کے سبب خون بڑھتا ہی جا رہا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا اور اسے جلا کر چپکا دیا جس سے خون رُک گیا[۶۱]

---

۵۸ سُوت کاتنا عرب عورتوں کا خاص کام تھا۔ اس لیے سُوت کاتنے کا تکلا یعنی پھرکی عورتوں کا ویسا ہی مخصوص سامان تھا جیسے ہمارے ملک میں چوڑی۔ اس موقعے پر مذکورہ محاورہ کا ٹھیک وہی مطلب ہے جو ہماری زبان کے اس کا محاورے کا ہے کہ "چوڑی لو اور تلوار دو۔"

۵۹ السیرۃ الحلبیہ ۲/۲۲ ۶۰ ابنِ ہشام ۲/۸۵ ۶۱ صحیح بخاری ۲/۵۸۴

ادھر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ شیریں اور خوش ذائقہ پانی لائے۔ نبی ﷺ نے نوش فرمایا اور دُعائے خیر دی[۶۲] زخم کے اثر سے نبی ﷺ نے ظہر کی نماز بیٹھے بیٹھے پڑھی۔ اور صحابہ کرام نے بھی آپؐ کے پیچھے بیٹھ ہی کر نماز ادا کی۔[۶۳]

ابوسفیان کی شماتت اور حضرت عمرؓ سے دو دو باتیں

مشرکین نے واپسی کی تیاری مکمل کر لی تو ابوسفیان جبلِ اُحد پر نمودار ہُوا اور بآوازِ بلند بولا: کیا تم میں محمدؐ ہیں؟ لوگوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے پھر کہا، کیا تم میں ابو قحافہ کے بیٹے (ابوبکرؓ) ہیں؟ لوگوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے پھر سوال کیا، کیا تم میں عمرؓ بن خطاب ہیں؟ لوگوں نے اب کی مرتبہ بھی جواب نہ دیا۔ کیونکہ نبی ﷺ نے صحابہؓ کرام کو اس کا جواب دینے سے منع فرما دیا تھا ـــــ ابوسفیان نے ان تین کے سوا کسی اور کے بارے میں نہ پوچھا کیونکہ اسے اور اس کی قوم کو معلوم تھا کہ اسلام کا قیام ان ہی تینوں کے ذریعے ہے۔ بہرحال جب کوئی جواب نہ ملا تو اُس نے کہا: چلو ان تینوں سے فرصت ہُوئی۔ یہ سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے قابو ہو گئے اور بولے: "او اللہ کے دشمن! جن کا تو نے نام لیا ہے وہ سب زندہ ہیں اور ابھی اللہ نے تیری رسوائی کا سامان باقی رکھا ہے۔ اس کے بعد ابوسفیان نے کہا "تمہارے مقتولین کا مُثلہ ہُوا ہے لیکن میں نے نہ اس کا حکم دیا تھا اور نہ اس کا بُرا ہی منایا ہے۔" پھر نعرہ لگایا: اُعْلُ ھُبَل۔ ھُبل بلند ہو۔

نبی ﷺ نے فرمایا، تم لوگ جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ نے عرض کیا کیا جواب دیں؟ آپؐ نے فرمایا: کہو: اَللّٰہُ اَعْلٰی وَ اَجَلّ۔ اللہ اعلیٰ اور برتر ہے۔"

پھر ابوسفیان نے نعرہ لگایا: لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ۔ ہمارے لیے عُزّیٰ ہے۔ اور تمہارے لیے عُزّیٰ نہیں۔"

نبی ﷺ نے فرمایا، جواب کیوں نہیں دیتے: صحابہؓ نے دریافت کیا: کیا جواب دیں؟ آپؐ نے فرمایا: کہو اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ۔" اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔"

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا: "کتنا اچھا کارنامہ رہا۔ آج کا دن جنگِ بدر کے دن کا

---

[۶۲] السیرۃ الحلبیہ ۲/۳۰ [۶۳] ابن ہشام ۲/۸۷

[۶۴] یعنی کبھی ایک فریق غالب آتا ہے اور کبھی دُوسرا، جیسے ڈول کبھی کوئی کھینچتا ہے کبھی کوئی۔

[۶۵] ابن ہشام ۲/۹۳، ۹۴۔ زاد المعاد ۲/۹۴۔ صحیح بخاری ۲/۵۷۹

بدلہ ہے اور لڑائی ڈول ہے۔"[۶۴]

حضرت عمرؓ نے جواب میں کہا: "برابر نہیں ہمارے مقتولین جنّت میں ہیں اور تمہارے مقتولین جہنّم میں۔"

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا "عمر! میرے قریب آؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جاؤ۔ دیکھو کیا کہتا ہے؟ وہ قریب آئے تو ابوسفیان نے کہا "عمر! میں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا ہم نے محمدؐ کو قتل کر دیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا "واللہ! نہیں۔ بلکہ اس وقت وہ تمہاری باتیں سن رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا "تم میرے نزدیک ابن قمئہ سے زیادہ سچّے اور راست باز ہو۔"[۶۵]

بدر میں ایک اور جنگ لڑنے کا عہد و پیمان

ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ ابوسفیان اور اس کے رُفقاء واپس ہونے لگے تو ابوسفیان نے کہا: "آئندہ سال بدر میں پھر لڑنے کا وعدہ ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا: کہہ دو "ٹھیک ہے۔ اب یہ بات ہمارے اور تمہارے درمیان طے رہی۔"[۶۶]

مشرکین کے موقف کی تحقیق

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا اور فرمایا: "قوم (مشرکین) کے پیچھے پیچھے جاؤ اور دیکھو وہ کیا کر رہے ہیں اور ان کا ارادہ کیا ہے؟ اگر انہوں نے گھوڑے پہلو میں رکھے ہوں اور اونٹوں پر سوار ہوں تو ان کا ارادہ مکّہ کا ہے اور اگر گھوڑوں پر سوار ہوں اور اونٹ ہانک کر لے جائیں تو مدینے کا ارادہ ہے۔" پھر فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر انہوں نے مدینے کا ارادہ کیا تو میں مدینے جا کر ان سے دو دو ہاتھ کروں گا۔" حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں ان کے پیچھے نکلا تو دیکھا کہ انہوں نے گھوڑے پہلو میں کر رکھے ہیں اونٹوں پر سوار ہیں اور مکّے کا رُخ ہے۔[۶۷]

---

[۶۶] ابنِ ہشام ۲/۹۴

[۶۷] ابنِ ہشام ۲/۹۴ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۷/۳۴۷) میں لکھا ہے کہ مشرکین کے عزائم کا پتا لگانے کے لیے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے تھے۔

شہیدوں اور زخمیوں کی خبرگیری

قریش کی واپسی کے بعد مسلمان اپنے شہیدوں اور زخمیوں کی کھوج خبر لینے کے لیے فارغ ہو گئے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اُحد کے روز رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا کہ میں سعدؓ بن الربیع کو تلاش کروں اور فرمایا کہ اگر وہ دکھائی پڑ جائیں تو انہیں میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ دریافت کر رہے ہیں کہ تم اپنے آپ کو کیسا پا رہے ہو؟ حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ میں مقتولین کے درمیان چکر لگاتے ہوئے ان کے پاس پہنچا تو وہ آخری سانس لے رہے تھے۔ انہیں نیزے، تلوار اور تیر کے ستّر سے زیادہ زخم آئے تھے۔ میں نے کہا: "اے سعد! اللہ کے رسولؐ آپ کو سلام کہتے ہیں اور دریافت فرما رہے ہیں کہ مجھے بتاؤ اپنے آپ کو کیسا پا رہے ہو۔" انہوں نے کہا: "رسول اللہ ﷺ کو سلام۔ آپ سے عرض کرو کہ یا رسولؐ اللہ! جنّت کی خوشبو پا رہا ہوں اور میری قوم انصار سے کہو کہ اگر تم میں سے ایک آنکھ بھی ہلتی رہی اور دشمن رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گیا تو تمہارے لیے اللہ کے نزدیک کوئی عذر نہ ہوگا ——— اور اسی وقت ان کی رُوح پرواز کر گئی۔[۶۸]

لوگوں نے زخمیوں میں اُصَیرِمؓ کو بھی پایا جن کا نام عمرؓو بن ثابت تھا۔ ان میں تھوڑی سی رمق باقی تھی۔ اس سے قبل انہیں اسلام کی دعوت دی جاتی تھی مگر وہ قبول نہیں کرتے تھے اس لیے لوگوں نے (حیرت سے) کہا کہ یہ اصیرم کیسے آیا ہے؟ اسے تو ہم نے اس حالت میں چھوڑا تھا کہ وہ اس دین کا انکاری تھا۔ چنانچہ ان سے پوچھا گیا کہ تمہیں یہاں کیا چیز لے آئی؟ قوم کی حمایت کا جوش یا اسلام کی رغبت؟ انہوں نے کہا: "اسلام کی رغبت۔ درحقیقت میں اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لے آیا اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی حمایت میں شریکِ جنگ ہُوا یہاں تک کہ اب اس حالت سے دوچار ہوں جو آپ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہے۔" اور اسی وقت اُن کا انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا: "وہ جنّتیوں میں سے ہے۔" ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ——— حالانکہ اُس نے اللہ کے لیے ایک وقت کی بھی نماز نہیں پڑھی تھی۔[۶۹]

---

[۶۸] زاد المعاد ۲/۹۶ [۶۹] ایضاً ۲/۹۴، ابنِ ہشام ۲/۹۰

(کیونکہ اسلام لانے کے بعد ابھی کسی نماز کا وقت آیا ہی نہ تھا کہ شہید ہو گئے۔)

ان ہی زخمیوں میں قُزمان بھی ملا۔ اس نے اس جنگ میں خوب خوب دادِ شجاعت دی تھی اور تنہا سات یا آٹھ مشرکین کو تہ تیغ کیا تھا۔ وہ جب ملا تو زخموں سے چُور تھا۔ لوگ اسے اٹھا کر بنو ظفر کے محلے میں لے گئے اور مسلمانوں نے اُسے خوشخبری سُنائی۔ کہنے لگا: واللہ میری جنگ تو محض اپنی قوم کے ناموس کے لیے تھی اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں لڑائی ہی نہ کرتا۔ اس کے بعد جب اس کے زخموں نے شدّت اختیار کی تو اس نے اپنے آپ کو ذبح کر کے خودکشی کر لی۔ ادھر رسول اللہ ﷺ سے اس کا جب بھی ذکر کیا جاتا تھا تو فرماتے تھے کہ وہ جہنّمی ہے۔[۷۰] (اور اس واقعے نے آپؐ کی پیشین گوئی پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔) حقیقت یہ ہے کہ اِعلاءِ کلمۃُ اللہ کے بجائے وطنیت یا کسی بھی دوسری راہ میں لڑنے والوں کا انجام یہی ہے۔ چاہے وہ اسلام کے جھنڈے تلے بلکہ رسولؐ اور صحابہؓ کے لشکر ہی میں شریک ہو کر کیوں نہ لڑ رہے ہوں۔

اس کے بالکل برعکس مقتولین میں بنو ثعلبہ کا ایک یہودی تھا۔ اس نے اس وقت جبکہ جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے، اپنی قوم سے کہا: "اے جماعتِ یہود! خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ محمدؐ کی مدد تم پر فرض ہے۔" یہود نے کہا، "مگر آج سَبْت (سنیچر) کا دن ہے۔" اس نے کہا، "تمہارے لیے کوئی سَبْت نہیں۔" پھر اُس نے اپنی تلوار لی، ساز و سامان اٹھایا اور بولا اگر میں مارا جاؤں تو میرا مال محمدؐ کے لیے ہے وہ اس میں جو چاہیں گے کریں گے۔ اس کے بعد میدانِ جنگ میں گیا اور لڑتے بھڑتے مارا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مخیریق بہترین یہودی تھا۔"[۷۱]

اس موقعے پر رسول اللہ ﷺ نے خود بھی شہداء کا معائنہ فرمایا اور فرمایا کہ میں ان لوگوں کے حق میں گواہ رہوں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی کیا جاتا ہے اسے اللہ قیامت کے روز اس حالت میں اٹھائے گا کہ اس کے زخم سے خون بہ رہا ہوگا؛ رنگ تو خون ہی کا ہوگا لیکن خوشبو مشک کی ہوگی۔[۷۲]

کچھ صحابہؓ نے اپنے شہداء کو مدینہ منتقل کر لیا تھا۔ آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ اپنے شہیدوں کو واپس لا کر ان کی شہادت گاہوں میں دفن کریں نیز شہداء کے ہتھیار اور پوستین کے لباس اتار لیے جائیں پھر انہیں

---

[۷۰] زاد المعاد ۲/ ۹۷، ۹۸ - ابنِ ہشام ۲/ ۸۸
[۷۱] ابنِ ہشام ۲/ ۸۸، ۸۹ [۷۲] ایضاً ۲/ ۹۸

غسل دیئے بغیر جس حالت میں ہوں اسی حالت میں دفن کر دیا جائے۔ آپؐ دو دو تین تین شہیدوں کو ایک ہی قبر میں دفن فرما رہے تھے اور دو دو آدمیوں کو ایک ہی کپڑے میں اکٹھا لپیٹ دیتے تھے اور دریافت فرماتے تھے کہ ان میں سے کس کو قرآن زیادہ یاد ہے۔ لوگ جس کی طرف اشارہ کرتے اسے لحد میں آگے کرتے اور فرماتے کہ میں قیامت کے روز ان لوگوں کے بارے میں گواہی دوں گا۔ عبداللہؓ بن عمرو بن حرام اور عمرؓ بن جموح ایک ہی قبر میں دفن کیئے گئے کیونکہ ان دونوں میں دوستی تھی[۷۳]

حضرت حنظلہؓ کی لاش غائب تھی۔ تلاش کے بعد ایک جگہ اس حالت میں ملی کہ زمین پر پڑی تھی اور اس سے پانی ٹپک رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بتلایا کہ فرشتے انہیں غسل دے رہے ہیں۔ پھر فرمایا ان کی بیوی سے پوچھو کیا معاملہ ہے؟ ان کی بیوی سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے واقعہ بتلایا۔ یہیں سے حضرت حنظلہؓ کا نام غسیل الملائکہ (فرشتوں کے غسل دیئے ہوئے) پڑ گیا[۷۴]

رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ کا حال دیکھا تو سخت غمگین ہوئے۔ آپ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ تشریف لائیں، وہ بھی اپنے بھائی حضرت حمزہؓ کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ سے کہا کہ انہیں واپس لے جائیں۔ وہ اپنے بھائی کا حال دیکھ نہ لیں۔ مگر حضرت صفیہؓ نے کہا: آخر ایسا کیوں؟ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ میرے بھائی کا مُثلہ کیا گیا ہے۔ لیکن یہ اللہ کی راہ میں ہے اس لیے جو کچھ ہوا ہم اس پر پوری طرح راضی ہیں۔ میں ثواب سمجھتے ہوئے ان شاء اللہ ضرور صبر کروں گی۔ اس کے بعد وہ حضرت حمزہ کے پاس آئیں انہیں دیکھا، ان کے لیے دعا کی: اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی اور اللہ سے مغفرت مانگی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ انہیں حضرت عبداللہؓ بن جحش کے ساتھ دفن کر دیا جائے۔ وہ حضرت حمزہؓ کے بھانجے بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب پر جس طرح روئے اس سے بڑھ کر روتے ہوئے ہم نے آپؐ کو کبھی نہیں دیکھا۔ آپؐ نے انہیں قبلے کی طرف رکھا پھر ان کے جنازے پر کھڑے ہوئے اور اس طرح روئے کہ آواز بلند ہو گئی[۷۵]

درحقیقت شہداء کا منظر تھا ہی بڑا دلدوز اور زہرہ گداز، چنانچہ حضرت خبابؓ بن ارت کا بیان ہے کہ حضرت حمزہؓ کے لیے ایک سیاہ دھاریوں والی چادر کے سوا کوئی کفن نہ مل سکا۔ یہ چادر سر پر ڈالی جاتی

---

[۷۳] زادالمعاد ۲/۹۸ صحیح بخاری ۲/۵۸۴ [۷۴] زادالمعاد ۲/۹۴

[۷۵] یہ ابن شاذان کی روایت ہے۔ دیکھئے مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ ص ۲۵۵۔

تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں پہ ڈالی جاتی تو سر کھل جاتا۔ بالآخر چادر سے سر ڈھک دیا گیا اور پاؤں پر اذخر[76] گھاس ڈال دی گئی[77]

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے کہ مُصعبؓ بن عُمیرؓ کی شہادت واقع ہوئی ـــــ اور وہ مجھ سے بہتر تھے ـــــ تو انہیں ایک چادر کے اندر کفنایا گیا۔ حالت یہ تھی کہ اگر ان کا سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھانکے جاتے تو سر کھل جاتا تھا۔ ان کی یہی کیفیت حضرت خبابؓ نے بھی بیان کی ہے اور اتنا مزید اضافہ فرمایا ہے کہ ـــــ (اس کیفیت کو دیکھ کر) نبی ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ چادر سے ان کا سر ڈھانک دو اور پاؤں پر اذخر ڈال دو[78]

رسول اللہ ﷺ اللہ عزوجل کی حمد و ثنا کرتے اور اس سے دعا فرماتے ہیں

امام احمدؒ کی روایت ہے کہ اُحد کے روز جب مشرکین واپس چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: برابر ہو جاؤ؛ ذرا میں اپنے رب عزوجل کی ثنا کروں۔ اس حکم پر صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے پیچھے صفیں باندھ لیں۔ اور آپؐ نے یوں فرمایا:

"اے اللہ! تیرے ہی لیے ساری حمد ہے۔ اے اللہ! جس چیز کو تو کشادہ کر دے اسے کوئی تنگ نہیں کر سکتا اور جس چیز کو تو تنگ کر دے اسے کوئی کشادہ نہیں کر سکتا۔ جس شخص کو تو گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جس شخص کو تو ہدایت دیدے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ جس چیز کو تو روک دے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جو چیز تو دیدے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ جس چیز کو تو دور کر دے اسے کوئی قریب نہیں کر سکتا اور جس چیز کو تو قریب کر دے اسے کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اے اللہ! ہمارے اوپر اپنی برکتیں رحمتیں اور فضل و رزق پھیلا دے۔

اے اللہ! میں تجھ سے برقرار رہنے والی نعمت کا سوال کرتا ہوں جو نہ ٹلے اور نہ ختم ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے فقر کے دن مدد کا اور خوف کے دن امن کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! جو کچھ تو نے ہمیں دیا ہے اس کے شر سے اور جو کچھ نہیں دیا ہے اس کے بھی شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ ہمارے نزدیک ایمان کو محبوب کر دے اور اسے ہمارے دلوں میں خوشنما بنا دے اور کفر، فسق اور نافرمانی کو ناگوار بنا دے اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں کر دے۔ اے اللہ! ہمیں مسلمان رکھتے ہوئے وفات

---

[76] یہ بالکل جو کے ہم شکل ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے بہت سے مقامات پر چائے میں ڈال کر پکائی بھی جاتی ہے۔ عرب میں اس کا پودا ہاتھ ڈیڑھ ہاتھ سے لمبا نہیں ہوتا جبکہ ہندوستان میں ایک میٹر سے بھی لمبا ہوتا ہے۔

[77] مسند احمد، مشکوٰۃ ۱/۱۴۰ [78] صحیح بخاری ۲/۵۷۹، ۵۸۴

دے اور مسلمان ہی رکھتے ہوئے زندہ رکھ اور رُسوائی اور فتنے سے دوچار کئے بغیر صالحین میں شامل فرما۔ اے اللہ! تو ان کافروں کو مار اور ان پر سختی اور عذاب کر جو تیرے پیغمبروں کو جھٹلاتے اور تیری راہ سے روکتے ہیں۔ اے اللہ! ان کافروں کو بھی مار جنہیں کتاب دی گئی۔ یا الٰہ الحق![79]

مدینے کو واپسی اور محبت و جاں سپاری کے نادر واقعات

شہدا کی تدفین اور اللہ عزوجل کی ثنا و دعا سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ نے مدینے کا رُخ فرمایا۔ جس طرح دورانِ کارزار اہلِ ایمان صحابہ سے محبت و جاں سپاری کے نادر واقعات کا ظہور ہوا تھا اسی طرح اثناء راہ میں اہلِ ایمان صحابیات سے صدق و جاں سپاری کے عجیب عجیب واقعات ظہور میں آئے۔

چنانچہ راستے میں آنحضورؐ کی ملاقات حضرت حمنہؓ بنت جحش سے ہوئی۔ انہیں ان کے بھائی عبداللہؓ بن جحش کی شہادت کی خبر دی گئی۔ انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی اور دعائے مغفرت کی۔ پھر ان کے ماموں حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی شہادت کی خبر دی گئی۔ انہوں نے پھر اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی اور دعائے مغفرت کی۔ اس کے بعد ان کے شوہر حضرت مُصعبؓ بن عُمیرؓ کی شہادت کی خبر دی گئی تو تڑپ کر چیخ اٹھیں اور دھاڑ مار کر رونے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عورت کا شوہر اس کے یہاں ایک خصوصی درجہ رکھتا ہے"[80]

اسی طرح آپؐ کا گذر بنو دینار کی ایک خاتون کے پاس سے ہوا جس کے شوہر، بھائی، اور والد تینوں خلعتِ شہادت سے سرفراز ہو چکے تھے۔ جب انہیں ان لوگوں کی شہادت کی خبر دی گئی تو کہنے لگیں کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا: اُمِّ فلاں! حضورؐ بخیر ہیں اور بحمداللہ جیسا تم چاہتی ویسے ہی ہیں۔ خاتون نے کہا ذرا مجھے دکھلا دو۔ میں بھی آپؐ کا وجود مبارک دیکھ لوں۔ لوگوں نے انہیں اشارے سے بتلایا۔ جب ان کی نظر آپؐ پر پڑی تو بے ساختہ پکار اٹھیں "کُلُّ مُصِیبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ" آپؐ کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے"[81]

اثناء راہ ہی میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ آپ کے پاس دوڑتی ہوئی آئیں۔ اس وقت حضرت سعدؓ بن معاذ رسول اللہ ﷺ کے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ کہنے لگے: "یا رسول اللہ ﷺ میری والدہ ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا: "انہیں مرحبا ہو"۔ اس کے بعد ان کے استقبال کے لیے رُک گئے۔ جب وہ قریب آگئیں تو آپؐ نے ان کے صاحبزادے عمروؓ بن معاذ کی شہادت

---

[79] بخاری، الادب المفرد، مسند احمد ۳/۳۲۴ [80] ابن ہشام ۲/۹۸ [81] ایضاً ۲/۹۹

پر کلماتِ تعزیت کہتے ہوئے انہیں تسلی دی اور صبر کی تلقین فرمائی۔ کہنے لگیں جب میں نے آپؐ کو بہ سلامت دیکھ لیا تو میرے لیے ہر مصیبت ہیچ ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے شہداء اُحد کے لیے دعا فرمائی اور فرمایا: "اے اُمِ سعدؓ تم خوش ہو جاؤ، اور شہداء کے گھر والوں کو خوش خبری سنا دو کہ ان کے شہداء سب کے سب ایک ساتھ جنت میں ہیں اور اپنے گھر والوں کے بارے میں ان سب کی شفاعت قبول کر لی گئی ہے۔"

کہنے لگیں: "اے اللہ کے رسول! ان کے پسماندگان کے لیے بھی دعا فرما دیجیے۔" آپؐ نے فرمایا: "اے اللہ! ان کے دلوں کا غم دور کر، ان کی مصیبت کا بدل عطا فرما اور باقی ماندگان کی بہترین دیکھ بھال فرما۔"[۸۲]

رسول اللہ ﷺ مدینے میں اسی روز ـــــ شنبہ، شوال ۳ھ کو سرِ شام رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچے۔ گھر پہنچ کر اپنی تلوار حضرت فاطمہؓ کو دی اور فرمایا "بیٹی اس کا خون دھو دو، خدا کی قسم یہ آج میرے لیے بہت صحیح ثابت ہوئی۔ پھر حضرت علیؓ نے بھی تلوار لپکائی اور فرمایا "اس کا بھی خون دھو دو۔ واللہ یہ بھی آج بہت صحیح ثابت ہوئی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم نے بے لاگ جنگ کی ہے تو تمہارے ساتھ سہلؓ بن حُنَیف اور ابو دُجانہؓ نے بھی بے لاگ جنگ کی ہے۔"[۸۳]

بیشتر روایتیں متفق ہیں کہ مسلمان شہداء کی تعداد ستر تھی جن میں بھاری اکثریت انصار کی تھی، یعنی ان کے ۶۵ آدمی شہید ہوئے تھے، ۴۱ خزرج سے اور ۲۴ اوس سے ایک آدمی یہود سے قتل ہوا تھا اور مہاجرین شہداء کی تعداد صرف چار تھی۔

باقی رہے قریش کے مقتولین تو ابنِ اسحاق کے بیان کے مطابق ان کی تعداد ۲۲ تھی لیکن اصحاب مغازی اور اہلِ سِیَر نے اس معرکے کی جو تفصیلات ذکر کی ہیں اور جن میں ضمناً جنگ کے مختلف مرحلوں میں قتل ہونے والے مشرکین کا تذکرہ آیا ہے ان پر گہری نظر رکھتے ہوئے دقت پسندی کے ساتھ حساب لگایا جائے تو یہ تعداد ۲۲ نہیں بلکہ ۳۷ ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔[۸۴]

مدینے میں ہنگامی حالت مسلمانوں نے معرکہ اُحد سے واپس آکر (۸ شوال ۳ھ شنبہ و یک شنبہ کی درمیانی) رات ہنگامی حالت میں گزاری۔ جنگ نے انہیں چُور چُور

---

۸۲ السیرۃ الحلبیہ ۲/۴۷ ۸۳ ابنِ ہشام ۲/۱۰۰

۸۴ دیکھیے ابنِ ہشام ۲/۱۲۲ تا ۱۲۹، فتح الباری ۷/۳۵۱ اور غزوۂ اُحد تصنیف محمد احمد باشمیل ص ۲۷۹، ۲۸۰۔

کر رکھا تھا۔ اس کے باوجود وہ رات بھر مدینے کے راستوں اور گذرگاہوں پر پہرہ دیتے رہے اور اپنے سپہ سالارِ اعظم رسول ﷺ کی خصوصی حفاظت پر تعینات رہے کیونکہ انہیں ہر طرف سے خدشات لاحق تھے۔

غزوۂ حمراء الاسد

ادھر رسول اللہ ﷺ نے پوری رات جنگ سے پیدا شدہ صورت حال پر غور کرتے ہوئے گذاری۔ آپؐ کو اندیشہ تھا کہ اگر مشرکین نے سوچا کہ میدانِ جنگ میں اپنا پلہ بھاری رہتے ہوئے بھی ہم نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تو انہیں یقیناً ندامت ہو گی اور وہ راستے سے پلٹ کر مدینے پر دوبارہ حملہ کریں گے اس لیے آپ نے فیصلہ کیا کہ بہر حال مکی لشکر کا تعاقب کیا جانا چاہیئے۔

چنانچہ اہل سیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معرکۂ اُحد کے دوسرے دن یعنی یکشنبہ ۸ شوال ۳ھ کو علی الصباح اعلان فرمایا کہ دشمن کے مقابلے کے لیے چلنا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان فرمایا کہ ہمارے ساتھ صرف وہی آدمی چل سکتا ہے جو معرکۂ اُحد میں موجود تھا۔ تاہم عبداللہ بن اُبی نے اجازت چاہی کہ آپؐ کا ہمرکاب ہو مگر آپؐ نے اجازت نہ دی۔ ادھر جتنے مسلمان تھے اگرچہ زخموں سے چور، غم سے نڈھال، اور اندیشہ و خوف سے دوچار تھے، لیکن سب نے بلا تردّد سرِ اطاعت خم کر دیا۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے بھی اجازت چاہی جو جنگ اُحد میں شریک نہ تھے۔ حاضر خدمت ہو کر عرض پرداز ہوئے: "یا رسول اللہ ﷺ میں چاہتا ہوں کہ آپؐ جس کسی جنگ میں تشریف لے جائیں میں بھی حاضر خدمت رہوں اور چونکہ اس جنگ میں میرے والد نے مجھے اپنی بچیوں کی دیکھ بھال کے لیے گھر پر روک دیا تھا لہٰذا آپؐ مجھے اجازت دیدیں کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں"۔ اس پر آپ نے انہیں اجازت دے دی۔

پروگرام کے مطابق رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور مدینے سے آٹھ میل دور حمراء الاسد پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔

اثناء قیام میں مَعْبَد بن ابی مَعْبَد خزاعی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوا ـــــ اور کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے شرک ہی پر قائم تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کا خیر خواہ تھا ـــ کیونکہ خزاعہ اور بنو ہاشم کے درمیان حلف (یعنی دوستی و تعاون کا عہد) تھا۔ بہر کیف اس نے کہا: "اے محمدؐ! آپؐ کو اور آپؐ کے رفقاء کو جو زک پہنچی ہے وہ واللہ ہم پر سخت گراں گذری ہے۔ ہماری آرزو تھی کہ اللہ آپؐ کو بعافیت رکھتا" ـــــ اس اظہارِ ہمدردی پر رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ابوسفیان کے پاس جائے اور اس کی حوصلہ شکنی کرے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے جو اندیشہ محسوس کیا تھا کہ مشرکین مدینے کی طرف پلٹنے کی بات سوچیں گے وہ بالکل برحق تھا۔ چنانچہ مشرکین نے مدینے سے ۳۶ میل دور مقام رَوحاء پر پہنچ کر جب پڑاؤ ڈالا تو آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کی۔ کہنے لگے "تم لوگوں نے کچھ نہیں کیا۔ ان کی شوکت وقوت توڑ کر انہیں یوں ہی چھوڑ دیا حالانکہ ابھی ان کے اتنے سر باقی ہیں کہ وہ تمہارے لیے پھر دردِ سر بن سکتے ہیں، لہٰذا واپس چلو اور انہیں جڑ سے صاف کر دو۔"

لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سطحی رائے تھی جو ان لوگوں کی طرف سے پیش کی گئی تھی جنہیں فریقین کی قوت اور ان کے حوصلوں کا صحیح اندازہ نہ تھا اسی لیے ایک ذمہ دار افسر صفوان بن امیہ نے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا: "لوگو! ایسا نہ کرو۔ مجھے خطرہ ہے کہ جو (مسلمان غزوہ احد میں) نہیں آئے تھے وہ بھی اب تمہارے خلاف جمع ہو جائیں گے لہٰذا اس حالت میں واپس چلے چلو کہ فتح تمہاری ہے؛ ورنہ مجھے خطرہ ہے کہ مدینے پر پھر چڑھائی کرو گے تو گردش میں پڑ جاؤ گے۔" لیکن بھاری اکثریت نے یہ رائے قبول نہ کی اور فیصلہ کیا کہ مدینے واپس چلیں گے۔ لیکن ابھی پڑاؤ چھوڑ کر ابوسفیان اور اس کے فوجی چلے بھی نہ تھے کہ معبد بن ابی معبد خزاعی پہنچ گیا۔ ابوسفیان کو معلوم نہ تھا کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے۔ اس نے پوچھا! معبد! پیچھے کی کیا خبر ہے؟ معبد نے —— پروپیگنڈے کا سخت اعصابی حملہ کرتے ہوئے —— کہا: "محمدؐ اپنے ساتھیوں کو لے کر تمہارے تعاقب میں نکل چکے ہیں۔ ان کی جمعیۃ اتنی بڑی ہے کہ میں نے ویسی جمعیۃ کبھی دیکھی ہی نہیں۔ سارے لوگ تمہارے خلاف غصے سے کباب ہوئے جا رہے ہیں۔ اُحد میں پیچھے رہ جانے والے بھی آ گئے ہیں۔ وہ جو کچھ ضائع کر چکے اس پر سخت نادم ہیں اور تمہارے خلاف اس قدر بھرے ہوئے ہیں کہ میں نے اس کی مثال دیکھی ہی نہیں۔"

ابوسفیان نے کہا: "ارے بھائی یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

معبد نے کہا: "واللہ میرا خیال ہے کہ تم کوچ کرنے سے پہلے پہلے گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھ لو گے یا لشکر کا ہراول دستہ اس ٹیلے کے پیچھے نمودار ہو جائے گا۔"

ابوسفیان نے کہا: "واللہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ان پر پلٹ کر پھر حملہ کریں اور ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دیں۔"

معبد نے کہا: "ایسا نہ کرنا۔ میں تمہاری خیر خواہی کی بات کر رہا ہوں۔"

یہ باتیں سُن کر مکی لشکر کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ ان پر گھبراہٹ اور رعب طاری ہو گیا اور انہیں اسی میں عافیت نظر آئی کہ مکے کی جانب اپنی واپسی جاری رکھیں۔ البتہ ابوسفیان نے اسلامی لشکر کو تعاقب

سے باز رکھنے اور اس طرح دوبارہ مسلح ٹکراؤ سے بچنے کے لیے پروپیگنڈے کا ایک جوابی اعصابی حملہ کیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ ابوسفیان کے پاس سے قبیلہ عبدالقیس کا ایک قافلہ گذرا۔ ابوسفیان نے کہا: "کیا آپ لوگ میرا ایک پیغام محمدؐ کو پہنچا دیں گے؟ میرا وعدہ ہے کہ اس کے بدلے جب آپ لوگ مکہ آئیں گے تو عکاظ کے بازار میں آپ لوگوں کو اتنی کشمش دوں گا جتنی آپ کی یہ اونٹنی اٹھا سکے گی۔"

ان لوگوں نے کہا: "جی ہاں۔"

ابوسفیان نے کہا: "محمدؐ کو یہ خبر پہنچا دیں کہ ہم نے ان کی اور ان کے رفقاء کی جڑ کاٹ دینے کے لیے دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

اس کے بعد جب یہ قافلہ حمراء الاسد میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے پاس سے گذرا تو ان سے ابوسفیان کا پیغام کہہ سنایا اور کہا کہ لوگ تمہارے خلاف جمع ہیں، ان سے ڈرو۔ مگر ان کی باتیں سن کر مسلمانوں کے ایمان میں اور اضافہ ہو گیا اور انہوں نے کہا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل۔ اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ (اس ایمانی قوت کی بدولت) وہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹے۔ انہیں کسی برائی نے نہ چھوا اور انہوں نے اللہ کی رضامندی کی، پیروی کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اتوار کے دن حمراء الاسد تشریف لے گئے تھے۔ دوشنبہ، منگل اور بدھ یعنی ۹-۱۰-۱۱ شوال ۳ھ تک وہیں مقیم رہے اس کے بعد مدینہ واپس آئے۔ مدینہ واپسی سے پہلے ابوعزہ جمحی آپؐ کی گرفت میں آگیا۔ یہ وہی شخص ہے جسے بدر میں گرفتار کئے جانے کے بعد اس کے فقر اور لڑکیوں کی کثرت کے سبب اس شرط پر بلا عوض چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی سے تعاون نہیں کرے گا لیکن اس شخص نے وعدہ خلافی اور عہد شکنی کی اور اپنے اشعار کے ذریعہ نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے خلاف لوگوں کے جذبات کو برانگیختہ کیا ——— جس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے ——— پھر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے خود بھی جنگ اُحد میں آیا۔ جب یہ گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو کہنے لگا: "محمدؐ! میری لغزش سے درگزر کرو۔ مجھ پر احسان کر دو اور میری بچیوں کی خاطر مجھے چھوڑ دو۔ میں عہد کرتا ہوں کہ اب دوبارہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مکے جا کر اپنے رخسار پر ہاتھ پھیرو اور کہو کہ میں نے محمدؐ کو دو مرتبہ دھوکہ دیا۔ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جا سکتا۔ اس کے بعد حضرت زبیرؓ

یا حضرت عاصمؓ بن ثابت کو حکم دیا اور انہوں نے اس کی گردن مار دی۔

اسی طرح مکے کا ایک جاسوس بھی مارا گیا۔ اس کا نام معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص تھا اور یہ عبدالملک بن مروان کا نانا تھا۔ یہ شخص اس طرح زد میں آیا کہ جب احد کے روز مشرکین واپس چلے گئے تو یہ اپنے چچیرے بھائی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملنے آیا۔ حضرت عثمان نے اس کے لیے رسول اللہ ﷺ سے امان طلب کی۔ آپ نے اس شرط پہ امان دیدی کہ اگر وہ تین روز کے بعد پایا گیا تو قتل کر دیا جائے گا؛ لیکن جب مدینہ اسلامی لشکر سے خالی ہوگیا تو یہ شخص قریش کی جاسوسی کے لیے تین دن سے زیادہ ٹھہر گیا اور جب لشکر واپس آیا تو بھاگنے کی کوشش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا اور انہوں نے اس شخص کا تعاقب کر کے اسے تہ تیغ کر دیا۔[۸۵]

غزوہ حمراء الاسد کا ذکر اگرچہ ایک مستقل نام سے کیا جاتا ہے مگر یہ درحقیقت کوئی مستقل غزوہ نہ تھا بلکہ غزوہ اُحد ہی کا جزو و تتمہ اور اسی کے صفحات میں سے ایک صفحہ تھا۔

جنگِ اُحد میں فتح و شکست کا ایک تجزیہ

یہ ہے غزوہ اُحد، اپنے تمام مراحل اور جملہ تفصیلات سمیت۔ اس غزوے کے انجام کے بارے میں بڑی طول طویل بحثیں کی گئی ہیں کہ آیا اسے مسلمانوں کی شکست سے تعبیر کیا جائے یا نہیں؟ جہاں تک حقائق کا تعلق ہے تو اس میں شبہ نہیں کہ جنگ کے دوسرے راؤنڈ میں مشرکین کو برتری حاصل تھی اور میدان جنگ انہیں کے ہاتھ تھا۔ جانی نقصان بھی مسلمانوں ہی کا زیادہ ہُوا اور زیادہ خوفناک شکل میں ہوا اور مسلمانوں کا کم از کم ایک گروہ یقیناً شکست کھا کر بھاگا اور جنگ کی رفتار مکی لشکر کے حق میں رہی، لیکن ان سب کے باوجود بعض امور ایسے ہیں جنکی بناء پر ہم اسے مشرکین کی فتح سے تعبیر نہیں کر سکتے۔

ایک تو یہی بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ مکی لشکر مسلمانوں کے کیمپ پر قابض نہیں ہو سکا تھا اور مدنی لشکر کے بڑے حصے نے سخت اتھل پتھل اور بدنظمی کے باوجود فرار نہیں اختیار کیا تھا؛ بلکہ انتہائی دلیری سے لڑتے ہوئے اپنے سپہ سالار کے پاس جمع ہوگیا تھا۔ نیز مسلمانوں کا پلہ اس حد تک ہلکا

---

۸۵ غزوہ احد اور غزوہ حمراء الاسد کی تفصیلات ابن ہشام ۲/۶۰ تا ۱۲۹، زادالمعاد ۲/۹۱ تا ۱۰۸، فتح الباری مع صحیح البخاری ۷/۳۴۵ تا ۳۷۷، مختصر السیرہ للشیخ عبداللہ ص ۲۴۲ تا ۲۵۷ سے جمع کی گئی ہیں اور دوسرے مصادر کے حوالے متعلقہ مقامات ہی پر دے دیئے گئے ہیں۔

نہیں ہوا تھا کہ مکی لشکر ان کا تعاقب کرتا۔ علاوہ ازیں کوئی ایک بھی مسلمان کافروں کی قید میں نہیں گیا نہ کفار نے کوئی مالِ غنیمت حاصل کیا۔ پھر کفار جنگ کے تیسرے راونڈ کے لیے تیار نہیں ہوئے حالانکہ اسلامی لشکر ابھی اپنے کیمپ ہی میں تھا علاوہ ازیں کفار نے میدانِ جنگ میں ایک یا دو دن یا تین دن قیام نہیں کیا حالانکہ اس زمانے میں فاتحین کا یہی دستور تھا اور فتح کی یہ ایک نہایت ضروری علامت تھی، مگر کفار نے فوراً واپسی کی راہ اختیار کی اور مسلمانوں سے پہلے ہی میدان جنگ خالی کر دیا۔ نیز انہیں بچے قید کرنے اور مال لوٹنے کے لیے مدینے میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ حالانکہ یہ شہر چند ہی قدم کے فاصلے پر تھا اور فوج سے مکمل طور پر خالی اور ایک دم کھلا پڑا تھا اور راستے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

ان ساری باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ قریش کو زیادہ سے زیادہ صرف یہ حاصل ہوا کہ انہوں نے ایک وقتی موقعے سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو ذرا سخت قسم کی زِک پہنچا دی ورنہ اسلامی لشکر کو نرغے میں لینے کے بعد اسے کلی طور پر قتل یا قید کر لینے کا جو فائدہ انہیں جنگی نقطہ نظر سے لازماً حاصل ہونا چاہیئے تھا اس میں وہ ناکام رہے اور اسلامی لشکر قدرے بڑے خسارے کے باوجود نرغہ توڑ کر نکل گیا؛ اور اس طرح کا خسارہ تو بہت سی دفعہ خود فاتحین کو برداشت کرنا پڑتا ہے اس لیے اس معاملے کو مشرکین کی فتح سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

بلکہ واپسی کے لیے ابوسفیان کی عجلت اس بات کی غماز ہے کہ اسے خطرہ تھا کہ اگر جنگ کا تیسرا دور شروع ہو گیا تو اس کا لشکر سخت تباہی اور شکست سے دوچار ہو جائے گا۔ اس بات کی مزید تائید ابوسفیان کے اس موقف سے ہوتی ہے جو اس نے غزوہ حمراء الاسد کے تئیں اختیار کیا تھا۔

ایسی صورت میں ہم اس غزوے کو کسی ایک فریق کی فتح اور دوسرے کی شکست سے تعبیر کرنے کے بجائے غیر فیصلہ کن جنگ کہہ سکتے ہیں جس میں ہر فریق نے کامیابی اور خسارے سے اپنا اپنا حصہ حاصل کیا۔ پھر میدان جنگ سے بھاگے بغیر اور اپنے کیمپ کو دشمن کے قبضہ کے لیے چھوڑے بغیر لڑائی سے دامن کشی اختیار کر لی اور غیر فیصلہ کن جنگ کہتے ہی اسی کو ہیں۔ اسی جانب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی اشارہ نکلتا ہے:

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ (۴:۱۰۴)

"قوم (مشرکین) کے تعاقب میں ڈھیلے نہ پڑو۔ اگر تم اَلَم محسوس کر رہے ہو تو تمہاری ہی طرح وہ بھی اَلَم محسوس کر رہے ہیں اور تم لوگ اللہ سے اس چیز کی امید رکھتے ہو جس کی وہ اُمید نہیں رکھتے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ضرر پہنچانے اور ضرر محسوس کرنے میں ایک لشکر کو دوسرے لشکر سے تشبیہ دی ہے

جسکا مفاد یہ ہے کہ دونوں فریق کے موقف متماثل تھے اور دونوں فریق اس حالت میں واپس ہوئے تھے کہ کوئی بھی غالب نہ تھا۔

اس غزوے پر قرآن کا تبصرہ

بعد میں قرآن مجید نازل ہوا تو اس میں اس معرکے کے ایک ایک مرحلے پر روشنی ڈالی گئی اور تبصرہ کرتے ہوئے ان اسباب کی نشاندہی کی گئی جن کے نتیجے میں مسلمانوں کو اس عظیم خسارے سے دوچار ہونا پڑا تھا اور بتلایا گیا کہ اس طرح کے فیصلہ کن مواقع پر اہلِ ایمان اور یہ امت (جسے دوسروں کے مقابل خیرِ اُمت ہونے کا امتیاز حاصل ہے) جن اونچے اور اہم مقاصد کے حصول کے لیے وجود میں لائی گئی ہے ان کے لحاظ سے ابھی اہلِ ایمان کے مختلف گروہوں میں کیا کیا کمزوریاں رہ گئی ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید نے منافقین کے موقف کا ذکر کرتے ہوئے ان کی حقیقت بے نقاب کی۔ ان کے سینوں میں خدا اور رسول کے خلاف چھپی ہوئی عداوت کا پردہ فاش کیا اور سادہ لوح مسلمانوں میں ان منافقین اور ان کے بھائی یہود نے جو وسوسے پھیلا رکھے تھے ان کا ازالہ فرمایا اور ان قابل ستائش حکمتوں اور مقاصد کی طرف اشارہ فرمایا جو اس معرکے کا حاصل تھیں۔

اس معرکے کے متعلق سورہ آلِ عمران کی ساٹھ آیتیں نازل ہوئیں۔ سب سے پہلے معرکے کے ابتدائی مرحلے کا ذکر کیا گیا' ارشاد ہوا:

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ط (۳: ۱۲۱)

"یاد کرو جب تم اپنے گھر سے نکل کر (میدانِ اُحد میں گئے اور وہاں) مومنین کو قتال کے لیے جابجا مقرر کر رہے تھے۔"

پھر اخیر میں اس معرکے کے نتائج اور حکمت پر ایک جامع روشنی ڈالی گئی؛ ارشاد ہوا:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ص فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ج وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ (۳: ۱۷۹)

"ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ مومنین کو اسی حالت پر چھوڑ دے جس پر تم لوگ ہو، یہاں تک کہ خبیث کو پاکیزہ سے الگ کردے، اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تمہیں غیب پر مطلع کرے، لیکن وہ اپنے پیغمبروں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کرلیتا ہے۔ پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لیے بڑا اجر ہے۔"

غزوے میں کارفرما خدائی مقاصد اور حکمتیں

علامہ ابنِ قیم نے اس عنوان پر بہت تفصیل سے لکھا ہے[۸۶] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[۸۶] دیکھئے زاد المعاد ۲/۹۹ تا ۱۰۸

علماء نے کہا ہے کہ غزوہ احد اور اس کے اندر مسلمانوں کو پیش آنے والی زک میں بڑی عظیم ربانی حکمتیں اور فوائد تھے۔ مثلاً مسلمانوں کو معصیت کے بُرے انجام اور ارتکابِ نہی کی نحوست سے آگاہ کرنا۔ کیونکہ تیر اندازوں کو اپنے مرکز پر ڈٹے رہنے کا جو حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا انہوں نے اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مرکز چھوڑ دیا تھا (اور اسی وجہ سے زک اٹھانی پڑی تھی) ایک حکمت پیغمبروں کی اس سُنّت کا اظہار تھا کہ پہلے وہ ابتلاء میں ڈالے جاتے ہیں پھر انجام کار انہیں کو کامیابی ملتی ہے؛ اور اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اگر انہیں ہمیشہ کامیابی ہی کامیابی حاصل ہو تو اہلِ ایمان کی صفوں میں وہ لوگ بھی گھس آئیں گے جو صاحبِ ایمان نہیں ہیں۔ پھر صادق و کاذب میں تمیز نہ ہو سکے گی۔ اور اگر ہمیشہ شکست ہی شکست سے دوچار ہوں تو ان کی بعثت کا مقصد ہی پورا نہ ہو سکے گا۔ اس لیے حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ دونوں صورتیں پیش آئیں تاکہ صادق و کاذب میں تمیز ہو جائے۔ کیونکہ منافقین کا نفاق مسلمانوں سے پوشیدہ تھا۔ جب یہ واقعہ پیش آیا اور اہلِ نفاق نے اپنے قول و فعل کا اظہار کیا تو اشارہ صراحت میں بدل گیا اور مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ خود ان کے اپنے گھروں کے اندر بھی ان کے دشمن موجود ہیں؛ اس لیے مسلمان ان سے نمٹنے کے لیے مستعد اور ان کی طرف سے محتاط ہو گئے۔

ایک حکمت یہ بھی تھی کہ بعض مقامات پر مدد کی آمد میں تاخیر سے خاکساری پیدا ہوتی ہے اور نفس کا غرور ٹوٹتا ہے۔ چنانچہ جب اہلِ ایمان ابتلاء سے دوچار ہوئے تو انہوں نے صبر سے کام لیا؛ البتہ منافقین میں آہ و زاری مچ گئی۔

ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اللہ نے اہلِ ایمان کے لیے اپنے اعزاز کے گھر (یعنی جنت) میں کچھ ایسے درجات تیار کر رکھے ہیں جہاں تک ان کے اعمال کی رسائی نہیں ہوتی۔ لہٰذا ابتلاء و محن کے بھی کچھ اسباب مقرر فرما رکھے ہیں تاکہ ان کی وجہ سے ان درجات تک اہلِ ایمان کی رسائی ہو جائے۔

اور ایک حکمت یہ بھی تھی کہ شہادت، اولیاء کرام کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے، لہٰذا یہ مرتبہ ان کیلیے مہیا فرما دیا گیا۔

اور ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اللہ اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا ان کے لیے اس کے اسباب بھی فراہم کر دیئے؛ یعنی کفر و ظلم اور اولیاء اللہ کی ایذا رسانی میں حد سے بڑھی ہوئی سرکشی۔ (پھر ان کے اسی عمل کے نتیجے میں) اہلِ ایمان کو گناہوں سے پاک و صاف کر دیا اور کافرین کو ہلاک و برباد[۸۷]

---

[۸۷] فتح الباری ۷/۳۴۷

ابتداء میں مسلمانوں نے مشرکین کو شکستِ فاش دی اور ان کے کیمپ پر دھاوا بول دیا۔ مگر عین اُسی وقت جبل عینین (جبل رماۃ) پر متعین تیر اندازوں نے اپنا مورچہ چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خالد بن ولید فوراً چکر کاٹ کر مسلمانوں کی پشت پر پہنچ گئے اور اُنہیں نرغہ میں لے کر جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔

اُحد کے بعد کی فوجی مہمّات

مسلمانوں کی شہرت اور ساکھ پر احد کی ناکامی کا بہت برا اثر پڑا۔ ان کی ہوا اکھڑ گئی اور مخالفین کے دلوں سے ان کی ہیبت جاتی رہی۔ اس کے نتیجے میں اہلِ ایمان کی داخلی اور خارجی مشکلات میں اضافہ ہوگیا۔ مدینے پر ہر جانب سے خطرات منڈلانے لگے۔ یہود، منافقین اور بدّوؤں نے کھُل کر عداوت کا مظاہرہ کیا اور ہر گروہ نے مسلمانوں کو زِک پہنچانے کی کوشش کی؛ بلکہ یہ توقع باندھ لی کہ وہ مسلمانوں کا کام تمام کرسکتا ہے اور انہیں بیخ و بن سے اکھاڑ سکتا ہے۔ چنانچہ اس غزوے کو ابھی دو مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ بنو اَسد نے مدینے پر چھاپہ مارنے کی تیاری کی۔ پھر صفر ۴ھ میں عضل اور قارہ کے قبائل نے ایک ایسی مکارانہ چال چلی کہ دس صحابہ کرامؓ کو جامِ شہادت نوش کرنا پڑا؛ اور ٹھیک اسی مہینے میں رئیس بنو عامر نے اسی طرح کی ایک دغابازی کے ذریعے ستّر صحابہ کرامؓ کو شہادت سے ہمکنار کرایا۔ یہ حادثہ بئر معونہ کے نام سے معروف ہے۔ اس دوران بنو نضیر بھی کھُلی عداوت کا مظاہرہ شروع کر چکے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے ربیع الاوّل ۴ھ میں خود نبی کریم ﷺ کو شہید کرنے کی کوشش کی۔ ادھر بنو غطفان کی جرأت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ انہوں نے جمادی الاولیٰ ۴ھ میں مدینے پر حملہ کا پروگرام بنایا۔

غرض مسلمانوں کی جو ساکھ غزوہ احد میں اُکھڑ گئی تھی اس کے نتیجے میں مسلمان ایک مُدّت تک پیہم خطرات سے دوچار رہے۔ لیکن وہ تو نبی کریم ﷺ کی حکمت بالغہ تھی جس نے سارے خطرات کا رُخ پھیر کر مسلمانوں کی ہیبتِ رفتہ واپس دلادی اور انہیں دوبارہ مجد و عزت کے مقامِ بلند تک پہنچا دیا۔ اس سلسلے میں آپؐ کا سب سے پہلا قدم حمراء الاسد تک مشرکین کے تعاقب کا تھا۔ اس کارروائی سے آپؐ کے لشکر کی آبرو بڑی حد تک برقرار رہ گئی کیونکہ یہ ایسا پروقار اور شجاعت پر مبنی جنگی اقدام تھا کہ مخالفین خصوصاً منافقین اور یہود کا منہ حیرت سے کھُلے کا کھلا رہ گیا۔ پھر آپؐ نے مسلسل ایسی جنگی کارروائیاں کیں کہ ان سے مسلمانوں کی صرف سابقہ ہیبت ہی بحال نہیں ہوئی بلکہ اس میں مزید اضافہ بھی ہوگیا۔ اگلے صفحات میں انہیں کا کچھ تذکرہ کیا جارہا ہے۔

۱۔ سَرِیّۂ ابو سلمہؓ جنگِ اُحد کے بعد مسلمانوں کے خلاف سب سے پہلے بنو اسد بن خزیمہ کا قبیلہ اٹھا۔ اس کے متعلق مدینے میں یہ اطلاع پہنچی کہ خُوَیلِد کے دو بیٹے طلحہ اور

سلمہ اپنی قوم اور اپنے اطاعت شعاروں کو لے کر بنو اسد کو رسول اللہ ﷺ پر حملے کی دعوت دیتے پھر رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جھٹ ڈیڑھ سو انصار و مہاجرین کا ایک دستہ تیار فرمایا اور حضرت ابو سلمہ رضؓ کو اس کا علَم دے کر سپہ سالار بنا کر روانہ فرما دیا۔ حضرت ابو سلمہؓ نے بنو اسد کے حرکت میں آنے سے پہلے ہی ان پر اس قدر اچانک حملہ کیا کہ وہ بھاگ کر اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ مسلمانوں نے ان کے اونٹ اور بکریوں پر قبضہ کر لیا اور سالم و غانم مدینہ واپس آ گئے۔ انہیں دو بدو جنگ بھی نہیں لڑنی پڑی۔

یہ سریہ محرم ۴ھ کا چاند نمودار ہونے پر روانہ کیا گیا تھا۔ واپسی کے بعد حضرت ابو سلمہؓ کا ایک زخم ـــــ جو انہیں اُحد میں لگا تھا، پھوٹ پڑا اور اس کی وجہ سے وہ جلد ہی وفات پا گئے[1]

۲۔ عبداللہ بن اُنیس رضؓ کی مہم اسی ماہ محرم ۴ھ کی ۵ تاریخ کو یہ خبر ملی کہ خالد بن سفیان ہُذلی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے فوج جمع کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے خلاف کارروائی کے لیے عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ مدینہ سے ۱۸ روز باہر رہ کر ۲۳ محرم کو واپس تشریف لائے۔ وہ خالد کو قتل کر کے اس کا سر بھی ہمراہ لاتے تھے۔ جب خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر انہوں نے یہ سر آپؐ کے سامنے پیش کیا تو آپؐ نے انہیں ایک عصا مرحمت فرمایا اور فرمایا کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان قیامت کے روز نشانی رہے گا۔ چنانچہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ یہ عصا بھی ان کے ساتھ ان کے کفن میں لپیٹ دیا جائے[2]

۳۔ رجیع کا حادثہ اسی سال ۴ھ کے ماہ صفر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس عضل اور قارہ کے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور ذکر کیا کہ ان کے اندر اسلام کا کچھ چرچا ہے لہٰذا آپؐ ان کے ہمراہ کچھ لوگوں کو دین سکھانے اور قرآن پڑھانے کے لیے روانہ فرما دیں۔ آپؐ نے ابنِ اسحاق کے بقول چھ افراد کو اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق دس افراد کو روانہ فرمایا، اور ابنِ اسحاق کے بقول مرثد بن ابی مرثد غنوی کو اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق عاصمؓ بن عمر بن خطاب کے نانا حضرت عاصمؓ بن ثابت کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ جب یہ لوگ رابغ اور جدہ کے درمیان قبیلہ ہُذَیل کے رجیع نامی ایک چشمے پر پہنچے تو ان پر عضل اور قارہ کے مذکورہ افراد نے قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ بنو لحیان کو چڑھا دیا اور بنو لحیان کے کوئی ایک سو تیر انداز ان کے پیچھے لگ گئے اور نشاناتِ قدم

---

[1] زاد المعاد ۲/۱۰۸ [2] ایضاً ۲/۱۰۹، ابنِ ہشام ۲/۶۱۹، ۶۲۰

دیکھ دیکھ کر انہیں جالیا۔ یہ صحابہ کرام ایک ٹیلے پر پناہ گیر ہو گئے۔ بنو لحیان نے انہیں گھیر لیا اور کہا: "تمہارے لیے عہد و پیمان ہے کہ اگر ہمارے پاس اتر آؤ تو ہم تمہارے کسی آدمی کو قتل نہیں کریں گے۔" حضرت عاصمؓ نے اترنے سے انکار کر دیا اور اپنے رفقاء سمیت ان سے جنگ شروع کر دی۔ بالآخر تیروں کی بوچھاڑ سے سات افراد شہید ہو گئے اور صرف تین آدمی حضرت خبیبؓ، زیدؓ بن دثنہ اور ایک اور صحابی باقی بچے۔ اب پھر بنو لحیان نے اپنا عہد و پیمان دہرایا اور اس پر تینوں صحابی ان کے پاس اتر آئے لیکن انہوں نے قابو پاتے ہی بدعہدی کی اور انہیں اپنی کمانوں کی تانت سے باندھ لیا۔ اس پر تیسرے صحابی نے یہ کہتے ہوئے کہ یہ پہلی بدعہدی ہے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کھینچ گھسیٹ کر ساتھ لے جانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے تو انہیں قتل کر دیا اور حضرت خبیب اور زید رضی اللہ عنہما کو مکہ لیجا کر بیچ دیا۔ ان دونوں صحابہ نے بدر کے روز اہل مکہ کے سرداروں کو قتل کیا تھا۔

حضرت خبیبؓ کچھ عرصہ اہل مکہ کی قید میں رہے، پھر مکے والوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا اور انہیں حرم سے باہر تنعیم لے گئے۔ جب سولی پر چڑھانا چاہا تو انہوں نے فرمایا: "مجھے چھوڑ دو ذرا دو رکعت نماز پڑھ لوں۔" مشرکین نے چھوڑ دیا اور آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ جب سلام پھیر چکے تو فرمایا: "بخدا اگر تم لوگ یہ نہ کہتے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں گھبراہٹ کی وجہ سے کر رہا ہوں تو میں کچھ اور طول دیتا۔" اس کے بعد فرمایا: "اے اللہ! انہیں ایک ایک کر کے گن لے پھر انہیں بکھیر کر مارنا اور ان میں سے کسی ایک کو باقی نہ چھوڑنا۔" پھر یہ اشعار کہے:

لقد اجمع الاحزاب حولی والبوا — قبائلهم واستجمعوا کل مجمع

وقد قربوا ابناء هم ونساءهم — وقربت من جزع طویل ممنع

الی الله اشکو غربتی بعد کربتی — وماجمع الاحزاب لی عند مضجعی

فذا العرش صبرنی علی مایرا دبی — فقد بضعوا لحمی وقد بؤس مطعمی

وقد خیرونی الکفر والموت دونه — فقد ذرفت عیناای من غیر مدمع

ولست ابالی حین اقتل مسلما — علی ای شق کان لله مضجعی

وذلك فی ذات الاله وان یشا — یبارک علی اوصال شلو ممزع

"لوگ میرے گرد گروہ در گروہ جمع ہو گئے ہیں، اپنے قبائل کو چڑھا لائے ہیں اور سارا مجمع جمع

کر لیا ہے اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بھی قریب لے آئے ہیں اور مجھے ایک لمبے مضبوط تنے کے قریب کر دیا گیا ہے میں اپنی بے وطنی و بیکسی کا شکوہ اور اپنی قتل گاہ کے پاس گروہوں کی جمع کردہ آفات کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں۔ اے عرش والے! میرے خلاف دشمنوں کے جو ارادے ہیں اس پر مجھے صبر دے۔ انہوں نے مجھے بوٹی بوٹی کر دیا ہے اور میری خوراک بُری ہو گئی ہے۔ انہوں نے مجھے کفر کا اختیار دیا ہے حالانکہ موت اس سے کمتر اور آسان ہے۔ میری آنکھیں آنسو کے بغیر امنڈ آئیں۔ میں مسلمان مارا جاؤں تو مجھے پروا نہیں کہ اللہ کی راہ میں کس پہلو پہ قتل ہوں گا۔ یہ تو اللہ کی ذات کے لیے ہے اور وہ چاہے تو بوٹی بوٹی کئے ہوئے اعضاء کے جوڑ جوڑ میں برکت دے۔"

اس کے بعد ابوسفیان نے حضرت خبیبؓ سے کہا: کیا تمہیں یہ بات پسند آئے گی کہ (تمہارے بدلے) محمدؐ ہمارے پاس ہوتے ہم ان کی گردن مارتے اور تم اپنے اہل و عیال میں رہتے؟ انہوں نے کہا "نہیں۔ واللہ مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے اہل و عیال میں رہوں اور (اس کے بدلے) محمد ﷺ کو جہاں آپ ہیں وہیں رہتے ہوئے، کانٹا چبھ جائے، اور وہ آپ کو تکلیف دے۔"

اس کے بعد مشرکین نے انہیں سولی پہ لٹکا دیا اور ان کی لاش کی نگرانی کے لیے آدمی مقرر کر دیے لیکن حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور رات میں جھانسہ دے کر لاش اٹھا لے گئے اور اسے دفن کر دیا۔ حضرت خُبَیبؓ کا قاتل عُقبہ بن حارث تھا۔ حضرت خبیبؓ نے اس کے باپ حارث کو جنگِ بدر میں قتل کیا تھا۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت خُبَیبؓ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے قتل کے موقع پہ دو رکعت نماز پڑھنے کا طریقہ مشروع کیا۔ انہیں قید میں دیکھا گیا کہ وہ انگور کے گچھے کھا رہے تھے حالانکہ ان دنوں مکے میں کھجور بھی نہیں ملتی تھی۔

دوسرے صحابی جو اس واقعے میں گرفتار ہوئے تھے، یعنی حضرت زیدؓ بن دثنہ، انہیں صَفوان بن اُمیّہ نے خرید کر اپنے باپ کے بدلے قتل کر دیا۔

قریش نے اس مقصد کے لیے بھی آدمی بھیجے کہ حضرت عاصمؓ کے جسم کا کوئی ٹکڑا لائیں جس سے انہیں پہچانا جا سکے کیونکہ انہوں نے جنگِ بدر میں قریش کے کسی عظیم آدمی کو قتل کیا تھا لیکن اللہ نے ان پہ بھِڑوں کا جھُنڈ بھیج دیا جس نے قریش کے آدمیوں سے ان کی لاش کی حفاظت کی اور یہ لوگ ان کا کوئی حصہ حاصل کرنے پر قدرت نہ پا سکے۔ درحقیقت حضرت عاصمؓ نے اللہ سے یہ عہد و پیمان

کر رکھا تھا کہ نہ انہیں کوئی مُشرک چھُوئے گا نہ وہ کسی مشرک کو چھوئیں گے۔ بعد میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو فرمایا کرتے تھے کہ اللہ مومن بندے کی حفاظت اس کی وفات کے بعد بھی کرتا ہے جیسے اس کی زندگی میں کرتا ہے[۳]

۴۔ بئرِ معونہ کا المیہ

جس مہینے رجیع کا حادثہ پیش آیا ٹھیک اسی مہینے بئرِ معونہ کا المیہ بھی پیش آیا، جو رجیع کے حادثہ سے کہیں زیادہ سنگین تھا۔

اس واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو براء عامر بن مالک، جو مُلاعِب الأسنّہ (نیزوں سے کھیلنے والا) کے لقب سے مشہور تھا، مدینہ میں خدمتِ نبوی میں حاضر ہُوا۔ آپؐ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اسلام تو قبول نہیں کیا لیکن دُوری بھی اختیار نہیں کی۔ اس نے کہا: "اے اللہ کے رسُولؐ! اگر آپ اپنے اصحاب کو دعوتِ دین کے لیے اہلِ نجد کے پاس بھیجیں تو مجھے اُمید ہے کہ وہ لوگ آپ کی دعوت قبول کرلیں گے۔" آپؐ نے فرمایا: "مجھے اپنے صحابہ کے متعلق اہلِ نجد سے خطرہ ہے۔" ابو براء نے کہا: وہ میری پناہ میں ہوں گے۔" اس پر نبی ﷺ نے ابنِ اسحاق کے بقول چالیس اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق ستّر آدمیوں کو اس کے ہمراہ بھیج دیا۔ ستّر ہی کی روایت درست ہے، اور مُنذر بن عَمرو کو جو بنو ساعدہ سے تعلق رکھتے تھے اور "مُعنَق لِلموت" (موت کے لیے آزاد کردہ) کے لقب سے مشہور تھے، ان کا امیر بنا دیا۔ یہ لوگ فضلاء، قراء اور سادات و اخیارِ صحابہ تھے۔ دن میں لکڑیاں کاٹ کر اس کے عوض اہلِ صُفّہ کے لیے غلہ خریدتے اور قرآن پڑھتے پڑھاتے تھے اور رات میں خُدا کے حضور مناجات و نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس طرح چلتے چلاتے معونہ کے کنوئیں پر جا پہنچے۔ یہ کنواں بنو عامر اور حرہ بنی سُلَیم کے درمیان ایک زمین میں واقع ہے۔ وہاں پڑاؤ ڈالنے کے بعد ان صحابہؓ کرام نے اُمِ سُلَیم کے بھائی حَرام بن ملحان کو رسُول اللہ ﷺ کا خط دے کر دشمنِ خُدا عامر بن طفیل کے پاس روانہ کیا، لیکن اس نے خط کو دیکھا تک نہیں اور ایک آدمی کو اشارہ کر دیا جس نے حضرت حَرامؓ کو پیچھے سے اس زور کا نیزہ مارا کہ وہ نیزہ آر پار ہو گیا۔ خون دیکھ کر حضرت حرامؓ نے فرمایا: "اللہُ اکبر! ربِ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔"

اس کے بعد فوراً ہی اس دشمنِ خُدا عامر نے باقی صحابہؓ پر حملہ کرنے کے لیے اپنے قبیلہ بنی عامر کو آواز دی۔ مگر انہوں نے ابو براء کی پناہ کے پیشِ نظر اس کی آواز پر کان نہ دھرے۔ ادھر سے

---

[۳] ابنِ ہشام ۲/۶۹ تا ۷۹، زاد المعاد ۲/۱۰۹، صحیح بخاری ۲/۵۶۸، ۵۶۹، ۵۸۵

مایوس ہوکر اس شخص نے بنو سُلَیم کو آواز دی۔ بنو سُلَیم کے تین قبیلوں عصیہ، رعل اور ذکوان نے اس پر لبیک کہا اور جھٹ آکر ان صحابہ کرام کا محاصرہ کر لیا۔ جواباً صحابہ کرامؓ نے بھی لڑائی کی مگر سب کے سب شہید ہو گئے۔ صرف حضرت کعب بن زید بن نجار رضی اللہ عنہ زندہ بچے۔ انہیں شہداء کے درمیان سے زخمی حالت میں اٹھا لایا گیا اور وہ جنگ خندق تک حیات رہے۔ ان کے علاوہ مزید دو صحابہ حضرت عَمْرؓو بن اُمیّہ ضَمْری اور حضرت مُنذِرؓ بن عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما اونٹ چرا رہے تھے۔ انہوں نے جائے واردات پر چڑیوں کو منڈلاتے دیکھا تو سیدھے جائے واردات پر پہنچے۔ پھر حضرت منذر تو اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر مشرکین سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور حضرت عَمْرؓو بن اُمیہ ضمری کو قید کر لیا گیا۔ لیکن جب بتایا گیا کہ ان کا تعلق قبیلۂ مُضَر سے ہے تو عامر نے ان کی پیشانی کے بال کٹوا کر اپنی ماں کی طرف سے ـــــ جس پر ایک گردن آزاد کرنے کی نذر تھی ـــــ آزاد کر دیا۔

حضرت عَمْرو بن اُمیّہ ضمری رضی اللہ عنہ اس دردناک المیے کی خبر لے کر مدینہ پہنچے۔ ان ستّر افاضل مسلمین کی شہادت کے المیے نے جنگِ اُحد کا چرکہ تازہ کر دیا۔ اور یہ اس لحاظ سے زیادہ المناک تھا کہ شہداءِ احد تو ایک کھلی ہوئی اور دوبدو جنگ میں مارے گئے تھے مگر یہ بیچارے ایک شرمناک غداری کی نذر ہو گئے۔

حضرت عَمْرؓو بن اُمیّہ ضَمْری واپسی میں وادی قناۃ کے سرے پر واقع مقام قرقرہ پہنچے تو ایک درخت کے سائے میں اتر پڑے۔ وہیں بنو کلاب کے دو آدمی بھی آکر اترے۔ جب وہ دونوں بےخبر سو گئے تو حضرت عَمْرؓو بن امیّہؓ نے ان دونوں کا صفایا کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ اپنے ساتھیوں کا بدلہ لے رہے ہیں حالانکہ ان دونوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عہد تھا مگر حضرت عَمْرؓو جانتے نہ تھے۔ چنانچہ جب مدینہ آکر انہوں نے رسُول اللہ ﷺ کو اپنی اس کارروائی کی خبر دی تو آپؐ نے فرمایا کہ تم نے ایسے دو آدمیوں کو قتل کیا ہے جن کی دیت مجھے لازماً ادا کرنی ہے۔ اس کے بعد آپؐ مسلمان اور انکے حلفاء یہود سے دیت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے[۴] اور یہی واقعہ غزوہ بنی نضیر کا سبب بنا۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو معونہ اور رجیع کے ان المناک واقعات سے جو چند ہی دن آگے پیچھے پیش آئے تھے[۵] اس قدر رنج پہنچا اور آپؐ اس قدر غمگین و دلفگار ہوئے[۶] کہ جن قوموں اور

---

۴ دیکھئے ابن ہشام ۲/۱۸۳ تا ۱۸۸، زاد المعاد ۲/۱۰۹، ۱۱۰، صحیح بخاری ۲/۵۸۴، ۵۸۶

۵ واقدی نے لکھا ہے کہ رجیع اور معونہ دونوں حادثوں کی خبر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی رات میں ملی تھی۔

۶ ابن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر اہل بئرِ معونہ پر (باقی اگلے صفحہ پر)

قبیلوں نے ان صحابہ کرام کے ساتھ غدر و قتل کا یہ سلوک کیا تھا آپؐ نے ان پر ایک مہینے تک بد دعا فرمائی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جن لوگوں نے آپؐ کے صحابہ کو بئر معونہ پر شہید کیا تھا آپؐ نے ان پر تیس روز تک بد دعا کی۔ آپ نماز فجر میں رعل، ذکوان، لحیان اور عُصَیَّہ پر بد دعا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ عصیہ نے اللہ اور اس کے رسُول کی معصیت کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں اپنے نبی پر وحی نازل کی، جو بعد میں منسوخ ہوگئی۔ وہ وحی یہ تھی: "ہماری قوم کو یہ بتلا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے تو وہ ہم سے راضی ہے اور ہم اس سے راضی ہیں"۔ اس کے بعد رسُول اللہ ﷺ نے اپنا یہ قنوت ترک فرما دیا۔[۷]

۵۔ غزوۂ بنی نضیر

ہم بتا چکے ہیں کہ یہود اسلام اور مسلمانوں سے جلتے بھنتے تھے مگر چونکہ وہ مردِ میدان نہ تھے، سازشی اور دسیسہ کار تھے، اس لیے جنگ کے بجائے کینے اور عداوت کا مظاہرہ کرتے تھے اور مسلمانوں کو عہد و پیمان کے باوجود اذیت دینے کے لیے طرح طرح کے حیلے اور تدبیریں کرتے تھے۔ البتہ بنو قینقاع کی جلا وطنی اور کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ پیش آیا تو ان کے حوصلے ٹوٹ گئے اور انہوں نے خوفزدہ ہو کر خاموشی اور سکون اختیار کر لیا، لیکن غزوۂ احد کے بعد ان کی جرأت پھر پلٹ آئی۔ انہوں نے کھلم کھلا عداوت و بدعہدی کی۔ مدینہ کے منافقین اور مکے کے مشرکین سے پس پردہ ساز باز کی اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی حمایت میں کام کیا۔[۸]

نبی ﷺ نے سب کچھ جانتے ہوئے صبر سے کام لیا لیکن رجیع اور معونہ کے حادثات کے بعد یہود کی جرأت و جسارت حد سے بڑھ گئی اور انہوں نے نبی ﷺ ہی کے خاتمے کا پروگرام بنا لیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے چند صحابہ کے ہمراہ یہود کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے بنو کلاب کے ان دونوں مقتولین کی دیت میں اعانت کے لیے بات چیت کی — (جنہیں حضرت عمروؓ بن اُمیہ ضمری نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔) ان پر معاہدے کی رُو سے یہ اعانت واجب تھی۔ انہوں

(بقیہ نوٹ گذشتہ صفحہ) غمگین ہوئے میں نے کسی اور پر آپؐ کو اتنا زیادہ غمگین ہوتے نہیں دیکھا۔ مختصر السیرۃ للشیخ عبد اللہ ص ۲۶۰)

۷ صحیح بخاری ۲/۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸

۸ سنن ابی داؤد باب خبر النضیر کی روایت سے یہ بات مستفاد ہے دیکھئے سنن ابی داؤد مع شرح عون المعبود ۳/۱۱۶، ۱۱۷،

نے کہا: "ابوالقاسم! ہم ایسا ہی کریں گے۔ آپ یہاں تشریف رکھئے ہم آپ کی ضرورت پوری کئے دیتے ہیں"۔ آپ ان کے ایک گھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور ان کے وعدے کی تکمیل کا انتظار کرنے لگے۔ آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت بھی تشریف فرما تھی۔

ادھر یہود تنہائی میں جمع ہوئے تو ان پر شیطان سوار ہو گیا اور جو بدبختی ان کا نوشتہ تقدیر بن چکی تھی اسے شیطان نے خوشنما بنا کر پیش کیا۔ یعنی ان یہود نے باہم مشورہ کیا کہ کیوں نہ نبی ﷺ ہی کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے کہا: "کون ہے جو اس چکی کو لے کر اوپر جائے اور آپ کے سر پر گرا کر آپ کو کچل دے"۔ اس پر ایک بدبخت یہودی عمرو بن جحاش نے کہا، میں۔۔۔ ان لوگوں سے سلام بن مشکم نے کہا بھی کہ ایسا نہ کرو کیونکہ خدا کی قسم انہیں تمہارے ارادوں کی خبر دیدی جائے گی اور پھر ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد و پیمان ہے یہ اس کی خلاف ورزی بھی ہے، لیکن انہوں نے ایک نہ سُنی اور اپنے منصوبے کو رُوبہ عمل لانے کے عزم پر برقرار رہے۔

ادھر رب العالمین کی طرف سے رسُول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور آپؐ کو یہود کے ارادے سے باخبر کیا۔ آپؐ تیزی سے اُٹھے اور مدینے کے لیے چل پڑے۔ بعد میں صحابہؓ کرام بھی آپ سے آن ملے اور کہنے لگے "آپؐ اُٹھ آئے اور ہم سمجھ نہ سکے۔ آپؐ نے بتلایا کہ یہود کا کیا ارادہ تھا۔

مدینہ واپس آکر آپؐ نے فوراً ہی محمدؓ بن مسلمہ کو بنی نضیر کے پاس روانہ فرمایا اور انہیں یہ نوٹس دیا کہ تم لوگ مدینے سے نکل جاؤ۔ اب یہاں میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ تمہیں دس دن کی مہلت دی جاتی ہے اس کے بعد جو شخص پایا جائے گا اس کی گردن ماردی جائے گی۔ اس نوٹس کے بعد یہود کو جلاوطنی کے سوا کوئی چارہ کار سمجھ میں نہیں آیا۔ چنانچہ وہ چند دن تک سفر کی تیاریاں کرتے رہے۔ لیکن اسی دوران عبداللہ بن اُبیّ رئیس المنافقین نے کہلا بھیجا کہ اپنی جگہ برقرار رہو، ڈٹ جاؤ؛ اور گھر بار نہ چھوڑو میرے پاس دو ہزار مردانِ جنگی ہیں جو تمہارے ساتھ تمہارے قلعے میں داخل ہو کر تمہاری حفاظت میں جان دے دیں گے اور اگر تمہیں نکالا ہی گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے بارے میں کسی سے ہرگز نہیں دبیں گے؛ اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور بنو قریظہ اور بنو غطفان جو تمہارے حلیف ہیں وہ بھی تمہاری مدد کریں گے۔

یہ پیغام سُن کر یہود کی خود اعتمادی پلٹ آئی اور انہوں نے طے کر لیا کہ جلا وطن ہونے کے بجائے ٹکر لی جائے گی۔ ان کے سردار حُیَی بن اخطب کو توقع تھی کہ راس المنافقین نے جو کچھ کہا ہے وہ پورا کرے گا اس لیے اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جوابی پیغام بھیج دیا کہ ہم اپنے دیار سے نہیں نکلتے آپؐ کو جو کرنا ہو کر لیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے لحاظ سے یہ صورت حال نازک تھی، کیونکہ ان کے لیے اپنی تاریخ کے اس نازک اور پیچیدہ موڑ پر دشمنوں سے ٹکراؤ کچھ زیادہ مفید و مناسب نہ تھا۔ انجام خطرناک ہو سکتا تھا۔ آپؐ دیکھ ہی رہے ہیں کہ سارا عرب مسلمانوں کے خلاف تھا اور مسلمانوں کے دو تبلیغی وفود نہایت بے دردی سے تہ تیغ کیے جا چکے تھے۔ پھر بنی نَضِیر کے یہود اتنے طاقتور تھے کہ ان کا ہتھیار ڈالنا آسان نہ تھا اور ان سے جنگ مول لینے میں طرح طرح کے خدشات تھے۔ مگر بئر معونہ کے المیے سے پہلے اور اس کے بعد کے حالات نے جو نئی کروٹ لی تھی اس کی وجہ سے مسلمان قتل اور بدعہدی جیسے جرائم کے سلسلے میں زیادہ حساس ہو گئے تھے اور ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف مسلمانوں کا جذبۂ انتقام فزوں تر ہو گیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے طے کر لیا کہ چونکہ بنو نَضِیر نے رسُول اللہ ﷺ کے قتل کا پروگرام بنایا تھا اس لیے ان سے بہر حال لڑنا ہے۔ خواہ اس کے نتائج جو بھی ہوں۔ چنانچہ جب رسُول اللہ ﷺ کو حیی بن اخطب کا جوابی پیغام ملا تو آپؐ نے اور صحابہ کرامؓ نے کہا اللہُ اکبر! اور پھر لڑائی کے لیے اٹھ کھڑے ہُوئے اور حضرت ابنؓ اُمِّ مکتوم کو مدینہ کا انتظام سونپ کر بنو نضیر کے علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں عَلَم تھا بنو نضیر کے علاقے میں پہنچ کر ان کا محاصرہ کر لیا گیا۔

ادھر بنو نضیر نے اپنے قلعوں اور گڑھیوں میں پناہ لی اور قلعہ بند رہ کر فصیل سے تیر اور پتھر برساتے رہے۔ چونکہ کھجور کے باغات ان کے لیے سپر کا کام دے رہے تھے اس لیے آپؐ نے حکم دیا کہ ان درختوں کو کاٹ کر جلا دیا جائے۔ بعد میں اسی کی طرف اشارہ کر کے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِى لُؤَىٍّ حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرُ

بنی لؤی کے سرداروں کے لیے یہ معمولی بات تھی کہ بُوَیْرَۃ میں آگ کے شعلے بلند ہوں (بویرہ بنو نضیر کے نخلستان کا نام تھا) اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی نازل ہُوا:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ○ (۵:۵۹)

"تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے یا جنہیں اپنے تنوں پر کھڑا رہنے دیا وہ سب اللہ ہی کے اذن سے تھا۔ اور ایسا اس لیے کیا گیا تاکہ اللہ ان فاسقوں کو رسوا کرے۔"

بہر حال جب ان کا محاصرہ کر لیا گیا تو بنو قُرَیْظہ ان سے الگ تھلگ رہے۔ عبداللہ بن اُبَیّ نے بھی خیانت کی اور ان کے حلیف غَطْفان بھی مدد کو نہ آئے۔ غرض کوئی بھی انہیں مدد دینے یا ان کی مصیبت ٹالنے پر آمادہ نہ ہُوا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے واقعے کی مثال یوں بیان فرمائی:

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ.. (۱۶:۵۹)

"جیسے شیطان انسان سے کہتا ہے کفر کرو اور جب وہ کفر کر بیٹھتا ہے تو شیطان کہتا ہے میں تم سے بری ہوں"

محاصرے نے کچھ زیادہ طول نہیں پکڑا بلکہ صرف چھ رات۔ یا بقول بعض پندرہ رات۔ جاری رہا کہ اس دوران اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ ان کے حوصلے ٹوٹ گئے، وہ ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو گئے اور رسُول اللہ ﷺ کو کہلوا بھیجا کہ ہم مدینے سے نکلنے کو تیار ہیں۔ آپ نے ان کی جلاوطنی کی پیش کش منظور فرما لی اور یہ بھی منظور فرما لیا کہ وہ اسلحہ کے سوا باقی جتنا سازوسامان اونٹوں پر لاد سکتے ہوں سب لے کر بال بچوں سمیت چلے جائیں۔

بنو نضیر نے اس منظوری کے بعد ہتھیار ڈال دیئے اور اپنے ہاتھوں اپنے مکانات اجاڑ ڈالے تاکہ دروازے اور کھڑکیاں بھی لاد لے جائیں۔ بلکہ بعض بعض نے تو چھت کی کڑیاں اور دیواروں کی کھونٹیاں بھی لاد لیں۔ پھر عورتوں اور بچوں کو سوار کیا اور چھ سو اونٹوں پر لد لدا کر روانہ ہو گئے۔ بیشتر یہود اور ان کے اکابر مثلاً حُیَیّ بن اَخْطَب اور سلام بن ابی الحُقَیْق نے خَیْبَر کا رُخ کیا۔ ایک جماعت ملک شام روانہ ہوئی صرف دو آدمیوں یعنی یامِیْن بن عمرو اور ابو سَعید بن وہب نے اسلام قبول کیا۔ لہٰذا ان کے مال کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔

رسُول اللہ ﷺ نے شرط کے مطابق بنو نَضِیر کے ہتھیار، زمین، گھر اور باغات اپنے قبضے میں لے لیے ہتھیار میں پچاس زرہیں، پچاس خُود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں۔

بنو نضیر کے یہ باغات، زمین اور مکانات خالص رسُول اللہ ﷺ کا حق تھا۔ آپ کو اختیار تھا

کہ آپؐ اسے اپنے لیے محفوظ رکھیں یا جسے چاہیں دیں۔ چنانچہ آپ نے (مالِ غنیمت کی طرح) ان اموال کا خُمس (پانچواں حصہ) نہیں نکالا کیونکہ اسے اللہ نے آپ کو بطور فَے دیا تھا۔ مسلمانوں نے اس پر گھوڑے اور اونٹ دوڑا کر اسے (بزورِ شمشیر) فتح نہیں کیا تھا لہٰذا آپؐ نے اپنے اس اختیارِ خصوصی کے تحت اس پورے مال کو صرف مہاجرین اولین پر تقسیم فرمایا۔ البتہ دو انصاری صحابہ یعنی ابودُجانہؓ اور سہلؓ بن حُنیف رضی اللہ عنہما کو ان کے فقر کے سبب اس میں سے کچھ عطا فرمایا۔ اس کے علاوہ آپ نے (ایک چھوٹا سا ٹکڑا اپنے لیے محفوظ رکھا جس میں سے آپ) اپنی ازواج مطہرات کا سال بھر کا خرچ نکالتے تھے اور اس کے بعد جو کچھ بچتا تھا اسے جہاد کی تیاری کے لیے ہتھیار اور گھوڑوں کی فراہمی میں صرف فرما دیتے تھے۔

غزوہ بنی نضیر ربیع الاوّل ۴ھ، اگست ۶۲۵ء میں پیش آیا اور اللہ تعالیٰ نے اس تعلق سے پوری سورہ حشر نازل فرمائی جس میں یہود کی جلاوطنی کا نقشہ کھینچتے ہوئے منافقین کے طرزِ عمل کا پردہ فاش کیا گیا ہے اور مالِ فَے کے احکام بیان فرماتے ہوئے مہاجرین و انصار کی مدح و ستائش کی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جنگی مصالح کے پیش نظر دشمن کے درخت کاٹے جا سکتے ہیں اور ان میں آگ لگائی جا سکتی ہے۔ ایسا کرنا فساد فی الارض نہیں ہے۔ پھر اہلِ ایمان کو تقویٰ کے التزام اور آخرت کی تیاری کی تاکید کی گئی ہے۔ ان سب کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد و ثنا فرماتے ہوئے اور اپنے اسماء و صفات کو بیان کرتے ہوئے سورۃ ختم فرما دی ہے۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اس سورۃ (حشر) کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اسے سورہ بنی النضیر کہو۔[۹]

۶۔ غزوۂ نجد

غزوہ بنی نضیر میں کسی قربانی کے بغیر مسلمانوں کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ اس سے مدینے میں قائم مسلمانوں کا اقتدار مضبوط ہو گیا اور منافقین پر بددلی چھا گئی۔ اب انہیں کھل کر کچھ کرنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ ان بدوؤں کی خبر لینے کے لیے یکسو ہو گئے جنہوں نے اُحد کے بعد ہی سے مسلمانوں کو سخت مشکلات میں الجھا رکھا تھا اور نہایت ظالمانہ طریقے سے داعیانِ اسلام پر حملے کر کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتار چکے تھے اور اب ان کی جرأت اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ وہ مدینے پر چڑھائی کی سوچ رہے تھے۔

---

۹ ابنِ ہشام ۲/۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، زاد المعاد ۲/۷۱، ۱۱۰، صحیح بخاری ۲/۵۷۴، ۵۷۵

چنانچہ غزوۂ بنو نضیر سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ ابھی ان بدعہدوں کی تادیب کیلئے اٹھے بھی نہ تھے کہ آپؐ کو اطلاع ملی کہ بنی غطفان کے دو قبیلے بنو محارب اور بنو ثعلبہ لڑائی کے لیے بدوؤں اور اعرابیوں کی نفری فراہم کر رہے ہیں۔ اس خبر کے ملتے ہی نبی ﷺ نے نجد پر یلغار کا فیصلہ کیا اور صحرائے نجد میں دُور تک گھستے چلے گئے۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ ان سنگ دل بدوؤں پر خوف طاری ہو جائے اور وہ دوبارہ مسلمانوں کے خلاف پہلے جیسی سنگین کارروائیوں کے اعادے کی جرأت نہ کریں۔

ادھر سرکش بدو، جو لوٹ مار کی تیاریاں کر رہے تھے مسلمانوں کی اس اچانک یلغار کی خبر سنتے ہی خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور پہاڑوں کی چوٹیوں میں جا دبکے۔ مسلمانوں نے لٹیرے قبائل پر اپنا رعب و دبدبہ قائم کرنے کے بعد امن و امان کے ساتھ واپس مدینے کی راہ لی۔

اہلِ سیر نے اس سلسلے میں ایک معیّن غزوے کا نام لیا ہے جو ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۴ھ میں سرزمینِ نجد کے اندر پیش آیا تھا اور وہ اسی غزوہ کو غزوۂ ذات الرقاع قرار دیتے ہیں۔ جہاں تک حقائق اور ثبوت کا تعلق ہے تو اس میں شبہ نہیں کہ ان ایام میں نجد کے اندر ایک غزوہ پیش آیا تھا کیونکہ مدینے کے حالات ہی کچھ ایسے تھے۔ ابوسفیان نے غزوۂ احد سے واپسی کے وقت آئندہ سال میدان بدر میں جس غزوے کے لیے للکارا تھا اور جسے مسلمانوں نے منظور کر لیا تھا اب اس کا وقت قریب آ رہا تھا۔ اور جنگی نقطۂ نظر سے یہ بات کسی طرح مناسب نہ تھی کہ بدوؤں اور اعراب کو ان کی سرکشی اور بغاوت پر قائم چھوڑ کر بدر جیسی زوردار جنگ میں جانے کے لیے مدینہ خالی کر دیا جائے؛ بلکہ ضروری تھا کہ میدانِ بدر میں جس ہولناک جنگ کی توقع تھی اس کے لیے نکلنے سے پہلے ان بدوؤں کی شوکت پر ایسی ضرب لگائی جائے کہ انہیں مدینے کا رُخ کرنے کی جرأت نہ ہو۔

باقی رہی یہ بات کہ یہی غزوہ جو ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۴ھ میں پیش آیا تھا غزوۂ ذات الرقاع تھا ہماری تحقیق کے مطابق صحیح نہیں۔ کیونکہ غزوۂ ذات الرقاع میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما موجود تھے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جنگ خیبر سے صرف چند دن پہلے اسلام لائے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر یمن سے روانہ ہوئے تو ان کی کشتی ساحلِ حبشہ سے جا لگی تھی؛ اور وہ حبشہ سے اس وقت واپس آئے تھے جب نبی ﷺ

خیبر میں تشریف فرما تھے۔ اس طرح وہ پہلی بار) خیبر ہی کے اندر خدمت نبوی میں حاضر ہو سکے تھے۔ پس ضروری ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع غزوۂ خیبر کے بعد پیش آیا ہو۔

۴ھ کے ایک عرصے بعد غزوۂ ذات الرقاع کے پیش آنے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے غزوۂ ذات الرقاع میں صلوٰۃِ خوف[1] پڑھی تھی اور صلوٰۃِ خوف پہلے پہل غزوۂ عسفان میں پڑھی گئی اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ غزوۂ عسفان کا زمانہ غزوۂ خندق کے بھی بعد کا ہے جبکہ غزوۂ خندق کا زمانہ ۵ھ کے اخیر کا ہے۔ درحقیقت غزوۂ عسفان سفرِ حدیبیہ کا ایک ضمنی واقعہ تھا اور سفرِ حدیبیہ ۶ھ کے اخیر میں پیش آیا تھا جس سے واپس آکر رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی راہ لی تھی اس لیے اس اعتبار سے بھی غزوۂ ذاتِ الرقاع کا زمانہ خیبر کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے۔

۷۔ غزوۂ بدر دوم

اعراب کی شوکت توڑ دینے اور بدوؤں کے شر سے مطمئن ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے اپنے بڑے دشمن (قریش) سے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ کیونکہ سال تیزی سے ختم ہو رہا تھا اور احد کے موقع پر طے کیا ہوا وقت قریب آتا جا رہا تھا اور محمد ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا فرض تھا کہ میدان کارزار میں ابوسفیان اور اس کی قوم سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے نکلیں اور جنگ کی چکی اس حکمت کے ساتھ چلائیں کہ جو فریق زیادہ ہدایت یافتہ اور پائدار بقاء کا مستحق ہو حالات کا رُخ پوری طرح اس کے حق میں ہو جائے۔

چنانچہ شعبان ۴ھ جنوری ۶۲۶ء میں رسول اللہ ﷺ نے مدینے کا انتظام حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو سونپ کر اس طے شدہ جنگ کیلئے بدر کا رُخ فرمایا۔ آپؐ کے ہمراہ ڈیڑھ ہزار کی جمعیّت اور دس گھوڑے تھے۔ آپؐ نے فوج کا عَلَم حضرت علیؓ کو دیا اور بدر پہنچ کر مشرکین کے انتظار میں خیمہ زن ہو گئے۔

دوسری طرف ابوسفیان بھی پچاس سواروں سمیت دو ہزار مشرکین کی جمعیّت لے کر روانہ ہوا اور

---

[1] حالت جنگ کی نماز کو صلوٰۃِ خوف کہتے ہیں جس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آدھی فوج ہتھیار بند ہو کر امام کے پیچھے نماز پڑھے باقی آدھی فوج ہتھیار باندھے دشمن پر نظر رکھے۔ ایک رکعت کے بعد یہ فوج امام کے پیچھے آجائے اور پہلی فوج دشمن پر نظر رکھنے چلی جائے۔ امام دوسری رکعت پوری کرلے تو باری باری فوج کے دونوں حصے اپنی اپنی نماز پوری کریں۔ اس نماز کے اس سے ملتے جلتے اور بھی متعدد طریقے ہیں جو موقع جنگ کی مناسبت سے اختیار کیے جاتے ہیں۔ تفصیلات کتب احادیث میں موجود ہیں۔

مکے سے ایک مرحلہ دور وادی مَرّ الظّہران پہنچ کر مجنہ نام کے مشہور چشمے پر خیمہ زن ہوا لیکن وہ مکہ ہی سے بوجھل اور بد دل تھا۔ بار بار مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی جنگ کا انجام سوچتا تھا اور رعب و ہیبت سے لرز اٹھتا تھا۔ مَرّ الظّہران پہنچ کر اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ واپسی کے بہانے سوچنے لگا۔ بالآخر اپنے ساتھیوں سے کہا: "قریش کے لوگو! جنگ اس وقت موزوں ہوتی ہے جب شادابی اور ہریالی ہو کہ جانور بھی چر سکیں اور تم بھی دودھ پی سکو۔ اس وقت خشک سالی ہے، لہذا میں واپس جا رہا ہوں، تم بھی واپس چلے چلو۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارے ہی لشکر کے اعصاب پر خوف و ہیبت سوار تھی کیونکہ ابوسفیان کے اس مشورہ پر کسی قسم کی مخالفت کے بغیر سب نے واپسی کی راہ لی اور کسی نے بھی سفر جاری رکھنے اور مسلمانوں سے جنگ لڑنے کی رائے نہ دی۔

ادھر مسلمانوں نے بدر میں آٹھ روز تک ٹھہر کر دشمن کا انتظار کیا اور اس دوران اپنا سامانِ تجارت بیچ کر ایک درہم کے دو درہم بناتے رہے۔ اس کے بعد اس شان سے مدینہ واپس آئے کہ جنگ میں پیش قدمی ان کے ہاتھ آچکی تھی، دلوں پر ان کی دھاک بیٹھ چکی تھی اور ماحول پر ان کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔ یہ غزوہ بدر موعد، بدر ثانیہ، بدر آخرہ اور بدر صغریٰ کے ناموں سے معروف ہے[11]

غزوۂ دُومۃ الجندل

رسُول اللہ ﷺ بدر سے واپس ہوئے تو ہر طرف امن و امان قائم ہو چکا تھا اور پُوری اسلامی قلمرو میں اطمینان کی باد بہاری چل رہی تھی۔ اب آپؐ عرب کی آخری حدود تک توجہ فرمانے کے لیے فارغ ہو چکے تھے اور اس کی ضرورت بھی تھی تاکہ حالات پر مسلمانوں کا غلبہ اور کنٹرول رہے اور دوست و دشمن سبھی اس کو محسوس اور تسلیم کریں۔

چنانچہ بدر صغریٰ کے بعد چھ ماہ تک آپؐ نے اطمینان سے مدینے میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ کو اطلاعات ملیں کہ شام کے قریب دُومۃ الجندل کے گرد آباد قبائل آنے جانے والے قافلوں پر ڈاکے ڈال رہے ہیں اور وہاں سے گذرنے والی اشیاء لوٹ لیتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے مدینے پر حملہ کرنے کے لیے ایک بڑی جمعیّت فراہم کر لی ہے۔ ان اطلاعات کے پیش نظر رسُول اللہ

---

[11] اس غزوے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام ۲/۲۰۹، ۲۱۰ زاد المعاد ۲/۱۱۲

ﷺ نے سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اپنا جانشین مقرر فرما کر ایک ہزار مسلمانوں کی نفری کے ساتھ کوچ فرمایا۔ یہ ۲۵ ربیع الاوّل ۵ھ کا واقعہ ہے۔ راستہ بتانے کے لیے بنو عذرہ کا ایک آدمی رکھ لیا گیا تھا جسکا نام مذکور تھا۔

اس غزوے میں آپؐ کا معمول تھا کہ آپؐ رات میں سفر فرماتے اور دن میں چھپے رہتے تھے تاکہ دشمن پہ بالکل اچانک اور بے خبری میں ٹوٹ پڑیں۔ قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ باہر نکل گئے ہیں؛ لہٰذا ان کے مویشیوں اور چرواہوں پہ ہلّہ بول دیا کچھ ہاتھ آئے کچھ نکل بھاگے۔

جہاں تک دُومۃ الجندل کے باشندوں کا تعلق ہے تو جس کا جدھر سینگ سمایا بھاگ نکلا جب مسلمان دُومَۃ کے میدان میں اترے تو کوئی نہ ملا۔ آپ نے چند دن قیام فرما کر ادھر اُدھر متعدد دستے روانہ کئے لیکن کوئی بھی ہاتھ نہ آیا۔ بالآخر آپ مدینہ پلٹ آئے اس غزوے میں عُیَیْنَہ بن حصنؓ سے مصالحت بھی ہُوئی۔

دُومَہ ـــــ دال کو پیش ـــــ یہ سرحد شام میں ایک شہر ہے۔ یہاں سے دمشق کا فاصلہ پانچ رات اور مدینے کا پندرہ رات ہے۔

ان اچانک اور فیصلہ کن اقدامات اور حکیمانہ حزم و تدبر پر مبنی منصوبوں کے ذریعے نبی ﷺ نے قلمرو اسلام میں امن و امان بحال کرنے اور صورت حال پہ قابو پانے میں کامیابی حاصل کی اور وقت کی رفتار کا رُخ مسلمانوں کے حق میں موڑ لیا اور ان اندرونی اور بیرونی مشکلاتِ پیہم کی شدت کم کی جو ہر جانب سے انہیں گھیرے ہُوئے تھیں۔ چنانچہ منافقین خاموش اور مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔ یہود کا ایک قبیلہ جلا وطن کر دیا گیا۔ دوسرے قبائل نے حق ہمسائیگی اور عہد و پیمان کے ایفاء کا مظاہرہ کیا۔ بدو اور اعراب ڈھیلے پڑ گئے اور قریش نے مسلمانوں کے ساتھ ٹکرانے سے گریز کیا اور مسلمانوں کو اسلام پھیلانے اور رب العالمین کے پیغام کی تبلیغ کرنے کے مواقع میسر آئے۔

○

ﷺ قبیلہ فزارہ کے سردار

غزوۂ احزاب (جنگِ خندق)

ایک سال سے زیادہ عرصے کی پیہم فوجی مہمات اور کارروائیوں کے بعد جزیرۃ العرب پر سکون چھا گیا تھا اور ہر طرف امن وامان اور آشتی وسلامتی کا دور دورہ ہو گیا تھا، مگر یہود کو جو اپنی خباثتوں، سازشوں اور دسیسہ کاریوں کے نتیجے میں طرح طرح کی ذلت و رسوائی کا مزہ چکھ چکے تھے، اب بھی ہوش نہیں آیا تھا۔ انہوں نے غدر وخیانت اور مکر و سازش کے مکروہ نتائج سے کوئی سبق نہیں سیکھا تھا۔ چنانچہ خیبر منتقل ہونے کے بعد پہلے تو انہوں نے یہ انتظار کیا کہ دیکھیں مسلمانوں اور بُت پرستوں کے درمیان جو فوجی کشاکش چل رہی ہے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے لیکن جب دیکھا کہ حالات مسلمانوں کے لیے سازگار ہو گئے ہیں، گردشِ لیل ونہار نے انکے اثر ونفوذ کو مزید وسعت دے دی ہے، اور دُور دُور تک ان کی حکمرانی کا سکہ بیٹھ گیا ہے تو انہیں سخت جلن ہوئی۔ انہوں نے نئے سرے سے سازش شروع کی اور مسلمانوں پر ایک ایسی آخری کاری ضرب لگانے کی تیاری میں مصروف ہو گئے جس کے نتیجے میں ان کا چراغِ حیات ہی گل ہو جائے۔ لیکن چونکہ انہیں براہ راست مسلمانوں سے ٹکرانے کی جرأت نہ تھی اس لیے اس مقصد کی خاطر ایک نہایت خوفناک پلان تیار کیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بنو نضیر کے بیس سردار اور رہنما مکے میں قریش کے پاس حاضر ہوئے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف آمادۂ جنگ کرتے ہوئے اپنی مدد کا یقین دلایا۔ قریش نے ان کی بات مان لی۔ چونکہ وہ احد کے روز میدانِ بدر میں مسلمانوں سے صف آرائی کا عہد وپیمان کر کے اس کی خلاف ورزی کر چکے تھے اس لیے ان کا خیال تھا کہ اب اس مجوزہ جنگی اقدام کے ذریعے وہ اپنی شہرت بھی بحال کر لیں گے اور اپنی کہی ہوئی بات بھی پوری کر دیں گے۔

اس کے بعد یہود کا یہ وفد بنو غطفان کے پاس گیا اور قریش ہی کی طرح انہیں بھی آمادۂ جنگ کیا۔ وہ بھی تیار ہو گئے۔ پھر اس وفد نے بقیہ قبائل عرب میں گھوم گھوم کر لوگوں کو جنگ کی ترغیب دی اور ان قبائل کے بھی بہت سے افراد تیار ہو گئے۔ غرض اس طرح یہودی سیاست کاروں

نے پوری کامیابی کے ساتھ کفر کے تمام بڑے بڑے گروہوں اور جتھوں کو نبی ﷺ اور آپ کی دعوت اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر جنگ کے لیے تیار کر لیا۔

اس کے بعد طے شدہ پروگرام کے مطابق جنوب سے قریش، کنانہ، اور تہامہ میں آباد دوسرے حلیف قبائل نے مدینے کی جانب کوچ کیا ان سب کا سپہ سالارِ اعلیٰ ابوسفیان تھا اور ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ یہ لشکر مَرّ الظہران پہنچا تو بنو سُلَیم بھی اس میں آشامل ہوئے۔ ادھر اسی وقت مشرق کی طرف سے غطفانی قبائل فزارہ، مرہ اور اشجع نے کوچ کیا۔ فزارہ کا سپہ سالار عُیَیْنَہ بن حصن تھا۔ بنو مرہ کا حارث بن عوف اور بنو اشجع کا مسعر بن رخیلہ۔ انہیں کے ضمن میں بنو اسد اور دیگر قبائل کے بہت سے افراد بھی آئے تھے۔

ان سارے قبائل نے ایک مقررہ وقت اور مقررہ پروگرام کے مطابق مدینے کا رخ کیا تھا اس لیے چند دن کے اندر اندر مدینے کے پاس دس ہزار سپاہ کا ایک زبردست لشکر جمع ہو گیا۔ یہ اتنا بڑا لشکر تھا کہ غالباً مدینے کی پوری آبادی (عورتوں بچوں بوڑھوں اور جوانوں کو ملا کر بھی) اس کے برابر نہ تھی۔ اگر حملہ آوروں کا یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر مدینے کی چہار دیواری تک اچانک پہنچ جاتا تو مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک ثابت ہوتا۔ کچھ عجب نہیں کہ ان کی جڑ کٹ جاتی اور ان کا مکمل صفایا ہو جاتا لیکن مدینے کی قیادت نہایت بیدار مغز اور چوکس قیادت تھی۔ اس کی انگلیاں ہمیشہ حالات کی نبض پر رہتی تھیں اور وہ حالات کا تجزیہ کر کے آنے والے واقعات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ بھی لگاتی تھی اور ان سے نمٹنے کے لیے مناسب ترین قدم بھی اٹھاتی تھی۔ چنانچہ کفار کا لشکرِ عظیم جوں ہی اپنی جگہ سے حرکت میں آیا مدینے کے مخبرین نے اپنی قیادت کو اس کی اطلاع فراہم کر دی۔

اطلاع پاتے ہی رسُول اللہ ﷺ نے ہائی کمان کی مجلسِ شُوریٰ منعقد کی اور دفاعی منصوبے پر صلاح مشورہ کیا —— اہلِ شُوریٰ نے غور و خوض کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ایک تجویز متفقہ طور پر منظور کی۔ یہ تجویز حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان لفظوں میں پیش کی تھی کہ اے اللہ کے رسُول! ﷺ فارس میں جب ہمارا محاصرہ کیا جاتا تھا تو ہم اپنے گرد خندق کھود لیتے تھے۔

یہ بڑی باحکمت دفاعی تجویز تھی۔ اہلِ عرب اس سے واقف نہ تھے۔ رسُول اللہ ﷺ

نے اس تجویز پر فوراً عمل درآمد شروع فرماتے ہوئے ہر دس آدمی کو چالیس ہاتھ خندق کھودنے کا کام سونپ دیا اور مسلمانوں نے پوری محنت اور دلجمعی سے خندق کھودنی شروع کر دی۔ رسُول اللہ ﷺ اس کام کی ترغیب بھی دیتے تھے اور عملاً اس میں پوری طرح شریک بھی رہتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خندق میں تھے۔ لوگ کھدائی کر رہے تھے اور ہم کندھوں پر مٹی ڈھو رہے تھے کہ (اسی اثنا میں) رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللّٰھم لاعیش الاّعیش الاٰخرۃ فاغفر للمھاجرین والانصار[1]

"اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔ پس مہاجرین اور انصار کو بخش دے۔"

ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ ﷺ خندق کی طرف تشریف لائے تو دیکھا کہ مہاجرین وانصار ایک ٹھنڈی صبح میں کھودنے کا کام کر رہے ہیں۔ ان کے پاس غلام نہ تھے کہ ان کے بجائے غلام یہ کام کر دیتے۔ آپؐ نے ان کی مشقت اور بھوک دیکھ کر فرمایا:

اللّٰھم ان العیش عیش الاٰخرۃ فاغفر للانصار والمھاجرۃ

"اے اللہ! یقیناً زندگی تو آخرت کی زندگی ہے پس انصار ومہاجرین کو بخش دے۔"

انصار ومہاجرین نے اس کے جواب میں کہا۔

نحن الذین بایعوا محمدا علی الجھاد ما بقینا اَبَدًا[2]

"ہم وہ ہیں کہ ہم نے ہمیشہ کے لیے جب تک کہ باقی رہیں محمد ﷺ سے جہاد پر بیعت کی ہے۔"

صحیح بخاری ہی میں ایک روایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسُول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ خندق سے مٹی ڈھو رہے تھے یہاں تک کہ غبار نے آپؐ کے شکم کی جلد ڈھانک دی تھی۔ آپؐ کے بال بہت زیادہ تھے۔ میں نے (اسی حالت میں) آپؐ کو عبداللہ بن رَوَاحَہؓ کے رجزیہ کلمات کہتے ہوئے سُنا۔ آپؐ مٹی ڈھوتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لولا انتَ مَا اھْتَدَیْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

---

[1] صحیح بخاری باب غزوۃ الخندق ۲/۵۸۸۔ [2] صحیح بخاری ۱/۳۹۷، ۲/۵۸۸۔

فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا
اِنَّ الاُولٰى رَغِبُوْا عَلَيْنَا وَاِنْ اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

"اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے۔ پس ہم پر سکینت نازل فرما۔ اور اگر ٹکراؤ ہو جائے تو ہمارے قدم ثابت رکھ۔ انہوں نے ہمارے خلاف لوگوں کو بھڑکایا ہے۔ اگر انہوں نے کوئی فتنہ چاہا تو ہم ہرگز سر نہیں جھکائیں گے۔"

حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ آخری الفاظ کھینچ کر کہتے تھے۔ ایک روایت میں آخری شعر اس طرح ہے۔

اِنَّ الاُولٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا وَاِنْ اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا[3]

"یعنی انہوں نے ہم پر ظلم کیا ہے۔ اور اگر وہ ہمیں فتنے میں ڈالنا چاہیں گے تو ہم ہرگز سرنگوں نہ ہونگے"

مسلمان ایک طرف اس گرمجوشی کے ساتھ کام کر رہے تھے تو دوسری طرف اتنی شدّت کی بھوک برداشت کر رہے تھے کہ اس کے تصور سے کلیجہ شق ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ (اہلِ خندق) کے پاس دو مٹھی جَو لایا جاتا تھا اور بُو دیتی ہوئی چکنائی کے ساتھ بنا کر لوگوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا۔ لوگ بھوکے ہوتے تھے اور اس کا ذائقہ حلق کے لیے ناخوشگوار ہوتا تھا۔ اس سے بدبو اُٹھ رہی ہوتی تھی۔[4]

ابوطلحہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کا شکوہ کیا اور اپنے شکم کھول کر ایک ایک پتھر دکھلایا تو رسول ﷺ نے اپنا شکم کھول کر دو پتھر دکھلائے۔[5]

خندق کی کھدائی کے دوران نبوت کی کئی نشانیاں بھی جلوہ فگن ہوئیں۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے اندر سخت بھوک کے آثار دیکھے تو بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور ان کی بیوی نے ایک صاع (تقریباً ڈھائی کیلو) جَو پیسا، پھر رسول اللہ ﷺ سے رازداری کے ساتھ گذارش کی کہ اپنے چند رفقاء کے ہمراہ تشریف لائیں۔ لیکن نبی ﷺ تمام اہلِ خندق کو جن کی تعداد ایک ہزار تھی، ہمراہ لے کر چل پڑے۔ اور سب لوگوں نے اسی ذرا جتنے کھانے سے شکم سیر ہو کر کھایا۔ پھر بھی گوشت کی ہانڈی اپنی حالت پر برقرار رہی اور بھری کی بھری جوش مارتی رہی اور گوندھا ہوا آٹا اپنی حالت پر برقرار رہا۔ اس سے

---

[3] صحیح بخاری ۲/۵۸۹ [4] ایضاً ۲/۵۸۸ [5] جامع ترمذی، مشکوٰۃ المصابیح ۲/۴۴۸

روٹی پکائی جاتی رہی [۶]

حضرت نعمانؓ بن بشیر کی بہن خندق کے پاس دو مٹھی کھجور لے کر آئیں کہ ان کے بھائی اور ماموں کھالیں گے لیکن رسُول اللہ ﷺ کے پاس سے گذریں تو آپؐ نے ان سے وہ کھجوریں لے لیں اور ایک کپڑے کے اوپر بکھیر دیں۔ پھر اہلِ خندق کو دعوت دی۔ اہلِ خندق انہیں کھاتے گئے اور وہ بڑھتی گئیں۔ یہاں تک کہ سارے اہلِ خندق کھا کھا کر چلے گئے اور کھجوریں تھیں کہ کپڑے کے کناروں سے باہر گر رہی تھیں [۷]

انہی ایام میں ان دونوں واقعات سے کہیں بڑھ کر ایک اور واقعہ پیش آیا جسے امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر کا بیان ہے کہ ہم لوگ خندق کھود رہے تھے کہ ایک چٹان نما ٹکڑا آڑے آگیا۔ لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یہ چٹان نما ٹکڑا خندق میں حائل ہوگیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "میں اتر رہا ہوں۔ اس کے بعد آپؐ اُٹھے آپؐ کے شکم پر پتھر بندھا ہوا تھا ـــــ ہم نے تین روز سے کچھ چکھا نہ تھا ـــــ پھر نبی ﷺ نے کدال لے کر مارا تو وہ چٹان نما ٹکڑا بُھربُھرے تودے میں تبدیل ہوگیا [۸]

حضرت براء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگِ خندق کے موقع پر کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان آپڑی جس سے کدال اچٹ جاتی تھی کچھ ٹوٹتا ہی نہ تھا۔ ہم نے رسُول اللہ ﷺ سے اسکا شکوہ کیا۔ آپؐ تشریف لائے، کدال لی اور بسم اللہ کہہ کر ایک ضرب لگائی (تو ایک ٹکڑا ٹوٹ گیا) اور فرمایا: "اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! میں اس وقت وہاں کے سُرخ محلوں کو دیکھ رہا ہوں"۔ پھر دوسری ضرب لگائی تو ایک دوسرا ٹکڑا کٹ گیا، اور فرمایا: "اللہ اکبر! مجھے فارس دیا گیا ہے۔ واللہ! میں اس وقت مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں"۔ پھر تیسری ضرب لگائی اور فرمایا: "بسم اللہ"۔ تو باقی ماندہ چٹان بھی کٹ گئی۔ پھر فرمایا: "اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! میں اس وقت اپنی اس جگہ سے صنعاء کے پھاٹک دیکھ رہا ہوں" [۹]

ابنِ اسحاق نے ایسی ہی روایت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ذکر کی ہے [۱۰]

---

[۶] یہ واقعہ صحیح بخاری میں مروی ہے دیکھئے ۲/۵۸۸، ۵۸۹

[۷] ابنِ ہشام ۲/۲۱۸ [۸] صحیح بخاری ۲/۵۸۸

[۹] سنن نسائی ۲/۵۶، مسند احمد، یہ الفاظ نسائی کے نہیں ہیں۔ اور نسائی میں عن رجل من الصحابہ ہے۔

[۱۰] ابنِ ہشام ۲/۲۱۹

چونکہ مدینہ شمال کے علاوہ باقی اطراف سے حرّے (لاوے کی چٹانوں) پہاڑوں اور کھجور کے باغات سے گھرا ہوا ہے اور نبی ﷺ ایک ماہر اور تجربہ کار فوجی کی حیثیت سے یہ جانتے تھے کہ مدینے پر اتنے بڑے لشکر کی یورش صرف شمال ہی کی جہت سے ہو سکتی ہے اس لیے آپؐ نے صرف اسی جانب خندق کھدوائی۔

مسلمانوں نے خندق کھودنے کا کام مسلسل جاری رکھا۔ دن بھر کھدائی کرتے اور شام کو گھر پلٹ آتے یہاں تک کہ مدینے کی دیواروں تک کفار کے لشکر جرار کے پہنچنے سے پہلے مقررہ پروگرام کے مطابق خندق تیار ہو گئی[11]

ادھر قریش اپنا چار ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پہنچے تو رومہ، جرف اور زغابہ کے درمیان مجمع الاسیال میں خیمہ زن ہوئے؛ اور دوسری طرف سے غطفان اور ان کے نجدی ہمسفر چھ ہزار کی نفری لے کر آئے تو احد کے مشرقی کنارے ذنب نقمی میں خیمہ زن ہوئے۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں مذکور ہے:

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ○ (۳۳:۲۲)

"اور جب اہل ایمان نے ان جتھوں کو دیکھا تو کہا یہ تو وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ ہی فرمایا تھا۔ اور اس (حالت) نے ان کے ایمان اور جذبۂ اطاعت کو اور بڑھا دیا۔"

لیکن منافقین اور کمزور نفس لوگوں کی نظر اس لشکر پر پڑی تو ان کے دل دہل گئے:۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ○ (۳۳:۱۲)

"اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ محض فریب تھا۔"

بہر حال اس لشکر سے مقابلے کے لیے رسول اللہ ﷺ بھی تین ہزار مسلمانوں کی نفری لے کر تشریف لائے اور کوہ سلع کی طرف پشت کر کے قلعہ بندی کی شکل اختیار کر لی۔ سامنے خندق تھی جو مسلمانوں اور کفار کے درمیان حائل تھی۔ مسلمانوں کا شعار (کوڈ لفظ) تھا حٰمٓ لَا یُنْصَرُوْنَ۔ (حٰمٓ ان

---

[11] ابن ہشام ۳/ ۲۲۰، ۲۲۱

کی مدد نہ کی جائے۔) مدینے کا انتظام حضرت ابنؓ اُمِّ مکتوم کے حوالے کیا گیا تھا اور عورتوں اور بچوں کو مدینے کے قلعوں اور گڑھیوں میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔

جب مشرکین حملے کی نیت سے مدینے کی طرف بڑھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چوڑی سی خندق ان کے اور مدینے کے درمیان حائل ہے۔ مجبوراً انہیں محاصرہ کرنا پڑا، حالانکہ وہ گھروں سے چلتے وقت اس کیلئے تیار ہو کر نہیں آئے تھے۔ کیونکہ دفاع کا یہ منصوبہ — خود ان کے بقول — ایک ایسی چال تھی جس سے عرب واقف ہی نہ تھے۔ لہٰذا انہوں نے اس معاملے کو سرے سے اپنے حساب میں داخل ہی نہ کیا تھا۔

مشرکین خندق کے پاس پہنچ کر غیظ و غضب سے چکر کاٹنے لگے۔ انہیں ایسے کمزور نقطے کی تلاش تھی جہاں سے وہ اتر سکیں۔ ادھر مسلمان ان کی گردش پر پوری پوری نظر رکھے ہوئے تھے اور ان پر تیر برساتے رہتے تھے تاکہ انہیں خندق کے قریب آنے کی جرأت نہ ہو۔ وہ اس میں نہ کود سکیں اور نہ مٹی ڈال کر عبور کرنے کے لیے راستہ بنا سکیں۔

ادھر قریش کے شہسواروں کو گوارا نہ تھا کہ خندق کے پاس محاصرے کے نتائج کے انتظار میں بے فائدہ پڑے رہیں۔ یہ ان کی عادت اور شان کے خلاف بات تھی۔ چنانچہ ان کی ایک جماعت نے جن میں عمرو بن عبدِ وُدّ، عکرمہ بن ابی جہل اور ضرار بن خطاب وغیرہ تھے ایک تنگ مقام سے خندق پار کر لی اور ان کے گھوڑے خندق اور سلع کے درمیان میں چکر کاٹنے لگے۔ ادھر سے حضرت علیؓ چند مسلمانوں کے ہمراہ نکلے اور جس مقام سے انہوں نے گھوڑے کدائے تھے اسے قبضے میں لیکر ان کی واپسی کا راستہ بند کر دیا۔ اس پر عمرو بن عبدِ وُدّ نے مبارزت کے لیے للکارا۔ حضرت علیؓ دو دو ہاتھ کرنے کے لیے مقابلہ میں آ گئے۔ اور ایک ایسا فقرہ چست کیا کہ وہ طیش میں آ کر گھوڑے سے کود پڑا۔ اس کی کوچیں کاٹیں، اس کے چہرے کو مارا اور حضرت علیؓ کے دو بدو آ گیا۔ بڑا بہادر اور شہ زور تھا۔ دونوں میں پُر زور ٹکر ہوئی ہر ایک نے دوسرے پر بڑھ بڑھ کر وار کیے۔ بالآخر حضرت علیؓ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ باقی مشرکین بھاگ کر خندق پار چلے گئے۔ وہ اس قدر مرعوب تھے کہ عکرمہ نے بھاگتے ہوئے اپنا نیزہ بھی چھوڑ دیا۔

مشرکین نے کسی کسی دن خندق پار کرنے یا اسے پاٹ کر راستہ بنانے کی بڑی زبردست کوشش کی لیکن مسلمانوں نے بڑی عمدگی سے انہیں دور رکھا اور انہیں اس طرح تیروں سے چھلنی کیا اور ایسی پامردی سے اُن کی تیر اندازی کا مقابلہ کیا کہ ان کی ہر کوشش ناکام ہو گئی۔

اسی طرح کے پُر زور مقابلوں کے دوران رسُول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی بعض نمازیں بھی فوت ہو گئی تھیں۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خندق کے روز آئے اور کفار کو سخت سست کہتے ہُوئے کہنے لگے کہ یا رسُول اللہ! ﷺ آج میں بمشکل سُورج ڈوبتے ڈوبتے نماز پڑھ سکا۔ رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا اور میں نے تو واللہ ابھی نماز پڑھی ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد ہم لوگ نبی ﷺ کے ساتھ بُطحان میں اترے۔ آپؐ نے نماز کے لیے وضوء فرمایا اور ہم نے بھی وضو کیا۔ پھر آپؐ نے عصر کی نماز پڑھی۔ یہ سورج ڈوب چکنے کے بعد کی بات ہے۔ اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی[۱۲]

نبی ﷺ کو اس نماز کے فوت ہونے کا اس قدر ملال تھا کہ آپؐ نے مشرکین پر بد دعا فرمادی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے خندق کے روز فرمایا: "اللہ ان مشرکین کے لیے ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جس طرح انہوں نے ہم کو نماز وسُطیٰ (کی ادائیگی) سے مشغول رکھا یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا"[۱۳]

مسند احمد اور مسند شافعیؒ میں مروی ہے کہ مشرکین نے آپؐ کو ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کی ادائیگی سے مصروف رکھا چنانچہ آپؐ نے یہ ساری نمازیں یکجا پڑھیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ان روایتوں کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جنگِ خندق کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ پس کسی دن ایک صورت پیش آئی اور کسی دن دوسری[۱۴]

یہیں سے یہ بات بھی اخذ ہوتی ہے کہ مشرکین کی طرف سے خندق عبور کرنے کی کوشش اور مسلمانوں کی طرف سے پیہم دفاع کئی روز تک جاری رہا؛ مگر چونکہ دونوں فوجوں کے درمیان خندق حائل تھی اس لیے دست بدست اور خونریز جنگ کی نوبت نہ آسکی۔ بلکہ صرف تیر اندازی ہوتی رہی۔

اسی تیر اندازی میں فریقین کے چند افراد مارے بھی گئے... لیکن انہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے یعنی چھ مسلمان اور دس مشرک جن میں سے ایک یا دو آدمی تلوار سے قتل کیے گئے تھے۔

اسی تیر اندازی کے دوران حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بھی ایک تیر لگا جس سے انکے بازو کی بڑی رگ کٹ گئی۔ انہیں حبان بن عرقہ نامی ایک قریشی مشرک کا تیر لگا تھا۔ حضرت

---

[۱۲] صحیح بخاری ۲/۵۹۰ [۱۳] ایضاً

[۱۴] مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ ص ۲۸۷ شرح مسلم للنووی ۱/۲۲۷

سعد نے (زخمی ہونے کے بعد) دعا کی کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ جس قوم نے تیرے رسُول کی تکذیب کی اور انہیں نکال باہر کیا ان سے تیری راہ میں جہاد کرنا مجھے جس قدر محبوب ہے اتنا کسی اور قوم سے نہیں ہے۔ اے اللہ! میں سمجھتا ہوں کہ اب تو نے ہماری اور انکی جنگ کو آخری مرحلے تک پہنچا دیا ہے۔ پس اگر قریش کی جنگ کچھ باقی رہ گئی ہو تو مجھے ان کے لیے باقی رکھ کہ میں ان سے تیری راہ میں جہاد کروں اور اگر تو نے لڑائی ختم کر دی ہے تو اسی زخم کو جاری کر کے اسے میری موت کا سبب بنا دے[۱۵] ان کی اس دعا کا آخری ٹکڑا یہ تھا کہ (لیکن) مجھے موت نہ دے یہاں تک کہ بنو قریظہ کے معاملے میں میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو جائے[۱۶] بہر کیف ایک طرف مسلمان محاذ جنگ پر ان مشکلات سے دوچار تھے تو دوسری طرف سازش اور دسیسہ کاری کے سانپ اپنے بلوں میں حرکت کر رہے تھے اور اس کوشش میں تھے کہ مسلمانوں کے جسم میں اپنا زہر اتار دیں۔ چنانچہ بنو نضیر کا مجرم اکبر حُیَیّ بن اخطب۔ بنو قُرَیظَہ کے دیار میں آیا اور ان کے سردار کعب بن اسد قرظی کے پاس حاضر ہوا۔ یہ کعب بن اسد وہی شخص ہے جو بنو قریظہ کی طرف سے عہد و پیمان کرنے کا مجاز و مختار تھا اور جس نے رسول اللہ ﷺ سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ جنگ کے مواقع پر آپ کی مدد کرے گا۔ (جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے۔) حُیَیّ نے آکر اس کے دروازے پر دستک دی تو اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا؛ مگر حُیَیّ اس سے ایسی ایسی باتیں کرتا رہا کہ آخر کار اس نے دروازہ کھول ہی دیا۔ حیی نے کہا: "اے کعب! میں تمہارے پاس ہمیشہ کی عزت اور (فوجوں کا) بحرِ بے کراں لے کر آیا ہوں میں نے قریش کو اس کے سرداروں اور قائدین سمیت لاکر رومہ کے مجمع الاسیال میں اتار دیا ہے اور بنو غطفان کو ان کے قائدین اور سرداروں سمیت اُحد کے پاس ذنب نقمی میں خیمہ زن کر دیا ہے۔ ان لوگوں نے مجھ سے عہد و پیمان کیا ہے کہ وہ محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کا مکمل صفایا کیے بغیر یہاں سے نہ ٹلیں گے۔"

کعب نے کہا: "خدا کی قسم تم میرے پاس ہمیشہ کی ذلت اور (فوجوں کا) برسا ہوا بادل لے کر آئے ہو جو صرف گرج چمک رہا ہے، مگر اس میں کچھ رہ نہیں گیا ہے۔ حیی! تجھ پر افسوس! مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔ میں نے محمدؐ میں صدق و وفا کے سوا کچھ نہیں دیکھا ہے۔"

مگر حُیَیّ اس کو فریب دہی سے اپنی بات منوانے کی کوشش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اسے رام کر ہی لیا۔

---

[۱۵] صحیح بخاری ۲/۵۹۱ [۱۶] ابن ہشام ۲/۲۲۷

البتہ اسے اس مقصد کیلئے یہ عہد و پیمان کرنا پڑا کہ اگر قریش نے محمد کو ختم کئے بغیر واپسی کی راہ لی تو میں بھی تمہارے ساتھ تمہارے قلعے میں داخل ہو جاؤں گا۔ پھر جو انجام تمہارا ہو گا وہی میرا بھی ہو گا۔ جیی کے اس پیمانِ وفا کے بعد کعب بن اسد نے رسُول اللہ ﷺ سے کیا ہوا عہد توڑ دیا اور مسلمانوں کے ساتھ طے کی ہُوئی ذمّے داریوں سے بری ہو کر ان کے خلاف مشرکین کی جانب سے جنگ میں شریک ہو گیا[۱۷]

اس کے بعد قُریظہ کے یہود عملی طور پر جنگی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت صَفیّہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فارع نامی قلعے کے اندر تھیں۔ حضرت حسّانؓ عورتوں اور بچوں کے ساتھ وہیں تھے۔ حضرت صَفیّہؓ کہتی ہیں کہ ہمارے پاس سے ایک یہودی گذرا اور قلعے کا چکر کاٹنے لگا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب بنو قُریظہ رسُول اللہ ﷺ سے کیا ہوا عہد و پیمان توڑ کر آپؐ سے برسرِ پیکار ہو چکے تھے اور ہمارے اور ان کے درمیان کوئی نہ تھا جو ہمارا دفاع کرتا۔ . . . رسول اللہ ﷺ مسلمانوں سمیت دشمن کے بالمقابل پھنسے ہُوئے تھے۔ اگر ہم پر کوئی حملہ آور ہو جاتا تو آپ انہیں چھوڑ کر آ نہیں سکتے تھے اس لیے میں نے کہا: "اے حسّانؓ! یہ یہودی ـــــ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، قلعے کا چکر لگا رہا ہے اور مجھے خدا کی قسم اندیشہ ہے کہ یہ باقی یہود کو بھی ہماری کمزوری سے آگاہ کر دے گا۔ ادھر رسُول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ اس طرح پھنسے ہُوئے ہیں کہ ہماری مدد کو نہیں آ سکتے لہٰذا آپ جائیے اور اسے قتل کر دیجئے۔" حضرت حسّانؓ نے کہا "واللہ آپ جانتی ہیں کہ میں اس کام کا آدمی نہیں۔ حضرت صَفیہؓ کہتی ہیں اب میں نے خود اپنی کمر باندھی پھر ستون کی ایک لکڑی لی۔ اور اس کے بعد قلعے سے اتر کر اس یہودی کے پاس پہنچی اور لکڑی سے مار مار کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد قلعے میں واپس آئی اور حسّانؓ سے کہا: "جائیے اس کے ہتھیار اور اسباب اتار لیجئے۔ چونکہ وہ مرد ہے اس لیے میں نے اُس کے ہتھیار نہیں اتارے حسّانؓ نے کہا، مجھے اس کے ہتھیار اور سامان کی کوئی ضرورت نہیں[۱۸]

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان بچوں اور عورتوں کی حفاظت پر رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی کے اس جانبازانہ کارنامے کا بڑا گہرا اور اچھا اثر پڑا۔ اس کارروائی سے غالباً یہود نے سمجھا کہ

---

[۱۷] ابن ہشام ۲/ ۲۲۰-۲۲۱ [۱۸] ابن ہشام ۲/ ۲۲۸

ان قلعوں اور گڑھیوں میں بھی مسلمانوں کا حفاظتی لشکر موجود ہے ـــــ حالانکہ وہاں کوئی لشکر نہ تھا ـــــ اسی لیے یہود کو دوبارہ اس قسم کی جرأت نہ ہوئی۔ البتہ وہ بُت پرست حملہ آوروں کے ساتھ اپنے اتحاد اور انضمام کا عملی ثبوت پیش کرنے کے لیے انہیں مسلسل رسد پہنچاتے رہے حتیٰ کہ مسلمانوں نے ان کی رسد کے بیس اونٹوں پر قبضہ بھی کر لیا۔

بہرحال یہود کی عہد شکنی کی خبر رسُول اللہ ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپؐ نے فوراً اس کی تحقیق کی طرف توجہ فرمائی تاکہ بنو قُریظہ کا موقف واضح ہو جائے اور اس کی روشنی میں فوجی نقطۂ نظر سے جو اقدام مناسب ہو اختیار کیا جائے۔ چنانچہ آپؐ نے اس خبر کی تحقیق کے لیے حضرت سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، عبداللہ بن رواحہ اور خوات بن جبیر رضی اللہ عنہم کو روانہ فرمایا اور ہدایت کی کہ جاؤ! دیکھو! بنی قریظہ کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ واقعی صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو واپس آکر صرف مجھے بتا دینا اور وہ بھی اشاروں اشاروں میں۔ تاکہ لوگوں کے حوصلے پست نہ ہوں۔ اور اگر وہ عہد و پیمان پر قائم ہیں تو پھر لوگوں کے درمیان علانیہ اس کا ذکر کر دینا۔ جب یہ لوگ بنو قریظہ کے قریب پہنچے تو انہیں انتہائی خباثت پر آمادہ پایا۔ انہوں نے اعلانیہ گالیاں بکیں، دشمنی کی باتیں کیں، اور رسُول اللہ ﷺ کی اہانت کی۔ کہنے لگے: "اللہ کا رسُول کون ...؟ ہمارے اور محمد کے درمیان کوئی عہد ہے نہ پیمان" یہ سُن کر وہ لوگ واپس آگئے اور رسُول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر صورت حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صرف اتنا کہا، عضل اور قارہ مقصود یہ تھا کہ جس طرح عضل اور قارہ نے اصحاب رجیع کے ساتھ بدعہدی کی تھی اسی طرح یہود بھی بدعہدی پر تُلے ہوئے ہیں۔

باوجودیکہ ان صحابہ کرام نے اخفائے حقیقت کی کوشش کی لیکن عام لوگوں کو صورتحال کا علم ہو گیا اور اس طرح ایک خوفناک خطرہ ان کے سامنے مجسّم ہو گیا۔

درحقیقت اس وقت مسلمان نہایت نازک صورت حال سے دوچار تھے۔ پیچھے بنو قُریظہ تھے جن کا حملہ روکنے کے لیے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی نہ تھا؛ آگے مشرکین کا لشکرِ جرّار تھا جنہیں چھوڑ کر ہٹنا ممکن نہ تھا۔ پھر مسلمان عورتیں اور بچے تھے جو کسی حفاظتی انتظام کے بغیر بدعہد یہودیوں کے قریب ہی تھے اس لیے لوگوں میں سخت اضطراب برپا ہوا جس کی کیفیت اس آیت میں بیان کی گئی ہے:

وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ○ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ○ (۳۳:۱۰/۱۱)

"اور جب نگاہیں کج ہوگئیں، دل حلق میں آگئے، اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت مومنوں کی آزمائش کی گئی اور انہیں شدّت سے جھنجھوڑ دیا گیا۔"

پھر اسی موقع پر بعض منافقین کے نفاق نے بھی سر نکالا؛ چنانچہ وہ کہنے لگے کہ محمدؐ تو ہم سے وعدے کرتے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانے پائیں گے اور یہاں یہ حالت ہے کہ پیشاب پاخانے کے لیے نکلنے میں بھی جان کی خیر نہیں۔ بعض اور منافقین نے اپنی قوم کے اشراف کے سامنے یہاں تک کہا کہ ہمارے گھر دشمن کے سامنے کھلے پڑے ہیں۔ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں کیونکہ ہمارے گھر شہر سے باہر ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ بنو سلمہ کے قدم اکھڑ رہے تھے اور وہ پسپائی کی سوچ رہے تھے۔ ان ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ○ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ○ (۳۳:۱۲/۱۳)

"اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہہ رہے تھے کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو وعدہ کیا ہے وہ فریب کے سوا کچھ نہیں۔ اور جب ان کی ایک جماعت نے کہا کہ اے اہلِ یثرب! تمہارے لیے ٹھہرنے کی گنجائش نہیں لہٰذا واپس چلو۔ اور ان کا ایک فریق نبی سے اجازت مانگ رہا تھا۔ کہتا تھا، ہمارے گھر خالی پڑے ہیں۔ حالانکہ وہ خالی نہیں پڑے تھے۔ یہ لوگ محض فرار چاہتے تھے۔"

ایک طرف لشکر کا یہ حال تھا۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کی یہ کیفیت تھی کہ آپؐ نے بنو قریظہ کی بدعہدی کی خبر سن کر اپنا سر اور چہرہ کپڑے سے ڈھک لیا اور دیر تک چت لیٹے رہے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر لوگوں کا اضطراب اور زیادہ بڑھ گیا؛ لیکن اس کے بعد آپؐ پر اُمید کی روح غالب آگئی اور آپؐ اللہ اکبر کہتے ہوئے کھڑے ہوئے اور فرمایا، مسلمانو! اللہ کی

مدد اور فتح کی خوشخبری سن لو! اس کے بعد آپ نے پیش آمدہ حالات سے نمٹنے کا پروگرام بنایا اور اسی پروگرام کے ایک جزو کے طور پر مدینے کی نگرانی کے لیے فوج میں سے کچھ محافظ بھیجتے رہے تاکہ مسلمانوں کو غافل دیکھ کر یہود کی طرف سے عورتوں اور بچوں پر اچانک کوئی حملہ نہ ہو جائے۔ لیکن اس موقع پر ایک فیصلہ کن اقدام کی ضرورت تھی جس کے ذریعے دشمن کے مختلف گروہوں کو ایک دوسرے سے بے تعلق کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے آپ نے سوچا کہ بنو غَطْفان کے دونوں سرداروں عُیَیْنَہ بن حصن اور حارث بن عوف سے مدینے کی ایک تہائی پیداوار پر مصالحت کر لیں تاکہ یہ دونوں سردار اپنے اپنے قبیلے لے کر واپس چلے جائیں اور مسلمان تنہا قریش پر جنکی طاقت کا بار بار اندازہ لگایا جا چکا تھا؛ ضرب کاری لگانے کے لیے فارغ ہو جائیں۔ اس تجویز پر کچھ گفت و شنید بھی ہوئی مگر جب آپؐ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سے اس تجویز کے بارے میں مشورہ کیا تو ان دونوں نے بیک زبان عرض کیا کہ یا رسُول اللہ ﷺ! اگر اللہ نے آپؐ کو اس کا حکم دیا ہے تب تو بلا چون و چرا تسلیم ہے اور اگر محض آپؐ ہماری خاطر ایسا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ جب ہم لوگ اور یہ لوگ دونوں شرک و بُت پرستی پر تھے تب تو یہ لوگ میزبانی یا خرید و فروخت کے سوا کسی اور صورت سے ایک دانے کی بھی طمع نہیں کر سکتے تھے تو بھلا اب جبکہ اللہ نے ہمیں ہدایتِ اسلام سے سرفراز فرمایا ہے اور آپؐ کے ذریعے عزت بخشی ہے، ہم انہیں اپنا مال دیں گے؟ واللہ ہم تو انہیں صرف اپنی تلوار دیں گے۔ آپؐ نے ان دونوں کی رائے کو درست قرار دیا اور فرمایا کہ جب میں نے دیکھا کہ سارا عرب ایک کمان کھینچ کر تم پر پل پڑا ہے تو محض تمہاری خاطر میں نے یہ کام کرنا چاہا تھا۔

پھر ـــــ الحمدللہ ـــــ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ دشمن ذلیل ہو گئے۔ ان کی جمعیت شکست کھا گئی اور ان کی قوت ٹوٹ گئی۔ ہوا یہ کہ بنو غطفان کے ایک صاحب جن کا نام نُعَیم بن مسعود بن عامر اشجعی تھا رسُول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسُول! ﷺ میں مسلمان ہو گیا ہوں لیکن میری قوم کو میرے اسلام لانے کا علم نہیں لہٰذا آپؐ مجھے کوئی حکم فرمایئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم فقط ایک آدمی ہو (لہٰذا کوئی فوجی اقدام تو نہیں کر سکتے) البتہ جس قدر ممکن ہو ان کی حوصلہ شکنی کرو کیوں جنگ تو حکمتِ عملی کا نام ہے۔ اس پر حضرت نُعَیم فوراً ہی بنو قُرَیْظَہ کے ہاں پہنچے۔ جاہلیت میں ان سے ان کا بڑا

میل جول تھا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے کہا' آپ لوگ جانتے ہیں کہ مجھے آپ لوگوں سے محبت اور خصوصی تعلق ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ نعیم نے کہا' اچھا تو سنئے کہ قریش کا معاملہ آپ لوگوں سے مختلف ہے۔ یہ علاقہ آپ کا اپنا علاقہ ہے۔ یہاں آپ کا گھر بار ہے، مال و دولت ہے، بال بچے ہیں۔ آپ اسے چھوڑ کر کہیں اور نہیں جا سکتے مگر جب قریش و غطفان محمدؐ سے جنگ کرنے آئے تو آپ نے محمدؐ کے خلاف ان کا ساتھ دیا۔ ظاہر ہے ان کا یہاں نہ گھر بار ہے نہ مال و دولت ہے نہ بال بچے ہیں اس لیے انہیں موقع ملا تو کوئی قدم اٹھائیں گے ورنہ بوریا بستر باندھ کر رخصت ہو جائیں گے۔ پھر آپ لوگ ہوں گے اور محمدؐ ہوں گے۔ لہٰذا وہ جیسے چاہیں گے آپ سے انتقام لیں گے' اس پر بنو قُرَیظَہ چونکے اور بولے نعیم! بتایئے اب کیا کیا جا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا' دیکھئے! قریش جب تک آپ لوگوں کو اپنے کچھ آدمی یرغمال کے طور پر نہ دیں، آپ ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہوں۔ قریظہ نے کہا' آپ نے بہت مناسب رائے دی ہے۔

اس کے بعد حضرت نعیمؓ سیدھے قریش کے پاس پہنچے اور بولے "آپ لوگوں سے مجھے جو محبت اور جذبہ خیر خواہی ہے اسے تو آپ جانتے ہی ہیں؟" انہوں نے کہا "جی ہاں"! حضرت نُعیمؓ نے کہا: "اچھا تو سنئے کہ یہود نے محمدؐ اور ان کے رفقاء سے جو عہد شکنی کی تھی اس پر وہ نادم ہیں اور اب ان میں یہ مراسلت ہوئی ہے کہ وہ (یہود) آپ لوگوں سے کچھ یرغمال حاصل کر کے ان (محمدؐ) کے حوالے کر دیں گے اور پھر آپ لوگوں کے خلاف محمدؐ سے اپنا معاملہ استوار کر لیں گے۔ لہٰذا اگر وہ یرغمال طلب کریں تو آپ ہرگز نہ دیں۔" اس کے بعد غطفان کے پاس بھی جا کر یہی بات دہرائی۔ (اور ان کے بھی کان کھڑے ہو گئے۔)

اس کے بعد جمعہ اور سنیچر کی درمیانی رات کو قریش نے یہود کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ ہمارا قیام کسی سازگار اور موزوں جگہ پر نہیں ہے۔ گھوڑے اور اونٹ مر رہے ہیں لہٰذا اِدھر سے آپ لوگ اور اُدھر سے ہم لوگ اٹھیں اور محمدؐ پر حملہ کر دیں۔ لیکن یہود نے جواب میں کہلایا کہ آج سنیچر کا دن ہے اور آپ جانتے ہیں کہ ہم سے پہلے جن لوگوں نے اس دن کے بارے میں حکم شریعت کی خلاف ورزی کی تھی انہیں کیسے عذاب سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ علاوہ ازیں آپ لوگ جب تک اپنے کچھ آدمی ہمیں بطورِ یرغمال نہ دے دیں ہم لڑائی میں شریک نہ ہوں گے۔ قاصد جب یہ جواب

لے کر واپس آئے تو قریش اور غطفان نے کہا، "واللہ نعیمؓ نے سچ ہی کہا تھا" چنانچہ انہوں نے یہود کو کہلا بھیجا کہ خدا کی قسم! ہم آپ کو کوئی آدمی نہ دیں گے، بس آپ لوگ ہمارے ساتھ ہی نکل پڑیں اور (دونوں طرف سے) محمدؐ پہ ہلہ بول دیا جائے۔ یہ سُن کر قریظہ نے باہم کہا "واللہ نعیمؓ نے ہم سے سچ ہی کہا تھا" اس طرح دونوں فریق کا اعتماد ایک دوسرے سے اُٹھ گیا۔ ان کی صفوں میں پھوٹ پڑ گئی اور ان کے حوصلے ٹوٹ گئے۔

اس دوران مسلمان اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر رہے تھے: اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا: "اے اللہ ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے مامون کر دے" اور رسُول اللہ ﷺ یہ دعا فرما رہے تھے:

اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اھْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ۔ [۱۹]

"اے اللہ! کتاب اتارنے والے اور جلد حساب لینے والے! ان لشکروں کو شکست دے۔ اے اللہ! انہیں شکست دے اور جھنجھوڑ کر رکھ دے"

بالآخر اللہ نے اپنے رسُول ﷺ اور مسلمانوں کی دعائیں سن لیں۔ چنانچہ مشرکین کی صفوں میں پھوٹ پڑ جانے اور بد دلی و پست ہمتی سرایت کر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر تند ہواؤں کا طوفان بھیج دیا جس نے ان کے خیمے اکھیڑ دیئے، ہانڈیاں الٹ دیں، طنابوں کی کھونٹیاں اکھاڑ دیں، کسی چیز کو قرار نہ رہا اور اس کے ساتھ ہی فرشتوں کا لشکر بھیج دیا جس نے انہیں ہلا ڈالا اور ان کے دلوں میں رُعب اور خوف ڈال دیا۔

اسی سَرد اور کڑکڑاتی ہوئی رات میں رسُول اللہ ﷺ نے حضرت حُذَیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو کفار کی خبر لانے کے لیے بھیجا۔ موصوف ان کے محاذ میں پہنچے تو وہاں ٹھیک یہی حالت بپا تھی اور مشرکین واپسی کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ حضرت حذیفہؓ نے خدمتِ نبویؐ میں واپس آکر ان کی روانگی کی اطلاع دی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی تو (دیکھا کہ میدان صاف ہے) اللہ نے دشمن کو کسی خیر کے حصول کا موقع دیئے بغیر اس کے غیظ و غضب سمیت واپس کر دیا ہے اور ان سے جنگ کے لیے رسولؐ کو کافی ہو گیا ہے۔ الغرض اس طرح اللہ

---

[۱۹] صحیح بخاری کتاب الجہاد ۱/۴۱۱ کتاب المغازی ۲/۵۹۰

نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے لشکر کو عزت بخشی، اپنے بندے کی مدد کی، اور اکیلے ہی سارے لشکروں کو شکست دی۔ چنانچہ اس کے بعد آپؐ مدینہ واپس آگئے۔

غزوۂ خندق صحیح ترین قول کے مطابق شوال ۵ھ میں پیش آیا تھا اور مشرکین نے ایک ماہ یا تقریباً ایک ماہ تک رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کا محاصرہ جاری رکھا تھا۔ تمام مآخذ پر مجموعی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محاصرے کا آغاز شوال میں ہوا تھا اور خاتمہ ذی قعدہ میں۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس روز خندق سے واپس ہوئے بدھ کا دن تھا۔ اور ذی قعدہ کے ختم ہونے میں صرف سات دن باقی تھے۔

جنگِ احزاب درحقیقت نقصانِ جان و مال کی جنگ نہ تھی بلکہ اعصاب کی جنگ تھی۔ اس میں کوئی خونریز معرکہ پیش نہیں آیا لیکن پھر بھی یہ اسلامی تاریخ کی ایک فیصلہ کن جنگ تھی۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے اور یہ واضح ہوگیا کہ عرب کی کوئی بھی قوت مسلمانوں کی اس چھوٹی سی طاقت کو جو مدینے میں نشو نما پا رہی ہے ختم نہیں کر سکتی۔ کیونکہ جنگِ احزاب میں جتنی بڑی طاقت فراہم ہوگئی تھی اس سے بڑی طاقت فراہم کرنا عربوں کے بس کی بات نہ تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے احزاب کی واپسی کے بعد فرمایا:

"اَلْاٰنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَا، نَحْنُ نَسِيْرُ اِلَيْهِمْ (صحیح بخاری ۲/۵۹۰)

"اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھائی نہ کریں گے اب ہمارا لشکر ان کی طرف جائے گا۔"

○

نقشۂ جنگِ خندق

غزوۂ بنو قریظہ

جس روز رسُول اللہ ﷺ خندق سے واپس تشریف لائے اسی روز ظہر کے وقت جبکہ آپ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں غسل فرما رہے تھے حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا: "کیا آپؐ نے ہتھیار رکھ دیئے حالانکہ ابھی فرشتوں نے ہتھیار نہیں رکھے اور میں بھی قریش کا تعاقب کر کے بس واپس چلا آرہا ہوں۔ اُٹھئے! اور اپنے رفقاء کو لے کر بنو قریظہ کا رُخ کیجئے۔ میں آگے آگے جا رہا ہوں۔ ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کروں گا اور ان کے دلوں میں رعب و دہشت ڈالوں گا۔" یہ کہہ کر حضرت جبریلؑ فرشتوں کے جلو میں روانہ ہو گئے۔

ادھر رسُول اللہ ﷺ نے ایک صحابی سے منادی کروائی کہ جو شخص سمع و طاعت پر قائم ہے وہ عصر کی نماز بنو قریظہ ہی میں پڑھے۔ اس کے بعد مدینے کا انتظام حضرت ابنِ اُمِّ مکتومؓ کو سونپا اور حضرت علیؓ کو جنگ کا پھریرا دے کر آگے روانہ فرما دیا۔ وہ بنو قریظہ کے قلعوں کے قریب پہنچے تو بنو قریظہ نے رسُول اللہ ﷺ پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

اتنے میں رسُول اللہ ﷺ بھی مہاجرین و انصار کے جلو میں روانہ ہو چکے تھے۔ آپؐ نے بنو قُریظہ کے دیار میں پہنچ کر "انا" نامی ایک کنوئیں پر نزول فرمایا۔ عام مسلمانوں نے بھی لڑائی کا اعلان سن کر فوراً دیارِ بنی قریظہ کا رُخ کیا۔ راستے میں عصر کی نماز کا وقت آگیا تو بعض نے کہا ہم ـــــ جیسا کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے ـــــ بنو قریظہ پہنچ کر ہی عصر کی نماز پڑھیں گے۔ حتیٰ کہ بعض نے عصر کی نماز عشاء کے بعد پڑھی۔ لیکن کچھ دوسرے صحابہؓ نے کہا آپؐ کا مقصود یہ نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ ہم جلد از جلد روانہ ہو جائیں۔ اس لیے انہوں نے راستے ہی میں نماز پڑھ لی البتہ (جب رسُول اللہ ﷺ کے سامنے یہ قضیہ پیش ہوا تو) آپؐ نے کسی بھی فریق کو سخت سُست نہیں کہا۔

بہر کیف مختلف ٹکڑیوں میں بٹ کر اسلامی لشکر دیارِ بنو قریظہ میں پہنچا اور نبی ﷺ کے ساتھ

جا شامل ہوا۔ پھر بنو قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ اس لشکر کی کل تعداد تین ہزار تھی اور اس میں تیس گھوڑے تھے۔

جب محاصرہ سخت ہو گیا تو یہود کے سردار کعب بن اسد نے یہود کے سامنے تین متبادل تجویزیں پیش کیں۔

۱۔ یا تو اسلام قبول کر لیں اور محمد ﷺ کے دین میں داخل ہو کر اپنی جان، مال اور بال بچوں کو محفوظ کر لیں ـــــ کعب بن اسد نے اس تجویز کو پیش کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ واللہ تم لوگوں پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ وہ واقعی نبی اور رسول ہیں اور وہ وہی ہیں جنہیں تم اپنی کتاب میں پاتے ہو۔

۲۔ یا اپنے بیوی بچوں کو خود اپنے ہاتھوں قتل کر دیں۔ پھر تلوار سونت کر نبی ﷺ کی طرف نکل پڑیں، اور پوری قوت سے ٹکرا جائیں۔ اس کے بعد یا تو فتح پائیں یا سب کے سب مارے جائیں۔

۳۔ یا پھر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام پر دھوکے سے سنیچر کے دن پل پڑیں، کیونکہ انہیں اطمینان ہو گا کہ آج لڑائی نہیں ہو گی۔

لیکن یہود نے ان تینوں میں سے کوئی بھی تجویز منظور نہ کی جس پر ان کے سردار کعب بن اسد نے جھلا کر کہا: "تم میں سے کسی نے ماں کی کوکھ سے جنم لینے کے بعد ایک رات بھی ہوشمندی کے ساتھ نہیں گذاری۔"

ان تینوں تجاویز کو رد کر دینے کے بعد بنو قریظہ کے سامنے صرف ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیں، اور اپنی قسمت کا فیصلہ آپؐ پر چھوڑ دیں لیکن انہوں نے چاہا کہ ہتھیار ڈالنے سے پہلے اپنے بعض مسلمان حلیفوں سے رابطہ قائم کر لیں ممکن ہے پتا لگ جائے کہ ہتھیار ڈالنے کا نتیجہ کیا ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپؐ ابو لُبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیں۔ ہم ان سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ ابو لُبابہ ان کے حلیف تھے اور ان کے باغات اور آل اولاد بھی اسی علاقے میں تھے۔ جب ابو لُبابہؓ وہاں پہنچے تو مرد حضرات انہیں دیکھ کر ان کی طرف دوڑ پڑے اور عورتیں اور بچے ان کے سامنے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر حضرت ابو لبابہ رضی اللہ عنہ پر رقت طاری ہو گئی۔ یہود نے کہا: "ابو لُبابہؓ! کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم محمد ﷺ کے فیصلے پر ہتھیار ڈال دیں؟"

انہوں نے فرمایا، ہاں! لیکن ساتھ ہی ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ بھی کر دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ ذبح کر دیئے جاؤ گے۔ لیکن انہیں فوراً احساس ہوا کہ یہ اللہ اور اس کے رسُول کے ساتھ خیانت ہے چنانچہ وہ رسُول اللہ ﷺ کے پاس واپس آنے کے بجائے سیدھے مسجد نبوی پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک کھمبے سے باندھ لیا اور قسم کھائی کہ اب انہیں رسُول اللہ ﷺ ہی اپنے دست مُبارک سے کھولیں گے اور وہ آئندہ بنو قریظہ کی سرزمین میں کبھی داخل نہ ہوں گے۔ ادھر رسُول اللہ ﷺ محسوس کر رہے تھے کہ ان کی واپسی میں دیر ہو رہی ہے۔ پھر جب تفصیلات کا علم ہُوا تو فرمایا اگر وہ میرے پاس آگئے ہوتے تو میں ان کے لیے بخشش کی دُعا کر دیتا۔ لیکن جب وہ وہی کام کر بیٹھے ہیں تو اب میں بھی انہیں ان کی جگہ سے کھول نہیں سکتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالے۔

ادھر ابولبابہؓ کے اشارے کے باوجود بنو قریظہ نے یہی طے کیا کہ رسُول اللہ ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور وہ جو فیصلہ مناسب سمجھیں کریں۔ حالانکہ بنو قریظہ ایک طویل عرصے تک محاصرہ برداشت کر سکتے تھے کیونکہ ایک طرف ان کے پاس وافر مقدار میں سامان خورد و نوش تھا، پانی کے چشمے اور کنوئیں تھے۔ مضبوط اور محفوظ قلعے تھے اور دوسری طرف مسلمان کھلے میدان میں خون منجمد کر دینے والے جاڑے اور بھوک کی سختیاں سہہ رہے تھے اور آغازِ جنگِ خندق کے بھی پہلے سے مسلسل جنگی مصروفیات کے سبب تکان سے چُور چُور تھے۔ لیکن جنگ بنی قریظہ درحقیقت ایک اعصابی جنگ تھی۔ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈالدیا تھا اور ان کے حوصلے ٹوٹتے جا رہے تھے۔ پھر حوصلوں کی یہ شکستگی اس وقت انتہا کو پہنچ گئی جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی فرمائی اور حضرت علیؓ نے گرج کر یہ اعلان کیا کہ ایمان کے فوجیو! خدا کی قسم اب میں بھی یا تو وہی چکھوں گا جو حمزہؓ نے چکھا یا ان کا قلعہ فتح کر کے رہوں گا۔

چنانچہ حضرت علیؓ کا یہ عزم سن کر بنو قریظہ نے جلدی سے اپنے آپ کو رسُول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا کہ آپ جو فیصلہ مناسب سمجھیں کریں۔ رسُول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مردوں کو باندھ دیا جائے۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے زیر نگرانی ان سب کے ہاتھ باندھ دیئے گئے اور عورتوں اور بچوں کو مردوں سے الگ کر دیا گیا۔ قبیلہ اوس کے لوگ رسُول اللہ ﷺ

سے عرض پرداز ہوئے کہ آپ نے بنو قینقاع کے ساتھ جو سلوک فرمایا تھا وہ آپ کو یاد ہی ہے بنو قینقاع ہمارے بھائی خزرج کے حلیف تھے اور یہ لوگ ہمارے حلیف ہیں لہذا ان پر احسان فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا آپ لوگ اس پر راضی نہیں کہ ان کے متعلق آپ ہی کا ایک ایک آدمی فیصلہ کرے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: تو یہ معاملہ سعدؓ بن معاذ کے حوالے ہے۔ اوس کے لوگوں نے کہا: ہم اس پر راضی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے حضرت سعدؓ بن معاذ کو بلا بھیجا۔ وہ مدینہ میں تھے۔ لشکر کے ہمراہ تشریف نہیں لائے تھے کیونکہ جنگِ خندق کے دوران بازو کی رگ کٹنے کے سبب زخمی تھے۔ انہیں ایک گدھے پر سوار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ جب قریب پہنچے تو ان کے قبیلے کے لوگوں نے انہیں دونوں جانب سے گھیر لیا اور کہنے لگے: سعدؓ! اپنے حلیفوں کے بارے میں اچھائی اور احسان سے کام لیجئے گا۔۔۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اسی لیے حَکَم بنایا ہے کہ آپ ان سے حسن سلوک کریں۔ مگر وہ چپ چاپ تھے کوئی جواب نہ دے رہے تھے۔ جب لوگوں نے گذارش کی بھرمار کر دی تو بولے اب وقت آگیا ہے کہ سعد کو اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی پروا نہ ہو۔ یہ سن کر بعض لوگ اسی وقت مدینہ آگئے اور قیدیوں کی موت کی خبر پھیلا دی۔

اس کے بعد جب حضرت سعدؓ نبی ﷺ کے پاس پہنچے تو آپؐ نے فرمایا' اپنے سردار کے استقبال کے لیے اُٹھ کر جاؤ!۔ لوگوں نے جب انہیں سواری سے اُتار لیا تو آپؐ نے فرمایا' اے سعد! یہ لوگ تمہارے فیصلے پر اترے ہیں۔ حضرت سعد نے کہا' کیا میرا فیصلہ ان پر نافذ ہوگا؟ لوگوں نے کہا' جی ہاں۔ انہوں نے کہا' مسلمانوں پر بھی؟ لوگوں نے کہا' جی ہاں! انہوں نے پھر کہا' اور جو یہاں ہیں ان پر بھی؟ ان کا اشارہ رسول اللہ ﷺ کی فرودگاہ کی طرف تھا؛ مگر اجلال و تعظیم کے سبب چہرہ دوسری طرف کر رکھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا' جی ہاں۔ مجھ پر بھی۔ حضرت سعد نے کہا: "تو ان کے متعلق میرا فیصلہ یہ ہے کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور اموال تقسیم کر دیئے جائیں"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

حضرت سعدؓ کا یہ فیصلہ انتہائی عدل و انصاف پر مبنی تھا کیونکہ بنو قریظہ نے مسلمانوں کی

موت وحیات کے نازک ترین لمحات میں جو خطرناک بدعہدی کی تھی وہ تو تھی ہی اس کے علاوہ انہوں نے مسلمانوں کے خاتمے کے لیے ڈیڑھ ہزار تلواریں، دو ہزار نیزے، تین سو زرہیں اور پانچ سو ڈھالیں مہیا کر رکھی تھیں۔ جن پر فتح کے بعد مسلمانوں نے قبضہ کیا۔

اس فیصلے کے بعد رسُول اللہ ﷺ کے حکم پہ بنو قریظہ کو مدینہ لاکر بنو نجار کی ایک عورت ـــــ جو حارثؓ کی صاحبزادی تھیں ـــــ کے گھر میں قید کر دیا گیا اور مدینہ کے بازار میں خندقیں کھودی گئیں۔ پھر انہیں ایک ایک جماعت کر کے لے جایا گیا اور ان خندقوں میں ان کی گردنیں ماردی گئیں۔ کارروائی شروع ہونے کے تھوڑی دیر بعد باقی ماندہ قیدیوں نے اپنے سردار کعب بن اسد سے دریافت کیا کہ آپ کا کیا اندازہ ہے؟ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے کہا: "کیا تم لوگ کسی بھی جگہ سمجھ بوجھ نہیں رکھتے؟ دیکھتے نہیں کہ پکارنے والا رُک نہیں رہا ہے اور جانے والا پلٹ نہیں رہا ہے' یہ خدا کی قسم قتل ہے۔" بہرکیف ان سب کی (جن کی تعداد چھ اور سات سو کے درمیان تھی) گردنیں ماردی گئیں۔

اس کارروائی کے ذریعے غدر وخیانت کے ان سانپوں کا مکمل طور پہ خاتمہ ہوگیا جنہوں نے پختہ عہد و پیمان توڑا تھا۔ مسلمانوں کے خاتمے کے لیے ان کی زندگی کے نہایت سنگین اور نازک ترین لمحات میں دشمن کو مدد دے کر جنگ کے اکابر مجرمین کا کردار ادا کیا تھا اور اب وہ واقعۃً مقدمے اور پھانسی کے مستحق ہو چکے تھے۔

بنو قریظہ کی اس تباہی کے ساتھ ہی بنو نضیر کا شیطان اور جنگِ احزاب کا ایک بڑا مجرم حُیَی بن اخطب بھی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔ یہ شخص اُمّ المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ تھا۔ قریش وغَطفان کی واپسی کے بعد جب بنو قریظہ کا محاصرہ کیا گیا اور انہوں نے قلعہ بندی اختیار کی تو یہ بھی ان کے ہمراہ قلعہ بند ہوگیا تھا کیونکہ غزوۂ اَحزاب کے ایام میں یہ شخص جب کعب بن اسد کو غدر وخیانت پہ آمادہ کرنے کے لیے آیا تھا تو اس کا وعدہ کر رکھا تھا اور اب اسی وعدے کو نباہ رہا تھا۔ اسے جس وقت خدمت نبویؐ میں لایا گیا تو ایک جوڑا زیب تن کئے ہوئے تھا جسے خود ہی ہر جانب سے ایک ایک انگل پھاڑ رکھا تھا تاکہ اسے مالِ غنیمت میں نہ رکھوالیا جائے۔ اس کے دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے رسّی سے یکجا بندھے ہُوئے تھے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا: "سُنیے! میں نے آپؐ کی عداوت پر اپنے آپ کو ملامت نہیں کی؛

لیکن جو اللہ سے لڑتا ہے مغلوب ہو جاتا ہے"۔ پھر لوگوں کو مخاطب کر کے کہا: "لوگو! اللہ کے فیصلے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ تو نوشتۂ تقدیر ہے اور ایک بڑا قتل ہے جو اللہ نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا تھا"۔ اس کے بعد وہ بیٹھا اور اس کی گردن مار دی گئی۔

اس واقعہ میں بنو قریظہ کی ایک عورت بھی قتل کی گئی۔ اس نے حضرت خَلّاد بن سُوَید رضی اللہ عنہ پر چکی کا پاٹ پھینک کر انہیں قتل کر دیا تھا، اسی کے بدلے اسے قتل کیا گیا۔

رسُول اللہ ﷺ کا حکم تھا کہ جس کے زیر ناف بال آچکے ہوں اسے قتل کر دیا جائے۔ چونکہ حضرت عطیہ قرظی کو ابھی بال نہیں آئے تھے لہٰذا انہیں زندہ چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو کر شرفِ صحابیت سے مشرف ہُوئے۔

حضرت ثابتؓ بن قیس نے گذارش کی کہ زبیر بن باطا اور اس کے اہل و عیال کو ان کے لیے ہبہ کر دیا جائے —— اس کی وجہ یہ تھی کہ زبیرؓ نے ثابت پر کچھ احسانات کئے تھے —— ان کی گذارش منظور کر لی گئی۔ اس کے بعد ثابتؓ بن قیس نے زبیر سے کہا کہ رسُول اللہ ﷺ نے تم کو اور تمہارے اہل و عیال کو میرے لیے ہبہ کر دیا ہے اور میں ان سب کو تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ (یعنی تم بال بچوں سمیت آزاد ہو۔) لیکن جب زبیر بن باطا کو معلوم ہوا کہ اس کی قوم قتل کر دی گئی ہے تو اس نے کہا: ثابت! تم پر میں نے جو احسان کیا تھا اس کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے بھی دوستوں تک پہنچا دو۔ چنانچہ اس کی بھی گردن مار کر اسے اس کے یہودی دوستوں تک پہنچا دیا گیا۔ البتہ حضرت ثابتؓ نے زبیر بن باطا کے لڑکے عبدالرحمٰنؓ کو زندہ رکھا چنانچہ وہ اسلام لا کر شرفِ صحابیت سے مشرف ہُوئے۔ اسی طرح بنو نجار کی ایک خاتون حضرت اُمّ المنذرؓ سلمٰی بنت قیس نے گذارش کی کہ سموأل قرظی کے لڑکے رفاعہ کو ان کے لیے ہبہ کر دیا جائے۔ ان کی بھی گذارش منظور ہُوئی اور رفاعہ کو ان کے حوالے کر دیا گیا۔ انہوں نے رفاعہ کو زندہ رکھا اور وہ بھی اسلام لا کر شرفِ صحبت سے مُشرف ہُوئے۔

چند اور افراد نے بھی اسی رات ہتھیار ڈالنے کی کارروائی سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا لہٰذا ان کی بھی جان و مال اور ذریت محفوظ رہی۔ اسی رات عَمْرو نامی ایک اور شخص —— جس نے بنو قریظہ کی بدعہدی میں شرکت نہ کی تھی —— باہر نکلا۔ اسے پہرہ داروں کے کمانڈر محمدؓ بن مسلمہ نے دیکھا لیکن پہچان کر چھوڑ دیا۔ پھر معلوم نہیں وہ کہاں گیا ——

بنو قریظہ کے اموال کو رسول اللہ ﷺ نے خمس نکال کر تقسیم فرما دیا۔ شہسوار کو تین حصے دیئے؛ ایک حصہ اس کا اپنا اور دو حصے گھوڑے کے اور پیدل کو ایک حصہ دیا۔ قیدیوں اور بچوں کو حضرت سعد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں نجد بھیج کر ان کے عوض گھوڑے اور ہتھیار خرید لیے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے بنو قریظہ کی عورتوں میں سے حضرت ریحانہ بنت عمرو بن خنافہ کو منتخب کیا۔ یہ ابن اسحاق کے بقول آپؐ کی وفات تک آپؐ کی ملکیت میں رہیں[1]؛ لیکن کلبی کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں ۶ھ میں آزاد کر کے شادی کر لی تھی۔ پھر جب آپؐ حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو ان کا انتقال ہو گیا اور آپؐ نے انہیں بقیع میں دفن فرما دیا[2]۔

جب بنو قریظہ کا کام تمام ہو چکا تو بندۂ صالح حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی اس دعا کی قبولیت کے ظہور کا وقت آ گیا جس کا ذکر غزوہ احزاب کے دوران آ چکا ہے؛ چنانچہ ان کا زخم پھوٹ گیا۔ اس وقت وہ مسجد نبوی میں تھے۔ نبی ﷺ نے ان کے لیے وہیں خیمہ لگوا دیا تھا تاکہ قریب ہی سے ان کی عیادت کر لیا کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ان کے سینے کا زخم پھوٹ کر بہا۔ مسجد میں بنو غفار کے بھی چند خیمے تھے۔ وہ یہ دیکھ کر چونکے کہ ان کی جانب خون بہ کر آ رہا ہے۔ انہوں نے کہا: "خیمے والو! یہ کیا ہے جو تمہاری طرف سے ہماری طرف آ رہا ہے؟" دیکھا تو حضرت سعد کے زخم سے خون کی دھار رواں تھی۔ پھر اسی سے ان کی موت واقع ہو گئی[3]۔

صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت سے رحمان کا عرش ہل گیا[4]۔ امام ترمذی نے حضرت انس سے ایک حدیث روایت کی ہے اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافقین نے کہا: ان کا جنازہ کس قدر ہلکا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسے فرشتے اٹھائے ہوئے تھے"[5]۔

بنو قریظہ کے محاصرے کے دوران صرف ایک ہی مسلمان شہید ہوئے جن کا نام خلادؓ بن سُوَید

---

[1] ابن ہشام ۲/۲۴۵ [2] تلقیح الفہوم ص ۱۲ [3] صحیح بخاری ۲/۵۹۱
[4] ایضاً ۱/۵۳۶ صحیح مسلم ۲/۲۹۴ جامع ترمذی ۲/۲۲۵ [5] جامع ترمذی ۲/۲۲۵

ہے۔ یہ وہی صحابی ہیں جن پر بنو قریظہ کی ایک عورت نے چکی کا پاٹ پھینک مارا تھا۔ ان کے علاوہ حضرت عکاشہؓ کے بھائی ابو سنانؓ بن محصن نے محاصرے کے دوران وفات پائی۔

جہاں تک حضرت ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو وہ چھ رات مسلسل ستون سے بندھے رہے۔ ان کی بیوی ہر نماز کے وقت آکر کھول دیتی تھیں اور وہ نماز سے فارغ ہو کر پھر اسی ستون میں بندھ جاتے تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر صبح دم ان کی توبہ نازل ہوئی۔ اس وقت آپ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف فرما تھے۔ حضرت ابو لبابہؓ کا بیان ہے کہ حضرت اُمّ سلمہؓ نے اپنے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر مجھ سے کہا، اے ابو لبابہؓ خوش ہو جاؤ! اللہ نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ یہ سُن کر صحابہ انہیں کھولنے کے لیے اچھل پڑے لیکن انہوں نے انکار کر دیا کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے بجائے کوئی اور نہ کھولے گا۔ چنانچہ جب نبی ﷺ نماز فجر کے لیے نکلے اور وہاں سے گذرے تو انہیں کھول دیا۔

یہ غزوہ ذی قعدہ میں پیش آیا، پچیس روز تک محاصرہ قائم رہا۔[۶] اللہ نے اس غزوہ اور غزوۂ خندق کے متعلق سورۂ احزاب میں بہت سی آیات نازل فرمائیں اور دونوں غزووں کی اہم جزئیات پر تبصرہ فرمایا، مومنین و منافقین کے حالات بیان فرمائے، دشمن کے مختلف گروہوں میں پھوٹ اور پست ہمتی کا ذکر فرمایا اور اہل کتاب کی بدعہدی کے نتائج پر روشنی ڈالی۔

○

---

[۶] ابنِ ہشام ۲/۲۳۷، ۲۳۸ غزوے کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ابنِ ہشام ۲/۲۳۳ تا ۲۴۷، صحیح بخاری ۲/۵۹۰، ۵۹۱، زاد المعاد ۲/۷۲، ۷۳، ۷۴، مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ ص ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰۔

غزوۂ احزاب و قریظہ کے بعد کی جنگی مہمات

۱۔ سلام بن ابی الحُقَیق کا قتل

سلام بن ابی الحُقَیق ـــ جس کی کُنیت ابو رافع تھی ـــ یہود کے ان اکابر مجرمین میں تھا، جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف مشرکین کو ورغلانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور مال اور رسد سے ان کی امداد کی تھی[1] اس کے علاوہ وہ رسُول اللہ ﷺ کو ایذا بھی پہنچاتا تھا؛ اس لیے جب مسلمان بنو قریظہ سے فارغ ہو چکے تو قبیلہ خزرج کے لوگوں نے رسُول اللہ ﷺ سے اس کے قتل کی اجازت چاہی چونکہ اس سے پہلے کعب بن اشرف کا قتل قبیلۂ اوس کے چند صحابہ کے ہاتھوں ہو چکا تھا اس لیے قبیلہ خزرج کی خواہش تھی کہ ایسا ہی کوئی کارنامہ ہم بھی انجام دیں؛ اس لیے انہوں نے اجازت مانگنے میں جلدی کی۔

رسُول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت تو دے دی لیکن تاکید فرمادی کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے۔ اس کے بعد ایک مختصر سا دستہ جو پانچ آدمیوں پر مشتمل تھا اس مہم پر روانہ ہُوا۔ یہ سب کے سب قبیلۂ خزرج کی شاخ بنو سلمہ سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے کمانڈر حضرت عبداللہؓ بن عتیک تھے۔

اس جماعت نے سیدھے خیبر کا رُخ کیا کیونکہ ابو رافع کا قلعہ وہیں تھا جب قریب پہنچے تو سُورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے ڈھور ڈنگر لے کر واپس ہو چکے تھے۔ عبداللہؓ بن عتیک نے کہا تم لوگ یہیں ٹھہرو، میں جاتا ہوں اور دروازے کے پہرے دار کے ساتھ کوئی لطیف حیلہ اختیار کرتا ہوں؛ ممکن ہے اندر داخل ہو جاؤں۔ اس کے بعد وہ تشریف لے گئے اور دروازے کے قریب جا کر سر پر کپڑا ڈال کر یوں بیٹھ گئے گویا قضائے حاجت کر رہے ہیں۔ پہرے دار نے زور سے پکار کر کہا: "او اللہ کے بندے! اگر اندر آنا ہے تو آجاؤ ورنہ میں دروازہ بند کر کے جا رہا ہوں۔"

---

[1] دیکھئے فتح الباری ۷/۳۴۳

عبدؓ اللہ بن عتیک کہتے ہیں کہ میں اندر گھس گیا اور چھپ گیا۔ جب سب لوگ اندر آ گئے تو پہرے دار نے دروازہ بند کر کے ایک کھونٹی پر چابیاں لٹکا دیں۔ (دیر بعد جب ہر طرف سکون ہو گیا تو) میں نے اٹھ کر چابیاں لیں اور دروازہ کھول دیا۔ ابو رافع بالا خانے میں رہتا تھا اور وہاں مجلس ہوا کرتی تھی۔ جب اہل مجلس چلے گئے تو میں اس کے بالا خانے کی طرف چڑھا۔ میں جو کوئی دروازہ بھی کھولتا تھا اسے اندر کی جانب سے بند کر لیتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر لوگوں کو میرا پتا لگ بھی گیا تو اپنے پاس ان کے پہنچنے سے پہلے پہلے ابو رافع کو قتل کر لوں گا۔ اس طرح میں اس کے پاس پہنچ تو گیا (لیکن) وہ اپنے بال بچوں کے درمیان ایک تاریک کمرے میں تھا اور مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ اس کمرے میں کس جگہ ہے اس لیے میں نے کہا 'ابو رافع!' اس نے کہا یہ کون ہے؟ میں نے جھٹ آواز کی طرف لپک کر اس پر تلوار کی ایک ضرب لگائی لیکن میں اس وقت ہڑبڑایا ہوا تھا اس لیے کچھ نہ کر سکا۔ ادھر اس نے زور کی چیخ ماری لھذا میں جھٹ کمرے سے باہر نکل گیا اور ذرا دور ٹھہر کر پھر آ گیا اور (آواز بدل کر) بولا 'ابو رافع! یہ کیسی آواز تھی؟' اس نے کہا تیری ماں برباد ہو، ایک آدمی نے ابھی مجھے اس کمرے میں تلوار ماری ہے۔ عبداللہ بن عتیک کہتے ہیں کہ اب میں نے ایک زوردار ضرب لگائی جس سے وہ خون میں لت پت ہو گیا لیکن اب بھی میں اسے قتل نہ کر سکا تھا اس لیے میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھ کر دبا دی اور وہ اس کی پیٹھ تک جا رہی۔ میں سمجھ گیا کہ میں نے اسے قتل کر لیا ہے اس لیے اب میں ایک ایک دروازہ کھولتا ہوا واپس ہوا اور ایک سیڑھی کے پاس پہنچ کر یہ سمجھتے ہوئے کہ زمین تک پہنچ چکا ہوں پاؤں رکھا تو نیچے گر پڑا۔ چاندنی رات تھی، پنڈلی سرک گئی؛ میں نے پگڑی سے اسے کس کر باندھا اور دروازے پر آ کر بیٹھ گیا اور جی ہی جی میں کہا کہ آج جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میں نے اسے قتل کر لیا ہے یہاں سے نہیں نکلوں گا۔ چنانچہ جب مرغ نے بانگ دی تو موت کی خبر دینے والا قلعے کی فصیل پر چڑھا اور بلند آواز سے پکارا کہ میں اہلِ حجاز کے تاجر ابو رافع کی موت کی اطلاع دے رہا ہوں۔ اب میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور کہا بھاگ چلو۔ اللہ نے ابو رافع کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔ چنانچہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا 'اپنا پاؤں پھیلاؤ۔' میں نے اپنا پاؤں پھیلایا۔ آپؐ نے اس پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور ایسا لگا گویا کوئی تکلیف تھی ہی نہیں[2]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ ابنِ اسحاق کی روایت یہ ہے کہ ابو رافع کے گھر میں پانچوں صحابہ کرامؓ گھسے تھے اور سب نے اس کے قتل میں شرکت کی تھی اور جس صحابی نے اس کے اوپر تلوار کا بوجھ ڈال کر قتل کیا تھا وہ حضرت عبداللہؓ بن انیس تھے۔ اس روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں نے جب رات میں ابو رافع کو قتل کر لیا اور عبداللہؓ بن عتیک کی پنڈلی ٹوٹ گئی تو انہیں اٹھا لائے اور قلعہ کی دیوار کے آر پار ایک جگہ چشمے کی نہر گئی ہوئی تھی اسی میں گھس گئے۔ ادھر یہود نے آگ جلائی اور ہر طرف دوڑ دوڑ کر دیکھا۔ جب مایوس ہو گئے تو مقتول کے پاس واپس آ گئے۔ صحابہ کرامؓ واپس ہوئے تو حضرت عبداللہؓ بن عتیک کو لاد کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے[۳]

اس سریہ کی روانگی ذی قعدہ یا ذی الحجہ ۵ھ میں زیرِ عمل آئی تھی[۴]

جب رسول اللہ ﷺ احزاب اور قریظہ کی جنگوں سے فارغ ہو گئے اور جنگی مجرمین سے نمٹ چکے تو ان قبائل اور اعراب کے خلاف تادیبی حملے شروع کئے جو امن و سلامتی کی راہ میں سنگِ گراں بنے ہوئے تھے اور قوّتِ قاہرہ کے بغیر پُرسکون نہیں رہ سکتے تھے۔ ذیل میں اس سلسلے کے سرایا اور غزوات کا اجمالی ذکر کیا جا رہا ہے۔

۲۔ سریّہ محمّد بن مسلمہؓ

احزاب و قریظہ کی جنگوں سے فراغت کے بعد یہ پہلا سریہ ہے جس کی روانگی عمل میں آئی۔ یہ تیس آدمیوں کی مختصر سی نفری پر مشتمل تھا۔

اس سریہ کو نجد کے اندر بکرات کے علاقہ میں ضریہ کے آس پاس قرطاء نامی مقام پر بھیجا گیا تھا۔ ضریہ اور مدینہ کے درمیان سات رات کا فاصلہ ہے۔ روانگی ۱۰ محرّم ۶ھ کو عمل میں آئی تھی اور نشانہ بنو بکر بن کلاب کی ایک شاخ تھی۔ مسلمانوں نے چھاپہ مارا تو دشمن کے سارے افراد بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے چوپائے اور بکریاں ہانک لیں اور محرّم میں ایک دن باقی تھا کہ مدینہ آ گئے۔ یہ لوگ بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال حنفی کو بھی گرفتار کر لائے تھے۔ وہ مسیلمہ کذاب کے

---

[۲] گذشتہ پوسٹ) صحیح بخاری ۲/۵۷۷ [۳] ابن ہشام ۲/۲۷۴، ۲۷۵
[۴] رحمۃ للعالمین ۲/۲۲۳ اور غزوہ احزاب میں مذکور دوسرے مآخذ۔

حکم سے بھیس بدل کر نبی ﷺ کو قتل کرنے نکلے تھے[۵] لیکن مسلمانوں نے انہیں گرفتار کر لیا اور مدینہ لاکر مسجد نبوی کے ایک کھمبے سے باندھ دیا۔ نبی ﷺ تشریف لائے تو دریافت فرمایا: "ثمامہ تمہارے نزدیک کیا ہے"؟ انہوں نے کہا: "اے محمدؐ! میرے نزدیک خیر ہے۔ اگر تم قتل کرو تو ایک خون والے کو قتل کرو گے اور اگر احسان کرو تو ایک قدر دان پر احسان کرو گے اور اگر مال چاہتے ہو تو جو چاہو مانگ لو۔" اس کے بعد آپؐ نے انہیں اسی حال میں چھوڑ دیا۔ پھر آپ دوبارہ گذرے تو پھر وہی سوال کیا اور ثمامہ نے پھر وہی جواب دیا۔ اس کے بعد آپؐ تیسری بار گذرے تو پھر وہی سوال وجواب ہُوا۔ اس کے بعد آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ ثمامہ کو آزاد کر دو۔ انہوں نے آزاد کر دیا۔ ثمامہ مسجد نبوی کے قریب کھجور کے ایک باغ میں گئے۔ غسل کیا اور آپؐ کے پاس واپس آکر مشرف باسلام ہو گئے۔ پھر کہا: "خدا کی قسم! روئے زمین پر کوئی چہرہ میرے نزدیک آپؐ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہ تھا لیکن اب آپؐ کا چہرہ دوسرے تمام چہروں سے زیادہ محبُوب ہو گیا ہے۔ اور خدا کی قسم روئے زمین پر کوئی دین میرے نزدیک آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا مگر اب آپؐ کا دین دوسرے تمام ادیان سے زیادہ محبُوب ہو گیا ہے۔ آپؐ کے سواروں نے مجھے اس حالت میں گرفتار کیا تھا کہ میں عمرہ کا ارادہ کر رہا تھا۔" رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خوش رہو!" اور حکم دیا کہ عمرہ کر لیں۔ جب وہ دیارِ قریش میں پہنچے تو انہوں نے کہا کہ ثمامہ! تم بد دین ہو گئے ہو؟ ثمامہ نے کہا: نہیں! بلکہ میں محمد ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہوں؛ اور سنو! خدا کی قسم تمہارے پاس یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ نہیں آسکتا جب تک کہ رسُول اللہ ﷺ اس کی اجازت نہ دے دیں۔ یمامہ اہلِ مکہ کے لیے کھیت کی حیثیت رکھتا تھا۔ حضرت ثمامہؓ نے وطن واپس جاکر مکہ کے لیے غلّہ کی روانگی بند کر دی جس سے قریش سخت مشکلات میں پڑ گئے اور رسُول اللہ ﷺ کو قرابت کا واسطہ دیتے ہُوئے لکھا کہ ثمامہؓ کو لکھ دیں کہ وہ غلّے کی روانگی بند نہ کریں۔ رسُول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔[۶]

۳۔ غزوۂ بنو لحیان

بنو لحیان وہی ہیں جنہوں نے مقام رجیع میں دس صحابہ کرامؓ کو دھوکے سے گھیر کر آٹھ کو قتل کر دیا تھا اور دو کو اہلِ مکہ کے ہاتھوں فروخت

---

۵ سیرتِ حلبیہ ۲/۲۹۷ ۶ زاد المعاد ۲/۱۱۹ مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ ص ۲۹۲، ۲۹۳

کر دیا تھا جہاں وہ بے دردی سے قتل کر دیئے گئے تھے۔ لیکن چونکہ ان کا علاقہ حجاز کے اندر بہت دور حدودِ مکہ سے قریب واقع تھا، اور اس وقت مسلمانوں اور قریش و اعراب کے درمیان سخت کشاکش برپا تھی اس لیے رسُول اللہ ﷺ اس علاقے میں بہت اندر تک گھُس کر "بڑے دشمن" کے قریب چلے جانا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن جب کفار کے مختلف گروہوں کے درمیان پھوٹ پڑ گئی، ان کے عزائم کمزور پڑ گئے اور انہوں نے حالات کے سامنے بڑی حد تک گھٹنے ٹیک دیئے تو آپؐ نے محسوس کیا کہ اب بنو لحیان سے رجیع کے مقتولین کا بدلہ لینے کا وقت آگیا ہے۔ چنانچہ آپ نے ربیع الاوّل یا جمادی الاولیٰ ۶ھ میں دو سو صحابہؓ کی معیت میں ان کا رُخ کیا، مدینے میں حضرت ابنؓ اُمِّ مکتوم کو اپنا جانشین بنایا اور ظاہر کیا کہ آپؐ ملک شام کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کے بعد آپؐ یلغار کرتے ہُوئے امج اور عسفان کے درمیان بطن غران نامی ایک وادی میں ـــــ جہاں آپ کے صحابہ کرامؓ کو شہید کیا گیا تھا ـــــ پہنچے اور ان کے لیے رحمت کی دعائیں کیں۔ ادھر بنو لحیان کو آپؐ کی آمد کی خبر ہو گئی تھی، اس لیے وہ پہاڑ کی چوٹیوں پر نکل بھاگے اور ان کا کوئی بھی آدمی گرفت میں نہ آسکا۔ آپؐ نے ان کی سرزمین میں دو روز قیام فرمایا۔ اس دوران سریے بھی بھیجے لیکن بنو لحیان نہ مل سکے۔ اس کے بعد آپؐ نے عسفان کا قصد کیا اور وہاں سے دس شہسوار کراع الغمیم بھیجے تاکہ قریش کو بھی آپ کی آمد کی خبر ہو جائے۔ اس کے بعد آپ کُل چودہ دن مدینے سے باہر گذار کر مدینہ واپس آگئے۔

اس مہم سے فارغ ہو کر رسُول اللہ ﷺ نے پے در پے فوجی مہمات اور سریّے روانہ فرمائے۔ ذیل میں ان کا مختصراً ذکر کیا جا رہا ہے۔

۴۔ سریّۂ غمر ربیع الاوّل یا ربیع الآخر ۶ھ میں حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کو چالیس افراد کی کمان دے کر مقام غمر کی جانب روانہ کیا گیا۔ یہ بنو اسد کے ایک چشمے کا نام ہے۔ مسلمانوں کی آمد سن کر دشمن بھاگ گیا اور مسلمان ان کے دو سو اونٹ مدینہ ہانک لائے۔

۵۔ سریّۂ ذوالقصہ (۱) اسی ربیع الاوّل یا ربیع الآخر ۶ھ میں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں دس افراد کا ایک دستہ ذوالقصہ کی جانب روانہ کیا گیا۔ یہ مقام بنو ثعلبہ کے دیار میں واقع تھا۔ دشمن جس کی تعداد ایک سو تھی کمین گاہ میں چھپ گیا اور

جب صحابہ کرام سو گئے تو اچانک حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا۔ صرف محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو سکے اور وہ بھی زخمی ہو کر۔

۶۔ سریۂ ذوالقصہ (۲) محمدؓ بن مسلمہ کے رفقاء کی شہادت کے بعد ربیع الآخر ۶ھ ہی میں نبی ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ذوالقصہ کی جانب روانہ فرمایا۔ انہوں نے چالیس افراد کی نفری لے کر مذکورہ صحابہ کرام کی شہادت گاہ کا رُخ کیا اور رات بھر پیدل سفر کر کے علی الصباح بنو ثعلبہ کے دیار میں پہنچتے ہی چھاپہ مار دیا۔ لیکن بنو ثعلبہ اس تیزی سے پہاڑوں میں بھاگے کہ مسلمانوں کی گرفت میں نہ آ سکے۔ صرف ایک آدمی پکڑا گیا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ البتہ مویشی اور بکریاں ہاتھ آئیں۔

۷۔ سریۂ جموم یہ سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت ربیع الآخر ۶ھ میں جموم کی جانب روانہ کیا گیا۔ جموم، مَرَّ الظَّہْرَان (موجودہ وادی فاطمہ) میں بنو سُلَیم کے ایک چشمے کا نام ہے۔ حضرت زیدؓ وہاں پہنچے تو قبیلہ مُزَیْنَہ کی ایک عورت جس کا نام حلیمہ تھا گرفت میں آ گئی۔ اس نے بنو سُلَیم کے ایک مقام کا پتا بتایا جہاں سے بہت مویشی، بکریاں اور قیدی ہاتھ آئے۔ حضرت زیدؓ یہ سب لے کر مدینہ واپس آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مُزَنِی عورت کو آزاد کر کے اس کی شادی کر دی۔

۸۔ سریۂ عیص یہ سریہ ایک سو ستّر سواروں پر مشتمل تھا اور اسے بھی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت جمادی الاولیٰ ۶ھ میں عیص کی جانب روانہ کیا گیا تھا۔ اس مہم میں قریش کے ایک قافلے کا مال ہاتھ آیا جو رسول اللہ ﷺ کے داماد حضرت ابو العاص کی قیادت میں سفر کر رہا تھا۔ ابو العاص اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ وہ گرفتار تو نہ ہو سکے لیکن بھاگ کر سیدھے مدینہ پہنچے اور حضرت زینبؓ کی پناہ لے کر ان سے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے کہہ کر قافلے کا مال واپس دلا دیں۔ حضرت زینبؓ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ بات پیش کی تو آپؐ نے کسی طرح کا دباؤ ڈالے بغیر صحابہ کرام سے اشارہ کیا کہ مال واپس کر دیں۔ صحابہ کرامؓ نے تھوڑا زیادہ اور چھوٹا بڑا جو کچھ تھا سب واپس کر دیا۔ ابو العاصؓ سارا مال لے کر مکہ پہنچے اور ان کے مالکوں کے حوالے کیں، پھر مسلمان ہو کر مدینہ تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی نکاح کی بنیاد پر حضرت زینبؓ کو ان کے حوالہ کر دیا، جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔[۷]

---

[۷] دیکھئے سنن ابی داؤد مع شرح عون المعبود، باب الی متی ترد علیہ امرأتہ اذا اسلم بعدہا

آپؐ نے پہلے ہی نکاح کی بنیاد پہ اس لیے حوالہ کر دیا تھا کہ اس وقت تک کفار پہ مسلمان عورتوں کے حرام کئے جانے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اور ایک حدیث میں یہ جو آیا ہے کہ آپؐ نے نکاح جدید کے ساتھ رخصت کیا تھا یا یہ کہ چھ برس کے بعد رخصت کیا تھا تو یہ نہ معنیً صحیح ہے نہ سنداً[۸] بلکہ دونوں لحاظ سے ضعیف ہے۔ اور جو لوگ اسی ضعیف حدیث کے قائل ہیں وہ ایک عجیب متضاد بات کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ابو العاص ۸ھ کے اواخر میں فتح مکہ سے کچھ پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ۸ھ کے اوائل میں حضرت زینبؓ کا انتقال ہو گیا تھا حالانکہ اگر یہ دونوں باتیں صحیح مان لی جائیں تو تضاد بالکل واضح ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں ابو العاص کے اسلام لانے اور ہجرت کر کے مدینہ پہنچنے کے وقت حضرت زینبؓ زندہ ہی کہاں تھیں کہ انہیں ان کے پاس نکاحِ جدید یا نکاحِ قدیم کی بنیاد پہ ابو العاصؓ کے حوالے کیا جاتا۔ ہم نے اس موضوع پہ بلوغ المرام کی تعلیق میں بسط سے گفتگو کی ہے۔

مشہور صاحب مغازی موسیٰ بن عقبہ کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ واقعہ ۷ھ میں ابو بصیر اور ان کے رفقاء کے ہاتھوں پیش آیا تھا لیکن یہ نہ حدیث صحیح کے موافق ہے نہ حدیث ضعیف کے۔

۹۔ سریۂ طرف یا طرق

یہ سریہ بھی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جمادی الآخرہ میں طرف یا طرق نامی مقام کی طرف روانہ کیا گیا۔ یہ مقام بنو ثعلبہ کے علاقہ میں تھا۔ حضرت زیدؓ کے ساتھ صرف پندرہ آدمی تھے لیکن بدوؤں نے خبر پاتے ہی راہ فرار اختیار کی۔ انہیں خطرہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت زید کو چار اونٹ ہاتھ لگے اور وہ چار روز بعد واپس آئے۔

۱۰۔ سریۂ وادی القریٰ

یہ سریہ بارہ آدمیوں پہ مشتمل تھا اور اس کے کمانڈر بھی حضرت زیدؓ ہی تھے۔ وہ رجب ۶ھ میں وادی القریٰ کی جانب روانہ ہوئے مقصد دشمن کی نقل و حرکت کا پتا لگانا تھا مگر وادی القریٰ کے باشندوں نے ان پہ حملہ کر کے نو صحابہؓ کو شہید کر دیا اور صرف تین بچ سکے جن میں ایک خود حضرت زید رضی اللہ عنہ تھے[۹]

۱۱۔ سریۂ حبط

اس سریہ کا زمانہ رجب ۸ھ بتایا جاتا ہے مگر سیاق بتاتا ہے کہ یہ حدیبیہ

---

۸ دونوں حدیثوں پہ کلام کے لیے ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی ۲/۱۹۵، ۱۹۶

۹ رحمۃ للعالمین ۲/۲۲۶، ان سرایا کی تفصیلات رحمۃ للعالمین، زاد المعاد ۲/۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲ اور تلقیح فہوم اہل الاثر کے حواشی ص ۲۸، ۲۹ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

سے پہلے کا واقعہ ہے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے ہمارے تین سو سواروں کی جمعیت روانہ فرمائی۔ ہمارے امیر ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ قریش کے ایک قافلہ کا پتا لگانا تھا۔ ہم اس مہم کے دوران سخت بھوک سے دوچار ہوئے یہاں تک کہ پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانا پڑے۔ اسی لیے اس کا نام جیش خبط پڑ گیا (خبط جھاڑے جانے والے پتوں کو کہتے ہیں۔) آخر ایک آدمی نے تین اونٹ ذبح کیے، پھر تین اونٹ ذبح کیے، پھر تین اونٹ ذبح کیے، لیکن اس کے بعد ابوعبیدہؓ نے اسے منع کر دیا۔ پھر اس کے بعد ہی سمندر نے عنبر نامی ایک مچھلی پھینک دی جس سے ہم آدھے مہینے تک کھاتے رہے اور اس کا تیل بھی لگاتے رہے، یہاں تک کہ ہمارے جسم پہلی حالت پر پلٹ آئے اور تندرست ہو گئے۔ ابوعبیدہؓ نے اس کی پسلی کا ایک کانٹا لیا اور لشکر کے اندر سب سے لمبے آدمی اور سب سے لمبے اونٹ کو دیکھ کر آدمی کو اس پر سوار کیا اور وہ (سوار ہو کر) کانٹے کے نیچے سے گذر گیا۔ ہم نے اس کے گوشت کے کچھ ٹکڑے توشہ کے طور پر رکھ لیے اور جب مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا تذکرہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا: "یہ ایک رزق ہے، جو اللہ نے تمہارے لیے برآمد کیا تھا۔ اس کا گوشت تمہارے پاس ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔" ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ گوشت بھیج دیا۔[1] واقعہ کی تفصیل ختم ہوئی۔

اوپر جو یہ کہا گیا ہے کہ اس واقعے کا سیاق بتاتا ہے کہ یہ حدیبیہ سے پہلے کا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان قریش کے کسی قافلے سے تعرض نہیں کرتے تھے۔

○

---

[1] صحیح بخاری ۲/۶۲۵، ۶۲۶، صحیح مسلم ۲/۱۴۵، ۱۴۶

غزوۂ بنی المصطلق یا غزوۂ مُریسیع (۵ یا ۶ سنہ ھ)

یہ غزوہ جنگی نقطۂ نظر سے کوئی بھاری بھرکم غزوہ نہیں ہے مگر اس حیثیت سے اس کی بڑی اہمیت ہے کہ اس میں چند واقعات ایسے رُونما ہوئے جن کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں اضطراب اور ہلچل مچ گئی اور جس کے نتیجے میں ایک طرف منافقین کا پردہ فاش ہوا تو دوسری طرف ایسے تعزیری قوانین نازل ہُوئے جن سے اسلامی معاشرے کو شرف و عظمت اور پاکیزگی نفس کی ایک خاص شکل عطا ہوئی۔ ہم پہلے غزوے کا ذکر کریں گے اس کے بعد ان واقعات کی تفصیل پیش کریں گے۔

یہ غزوہ —— اہل سیر کے بقول شعبان ۵ھ یا ۶ھ[1] میں پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ ہُوئی کہ نبی ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ بنو المصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار آپؐ سے جنگ کے لیے

---

[1] اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اسی غزوہ سے واپسی میں افک (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پہ جھوٹی تہمت لگائے جانے) کا واقعہ پیش آیا۔ اور معلوم ہے کہ یہ واقعہ حضرت زینبؓ سے نبی ﷺ کی شادی اور مسلمان عورتوں کے لیے پردے کا حکم نازل ہو چکنے کے بعد پیش آیا تھا۔ چونکہ حضرت زینبؓ کی شادی ۵ھ کے بالکل اخیر میں یعنی ذی قعدہ یا ذی الحجہ ۵ھ میں ہوئی تھی اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ غزوہ شعبان ہی کے مہینے میں پیش آیا تھا اس لیے یہ ۵ھ کا شعبان نہیں بلکہ ۶ھ ہی کا شعبان ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف جو لوگ اس غزوہ کا زمانہ شعبان ۵ھ بتاتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیثِ افک کے اندر اصحابِ افک کے سلسلے میں حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے درمیان سخت کلامی کا ذکر موجود ہے۔ اور معلوم ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ۵ھ کے اخیر میں غزوۂ بنو قریظہ کے بعد انتقال کر گئے تھے اس لیے واقعہ افک کے وقت ان کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ —— اور یہ غزوہ —— ۶ھ میں نہیں بلکہ ۵ھ میں پیش آیا۔

اس کا جواب فریق اوّل نے یہ دیا ہے کہ حدیث افک میں حضرت سعد بن معاذؓ کا ذکر راوی کا وہم ہے کیونکہ یہی حدیث حضرت عائشہؓ سے ابن اسحاقؒ نے بہ سند زہری عن عبداللہ بن عتبہ عن عائشہؓ روایت کی ہے تو اس میں سعدؓ بن معاذ کے بجائے اسید بن حضیرؓ کا ذکر ہے۔ چنانچہ امام ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ بلاشبہ یہی صحیح ہے اور سعدؓ بن معاذ کا ذکر وہم ہے۔ (دیکھئے زاد المعاد ۲/۱۱۵)

راقم عرض پرداز ہے کہ گو فریق اول کا استدلال خاصا وزن رکھتا ہے (اور اسی لیے ابتدا میں ہمیں بھی اسی سے اتفاق تھا۔) (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

اپنے قبیلے اور کچھ دوسرے عربوں کو ساتھ لے کر آرہا ہے۔ آپؐ نے بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو تحقیق حال کیلئے روانہ فرمایا۔ انہوں نے اس قبیلے میں جا کر حارث بن ابی ضرار سے ملاقات اور بات چیت کی اور واپس آکر رسول اللہ ﷺ کو حالات سے باخبر کیا۔

جب آپؐ کو خبر کی صحت کا اچھی طرح یقین آگیا تو آپؐ نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دیا اور بہت جلد روانہ ہوگئے۔ روانگی ۲ر شعبان کو ہوئی۔ اس غزوے میں آپؐ کے ہمراہ منافقین کی بھی ایک جماعت تھی جو اس سے پہلے کسی غزوے میں نہیں گئی تھی۔ آپؐ نے مدینہ کا انتظام حضرت زیدؓ بن حارثہ کو اور کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوذرؓ کو، اور کہا جاتا ہے کہ نمیلہؓ بن عبداللہ لیثی کو سونپا تھا۔ حارث بن ابی ضرار نے اسلامی لشکر کی خبر لانے کے لیے ایک جاسوس بھیجا تھا لیکن مسلمانوں نے اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

جب حارث بن ابی ضرار اور اسکے رفقاء کو رسول اللہ ﷺ کی روانگی اور اپنے جاسوس کے قتل کئے جانے کا علم ہوا تو وہ سخت خوفزدہ ہوئے اور جو عرب ان کے ساتھ تھے وہ سب بکھر گئے۔ رسول اللہ ﷺ چشمہ مریسیع[2] تک پہنچے تو بنو مصطلق آمادہ جنگ ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے بھی صف بندی کر لی۔ پورے اسلامی لشکر کے علمبردار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور خاص انصار کا پھریرا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ کچھ دیر فریقین میں تیروں کا تبادلہ ہوا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صحابہ کرام نے یکبارگی حملہ کیا، اور فتح یاب ہوگئے۔ مشرکین نے شکست کھائی، کچھ مارے گئے، عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا گیا، مویشی اور بکریاں بھی ہاتھ آئیں۔ مسلمانوں کا صرف ایک آدمی مارا گیا جسے ایک انصاری نے دشمن کا آدمی سمجھ کر مار دیا تھا۔

اس غزوے کے متعلق اہلِ سیر کا بیان یہی ہے لیکن علامہ ابنِ قیم نے لکھا ہے کہ یہ وہم ہے،

(نوٹ گذشتہ سے پیوستہ) —— لیکن غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس استدلال کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ نبی ﷺ سے حضرت زینبؓ کی شادی ۵ھ کے اخیر میں ہوئی تھی درآنحالیکہ اس پر بعض قرائن کے سوا کوئی ٹھوس شہادت موجود نہیں ہے۔ جبکہ واقعۂ افک میں اور اس کے بعد حضرت سعدؓ بن معاذ (متوفی ۵ھ) کی موجودگی متعدد صحیح روایات سے ثابت ہے جنہیں وہم قرار دینا مشکل ہے۔ اس لیے ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ حضرت زینبؓ کی شادی ۵ھ کے اوائل میں ہوئی ہو اور واقعہ افک —— اور غزوۂ بنی المصطلق —— شعبان ۵ھ میں پیش آیا ہو۔

[2] مُرَیسِیع۔ م پر پیش۔ اور ر پر زبر۔ قدید کے اطراف میں ساحل سمندر کے قریب بنو مصطلق کے ایک چشمے کا نام تھا۔

کیونکہ اس غزوے میں لڑائی نہیں ہوئی تھی بلکہ آپ نے چشمے کے پاس ان پر چھاپہ مار کر عورتوں بچوں اور مال مویشی پر قبضہ کر لیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو المصطلق پر چھاپہ مارا اور وہ غافل تھے۔ الیٰ آخر الحدیث[۳]

قیدیوں میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جو بنو المصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں، وہ ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں۔ ثابت نے انہیں مکاتب[۴] بنا لیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی جانب سے مقررہ رقم ادا کر کے ان سے شادی کر لی۔ اس شادی کی وجہ سے مسلمانوں نے بنو المصطلق کے ایک سو گھرانوں کو جو مسلمان ہو چکے تھے آزاد کر دیا۔ کہنے لگے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سسرال کے لوگ ہیں[۵]

یہ ہے اس غزوے کی رُوداد۔ باقی رہے وہ واقعات جو اس غزوے میں پیش آئے تو چونکہ ان کی بنیاد عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین اور اس کے رفقاء تھے اس لئے بیجا نہ ہوگا کہ پہلے اسلامی معاشرے کے اندر ان کے کردار اور رویے کی ایک جھلک پیش کر دی جائے اور بعد میں واقعات کی تفصیل دی جائے۔

غزوہ بنی المصطلق سے پہلے منافقین کا رویہ

ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ عبداللہ بن ابی کو اسلام اور مسلمانوں سے عموماً اور رسول اللہ ﷺ سے خصوصاً بڑی کد تھی چونکہ اوس و خزرج اس کی قیادت پر متفق ہو چکے تھے اور اس کی تاجپوشی کے لیے مونگوں کا تاج بنایا جا رہا تھا کہ اتنے میں مدینہ کے اندر اسلام کی شعاعیں پہنچ گئیں اور لوگوں کی توجہ ابنِ اُبَیّ سے ہٹ گئی اس لیے اسے احساس تھا کہ رسُول اللہ ﷺ نے اس کی بادشاہت چھین لی ہے۔

اس کی یہ کد اور جلن ابتدائے ہجرت ہی سے واضح تھی جبکہ ابھی اس نے اسلام کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔ پھر اسلام کا اظہار کرنے کے بعد بھی اس کی یہی روش رہی۔ چنانچہ اس کے اظہار اسلام سے پہلے ایک بار رسول اللہ ﷺ گدھے پر سوار حضرت سعدؓ بن عبادہ کی عیادت کے لیے تشریف لے جا رہے

---

[۳] دیکھئے صحیح بخاری کتاب العتق ۱/۳۴۵ فتح الباری ۷/۴۳۱

[۴] مکاتب اس غلام یا لونڈی کو کہتے ہیں جو اپنے مالک سے یہ طے کر لے کہ وہ ایک مقررہ رقم مالک کو ادا کر کے آزاد ہو جائیگا۔

[۵] زاد المعاد ۲/۱۱۲، ۱۱۳، ابنِ ہشام ۲/۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۴، ۲۹۵،

تھے کہ راستے میں ایک مجلس سے گذر ہوا جس میں عبداللہ بن اُبَی بھی تھا۔ اس نے اپنی ناک ڈھک لی اور بولا، ہم پر غبار نہ اڑاؤ۔ پھر جب رسُول اللہ ﷺ نے اہل مجلس پر قرآن کی تلاوت فرمائی تو کہنے لگا: "آپ اپنے گھر میں بیٹھئے، ہماری مجلس میں قرآن سُنا سُنا کر ہمیں تنگ نہ کیجئے۔"[۶]

یہ اظہارِ اسلام سے پہلے کی بات ہے، لیکن جنگِ بدر کے بعد جب اس نے ہوا کا رُخ دیکھ کر اسلام کا اظہار کیا تب بھی وہ اللہ، اس کے رسُول اور اہل ایمان کا دشمن ہی رہا اور اسلامی معاشرے میں انتشار برپا کرنے اور اسلام کی آواز کمزور کرنے کی مسلسل تدبیریں سوچتا رہا۔ وہ اعدائے اسلام سے بڑا مخلصانہ ربط رکھتا تھا چنانچہ بنو قینقاع کے معاملے میں نہایت نامعقول طریقے سے دخل انداز ہوا تھا۔ (جس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے) اسی طرح اس نے غزوۂ اُحُد میں بھی شر، بدعہدی مسلمانوں میں تفریق اور ان کی صفوں میں بے چینی و انتشار اور کھلبلی پیدا کرنے کی کوششیں کی تھیں۔ (اس کا بھی ذکر گذر چکا ہے)

اس منافق کے مکر و فریب کا یہ عالم تھا کہ یہ اپنے اظہارِ اسلام کے بعد ہر جمعہ کو جب رسُول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لیے تشریف لاتے تو پہلے خود کھڑا ہو جاتا اور کہتا: "لوگو! یہ تمہارے درمیان اللہ کے رسولؐ ہیں۔ اللہ نے ان کے ذریعے تمہیں عزت و احترام بخشا ہے لہٰذا ان کی مدد کرو، انہیں قوت پہنچاؤ اور ان کی بات سنو اور مانو۔" اس کے بعد بیٹھ جاتا اور رسُول اللہ ﷺ اُٹھ کر خطبہ دیتے۔ پھر اس کی ڈھٹائی اور بے حیائی اس وقت انتہا کو پہنچ گئی جب جنگِ اُحد کے بعد پہلا جمعہ آیا کیونکہ ـــــ یہ شخص اس جنگ میں اپنی بدترین دغا بازی کے باوجود خطبہ سے پہلے ـــ پھر کھڑا ہو گیا اور وہی باتیں دہرانی شروع کیں جو اس سے پہلے کہا کرتا تھا، لیکن اب کی بار مسلمانوں نے مختلف اطراف سے اس کے کپڑوں کو پکڑ کر کہا: "او اللہ کے دشمن بیٹھ جا۔ تو نے جو جو حرکتیں کی ہیں اس کے بعد اب تو اس لائق نہیں رہ گیا ہے۔" اس پر وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا اور یہ بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا کہ میں ان صاحب کی تائید کے لیے اٹھا تو معلوم ہوتا ہے کہ میں نے کوئی مجرمانہ بات کہہ دی۔ اتفاق سے دروازے پر ایک انصاری سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے کہا "تیری بربادی ہو واپس چل! رسُول اللہ ﷺ تیرے لیے دُعاءِ مغفرت کر دیں گے۔ اس نے کہا "خدا کی قسم! میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے لیے دعاءِ مغفرت کریں۔"[۷]

---

[۶] ابنِ ہشام ۱/۵۸۴، ۵۸۷۔ صحیح بخاری ۲/۹۲۴۔ صحیح مسلم ۲/۱۰۹ [۷] ابنِ ہشام ۲/۱۰۵

علاوہ ازیں ابن اُبَیّ نے بنو نضیر سے بھی رابطہ قائم کر رکھا تھا اور ان سے مل کر مسلمانوں کے خلاف درپردہ سازشیں کیا کرتا تھا۔

اسی طرح ابن اُبَیّ اور اس کے رفقاء نے جنگِ خندق میں مسلمانوں کے اندر اضطراب اور کھلبلی مچانے اور انہیں مرعوب و دہشت زدہ کرنے کے لیے طرح طرح کے جتن کئے تھے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب کی حسب ذیل آیات میں کیا ہے:

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ○ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ○ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ○ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـــُٔوْلًا ○ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ○ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ○ (۳۳: ۱۲ تا ۲۰)

"اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہہ رہے تھے کہ ہم سے اللہ اور اسکے رسول نے جو وعدہ کیا تھا وہ محض فریب تھا، اور جب ان میں سے ایک گروہ کہہ رہا تھا کہ اے یثرب والو! اب تمہارے لیے ٹھہرنے کی گنجائش نہیں لہذا پلٹ چلو۔ اور ان کا ایک فریق یہ کہہ کر نبی سے اجازت طلب کر رہا تھا کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں (یعنی ان کی حفاظت کا انتظام نہیں) حالانکہ وہ کھلے پڑے نہ تھے، یہ لوگ محض بھاگنا چاہتے تھے۔ اور اگر شہر کے اطراف سے ان پر دھاوا بول دیا گیا ہوتا اور ان سے فتنے (میں شرکت) کا سوال کیا گیا ہوتا تو یہ اس میں جا پڑتے اور بمشکل ہی کچھ رکتے۔ انہوں نے اس سے پہلے اللہ سے عہد کیا تھا کہ پیٹھ نہ

پھیریں گے اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کی باز پرس ہو کر رہنی ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم موت یا قتل سے بھاگو گے تو یہ بھگدڑ تمہیں نفع نہ دے گی، اور ایسی صورت میں تمتع کا تھوڑا ہی موقع دیا جائے گا۔ آپ کہہ دیں کہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکتا ہے اگر وہ تمہارے لیے برا ارادہ کرے یا تم پر مہربانی کرنا چاہے اور یہ لوگ اللہ کے سوا کسی اور کو حامی و مددگار نہیں پائیں گے۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے جو روڑے اٹکاتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہماری طرف آؤ، اور جو لڑائی میں محض تھوڑا سا حصہ لیتے ہیں جو تمہارا ساتھ دینے میں انتہائی بخیل ہیں۔ جب خطرہ آپڑے تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کی طرف اس طرح دیدے پھرا پھرا کر دیکھتے ہیں جیسے مرنے والے پر موت طاری ہو رہی ہے اور جب خطرہ ٹل جائے تو مال و دولت کی حرص میں تمہارا استقبال تیزی کے ساتھ چلتی ہوئی زبانوں سے کرتے ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت ایمان ہی نہیں لائے ہیں اس لیے اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے اور اللہ پر یہ بات آسان ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ حملہ آور گروہ ابھی گئے نہیں ہیں؛ اور اگر وہ پھر پلٹ کر آجائیں تو یہ چاہیں گے کہ بدوؤں کے درمیان بیٹھے تمہاری خبر پوچھتے رہیں۔ اور اگر یہ تمہارے درمیان رہیں بھی تو کم ہی لڑائی میں حصہ لیں گے۔"

ان آیات میں موقع کی مناسبت سے منافقین کے اندازِ فکر، طرزِ عمل، نفسیات اور خود غرضی و موقع پرستی کا ایک جامع نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔

ان سب کے باوجود یہود منافقین اور مشرکین غرض سارے ہی اعدائے اسلام کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ اسلام کے غلبے کا سبب مادی تفوّق یعنی اسلحے لشکر اور تعداد کی کثرت نہیں ہے بلکہ اس کا سبب وہ خدا پرستی اور اخلاقی قدریں ہیں جن سے پورا اسلامی معاشرہ اور دینِ اسلام سے تعلق رکھنے والا ہر فرد سرفراز و بہرہ مند ہے۔ ان اعدائے اسلام کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس فیض کا سرچشمہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے جو ان اخلاقی قدروں کا معجزے کی حد تک سب سے بلند نمونہ ہے۔

اسی طرح یہ اعدائے اسلام چار پانچ سال تک برسرِ پیکار رہ کر یہ بھی سمجھ چکے تھے کہ اس دین اور اس کے حاملین کو ہتھیاروں کے بل پر نیست و نابود کرنا ممکن نہیں اس لیے انہوں نے غالباً یہ طے کیا کہ اخلاقی پہلو کو بنیاد بنا کر اس دین کے خلاف وسیع پیمانے پر پروپیگنڈے کی جنگ چھیڑ دی جائے اور اس کا پہلا نشانہ خاص رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو بنایا جائے چونکہ

منافقین مسلمانوں کی صف میں پانچواں کالم تھے اور مدینہ ہی کے اندر رہتے تھے مسلمانوں سے بلا تردُّد مل جل سکتے تھے اور ان کے احساسات کو کسی بھی "مناسب" موقع پہ بآسانی بھڑکا سکتے تھے اس لیے اس پروپیگنڈے کی ذمہ داری ان منافقین نے اپنے سر لی، یا ان کے سر ڈالی گئی اور عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے اس کی قیادت کا بیڑا اٹھایا۔

ان کا یہ پروگرام اس وقت ذرا زیادہ کھل کر سامنے آیا جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دی اور نبی ﷺ نے ان سے شادی کی چونکہ عرب کا دستور یہ چلا آرہا تھا کہ وہ مُتَبَنّٰی (منہ بولے بیٹے) کو اپنے حقیقی لڑکے کا درجہ دیتے تھے اور اس کی بیوی کو حقیقی بیٹے کی بیوی کی طرح حرام سمجھتے تھے اس لیے جب نبی ﷺ نے حضرت زینبؓ سے شادی کی تو منافقین کو نبی ﷺ کے خلاف شور و شغب برپا کرنے کے لیے اپنی دانست میں دو کمزور پہلو ہاتھ آئے!

ایک یہ کہ حضرت زینبؓ آپ کی پانچویں بیوی تھیں جبکہ قرآن نے چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت نہیں دی ہے، اس لیے یہ شادی کیونکر درست ہو سکتی ہے؟

دوسرے یہ کہ زینبؓ آپ کے بیٹے ـــــ یعنی منہ بولے بیٹے ـــــ کی بیوی تھیں اس لیے عرب دستور کے مطابق ان سے شادی کرنا نہایت سنگین جرم اور زبردست گناہ تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں خوب پروپیگنڈہ کیا گیا اور طرح طرح کے افسانے گھڑے گئے۔ کہنے والوں نے یہاں تک کہا کہ محمدؐ نے زینبؓ کو اچانک دیکھا اور ان کے حُسن سے اس قدر متاثر ہوئے کہ نقدِ دل دے بیٹھے، اور جب ان کے صاحبزادے زیدؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے زینبؓ کا راستہ محمدؐ کیلیے خالی کر دیا۔

منافقین نے اس افسانے کا اتنی قوت سے پروپیگنڈہ کیا کہ اس کے اثرات کتب احادیث و تفاسیر میں اب تک چلے آرہے ہیں۔ اس وقت یہ سارا پروپیگنڈہ کمزور اور سادہ لوح مسلمانوں کے اندر اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ بالآخر قرآن مجید میں اس کی بابت واضح آیات نازل ہوئیں جن کے اندر شکوکِ پنہاں کی بیماری کا پورا پورا علاج تھا۔ اس پروپیگنڈے کی وُسعت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ سورۂ احزاب کا آغاز ہی اس آیت کریمہ سے ہوا:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝
(۳۳:۱)

اے نبی اللہ سے ڈرو اور کافرین و منافقین سے نہ دبو بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

یہ منافقین کی حرکتوں اور کارروائیوں کی طرف ایک طائرانہ اشارہ اور ان کا ایک مختصر سا خاکہ ہے۔ نبی ﷺ یہ ساری حرکتیں صبر، نرمی اور تلطّف کے ساتھ برداشت کر رہے تھے اور عام مسلمان بھی ان کے شر سے دامن بچا کر صبر و برداشت کے ساتھ رہ رہے تھے کیونکہ انہیں تجربہ تھا کہ منافقین قدرت کی طرف سے رہ رہ کر رسوا کئے جاتے رہیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○ (۹:۱۲۶)

"وہ دیکھتے نہیں کہ انہیں ہر سال ایک بار یا دو بار فتنے میں ڈالا جاتا ہے پھر وہ نہ تو توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں۔"

غزوہ بنو المصطلق میں منافقین کا کردار

جب غزوہ بنی المصطلق پیش آیا اور منافقین بھی اس میں شریک ہوئے تو انہوں نے ٹھیک وہی کیا جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ (۹:۴۷)

"اگر وہ تمہارے اندر نکلتے تو تمہیں مزید فساد ہی سے دوچار کرتے اور فتنے کی تلاش میں تمہارے اندر تگ و دو کرتے۔"

چنانچہ اس غزوے میں انہیں بھڑاس نکالنے کے دو مواقع ہاتھ آئے جس سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے مسلمانوں کی صفوں میں خاصا اضطراب و انتشار مچایا اور نبی ﷺ کے خلاف بدترین پروپیگنڈہ کیا۔ ان دونوں مواقع کی کسی قدر تفصیلات یہ ہیں:

۱۔ مدینہ سے ذلیل ترین آدمی کو نکالنے کی بات

رسول اللہ ﷺ غزوہ بنی المصطلق سے فارغ ہو کر ابھی چشمہ مریسیع پر قیام فرما ہی تھے کہ کچھ لوگ پانی لینے گئے۔ ان ہی میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ایک مزدور بھی تھا جس کا نام جہجاہ غفاری تھا۔ پانی پر ایک شخص سنان بن وبر جہنی سے اس کی دھکم دھکا ہو گئی اور دونوں لڑ پڑے۔ پھر جہنی نے پکارا: یا معشر الانصار (انصار کے لوگو! مدد کو پہنچو) اور جہجاہ نے آواز دی: یا معشر المہاجرین: (مہاجرین! مدد کو آؤ!) رسول اللہ ﷺ (خبر پاتے ہی وہاں تشریف لے گئے اور) فرمایا: "میں تمہارے اندر موجود ہوں اور جاہلیت کی پکار پکاری جا رہی ہے؟ اسے چھوڑ دو یہ بدبودار ہے۔"

اس واقعے کی خبر عبداللہ بن اُبَی ابن سَلُول کو ہوئی تو غصے سے بھڑک اٹھا اور بولا: "کیا ان لوگوں نے ایسی حرکت کی ہے؟ یہ ہمارے علاقے میں آکر اب ہمارے ہی حریف اور مدِمقابل ہو گئے ہیں! خدا کی قسم ہماری اور ان کی حالت پر تو وہی مثل صادق آتی ہے جو پہلوں نے کہی ہے کہ اپنے کتے کو پال پوس کر موٹا تازہ کرو تاکہ وہ تمہیں کو پھاڑ کھائے۔ سنو! خدا کی قسم! اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو ہم میں کا معزز ترین آدمی ذلیل ترین آدمی کو نکال باہر کرے گا۔" پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر بولا: "یہ مصیبت تم نے خود مول لی ہے۔ تم نے انہیں اپنے شہر میں اتارا اور اپنے اموال بانٹ کر دیئے۔ دیکھو! تمہارے ہاتھوں میں جو کچھ ہے اگر اسے دینا بند کر دو تو یہ تمہارا شہر چھوڑ کر کہیں اور چلتے بنیں گے۔"

اس وقت مجلس میں ایک نوجوان صحابی حضرت زیدؓ بن ارقم بھی موجود تھے۔ انہوں نے آکر اپنے چچا کو پوری بات کہہ سنائی۔ ان کے چچا نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی۔ اس وقت حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ بولے حضور! عبّادؓ بن بشر سے کہیئے کہ اسے قتل کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا: عمرؓ! یہ کیسے مناسب رہے گا لوگ کہیں گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے۔ نہیں بلکہ تم کوچ کا اعلان کر دو۔ یہ ایسا وقت تھا جس میں آپؐ کوچ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ لوگ چل پڑے تو حضرت اُسَید بن حُضَیر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور سلام کر کے عرض کیا کہ آج آپؐ نے بے وقت کوچ فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا "کیا تمہارے صاحب (یعنی ابن اُبَی) نے جو کچھ کہا ہے تمہیں اس کی خبر نہیں ہوئی؟ انہوں نے دریافت کیا کہ اس نے کیا کہا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اس کا خیال ہے کہ اگر وہ مدینہ واپس ہوا تو معزز ترین آدمی ذلیل ترین آدمی کو مدینہ سے نکال باہر کرے گا۔ انہوں نے کہا: "یا رسول اللہ! آپؐ اگر چاہیں تو اُسے مدینے سے نکال باہر کریں۔ خدا کی قسم وہ ذلیل ہے اور آپؐ باعزت ہیں۔" اس کے بعد انہوں نے کہا: "اے اللہ کے رسول! اس کے ساتھ نرمی برتیئے کیونکہ بخدا، اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے پاس اس وقت لے آیا جب اس کی قوم اس کی تاجپوشی کیلئے مونگوں کا تاج تیار کر رہی تھی اس لیے اب وہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس سے اس کی بادشاہت چھین لی ہے۔"

پھر آپ شام تک پورا دن اور صبح تک پوری رات چلتے رہے بلکہ اگلے دن کے ابتدائی اوقات میں اتنی دیر تک سفر جاری رکھا کہ دھوپ سے تکلیف ہونے لگی۔ اس کے بعد اتر کر پڑاؤ ڈالا گیا تو لوگ زمین پر جسم رکھتے ہی بے خبر ہو گئے۔ آپؐ کا مقصد بھی یہی تھا کہ لوگوں کو سکون سے بیٹھ کر گپ لڑانے کا موقع نہ ملے۔

ادھر عبداللہ بن ابی کو جب پتا چلا کہ زیدؓ بن ارقم نے بھانڈا پھوڑ دیا ہے تو وہ رسول اللہ

ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ اس نے جو بات آپ کو بتائی ہے وہ بات میں نے نہیں کہی ہے اور نہ اسے زبان پر لایا ہوں۔ اس وقت وہاں انصار کے جو لوگ موجود تھے انہوں نے بھی کہا "یا رسول اللہ! ابھی وہ لڑکا ہے۔ ممکن ہے اسے وہم ہو گیا ہو اور اس شخص نے جو کچھ کہا تھا اسے ٹھیک ٹھیک یاد نہ رکھ سکا ہو۔" اس لیے آپؐ نے ابن ابی کی بات سچ مان لی۔ حضرت زیدؓ کا بیان ہے کہ اس پر مجھے ایسا غم لاحق ہوا کہ ویسے غم سے میں کبھی دوچار نہیں ہوا تھا۔ میں صدمے سے اپنے گھر میں بیٹھ رہا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے سورۂ منافقین نازل فرمائی جس میں دونوں باتیں مذکور ہیں۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ (۶۳ : ۷)

"یہ منافقین وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ چلتے بنیں۔"

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ (۶۳ : ۸)

"یہ منافقین کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو اس سے عزت والا ذلت والے کو نکال باہر کریگا"

حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلوایا اور یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں، پھر فرمایا: اللہ نے تمہاری تصدیق کر دی۔[۸]

اس منافق کے صاحبزادے جن کا نام عبداللہؓ ہی تھا، اس کے بالکل برعکس نہایت نیک طینت انسان اور خیارِ صحابہؓ میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے باپ سے برأت اختیار کر لی اور مدینہ کے دروازے پر تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے۔ جب ان کا باپ عبداللہ بن اُبَیّ وہاں پہنچا تو اس سے بولے: خدا کی قسم آپ یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اجازت دے دیں، کیونکہ حضور عزیز ہیں اور آپ ذلیل ہیں۔ اس کے بعد جب نبی ﷺ وہاں تشریف لائے تو آپ نے اس کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دی اور تب صاحبزادے نے باپ کا راستہ چھوڑا۔ عبداللہ بن اُبی کے ان ہی صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے آپ سے یہ بھی عرض کی تھی کہ اے اللہ کے رسول! آپ اسے قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو مجھے فرمائیے خدا کی قسم میں اسکا سر آپ کی خدمت میں حاضر کر دونگا۔[۹]

---

۸ دیکھئے صحیح بخاری ۱/۴۹۹، ۲/۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ابن ہشام ۲/۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲

۹ ابن ہشام ایضاً، مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ ص ۲۷۷۔

۲۔ واقعۂ اِفک اس غزوے کا دوسرا اہم واقعہ اِفک کا واقعہ ہے۔ اس واقعے کا حاصل یہ ہے کہ رسُول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ سفر میں جاتے ہُوئے ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے جس کا قرعہ نکل آتا اُسے ہمراہ لے جاتے۔ اس غزوہ میں قرعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام نکلا اور آپؐ انہیں ساتھ لے گئے غزوے سے واپسی میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا حضرت عائشہؓ اپنی حاجت کے لیے گئیں اور اپنی بہن کا ہار جسے عاریۃً لے گئی تھیں کھو بیٹھیں۔ احساس ہوتے ہی فوراً اس جگہ واپس گئیں جہاں ہار غائب ہوا تھا۔ اسی دوران وہ لوگ آئے جو آپ کا ہودج اونٹ پر لادا کرتے تھے۔ انہوں نے سمجھا آپ ہودج کے اندر تشریف فرما ہیں اس لیے اسے اونٹ پر لاد دیا اور ہودج کے ہلکے پن پر نہ چونکے۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابھی نوعمر تھیں۔ بدن موٹا اور بوجھل نہ تھا۔ نیز چونکہ کئی آدمیوں نے مل کر ہودج اٹھایا تھا اس لیے بھی ہلکے پن پر تعجب نہ ہوا۔ اگر صرف ایک یا دو آدمی اٹھاتے تو انہیں ضرور محسوس ہو جاتا۔

بہرحال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہار ڈھونڈھ کر قیام گاہ پہنچیں تو پورا لشکر جا چکا تھا اور میدان بالکل خالی پڑا تھا نہ کوئی پکارنے والا تھا نہ جواب دینے والا۔ وہ اس خیال سے وہیں بیٹھ گئیں کہ لوگ انہیں نہ پائیں گے تو پلٹ کر وہیں تلاش کرنے آئیں گے لیکن اللہ اپنے امر پر غالب ہے وہ بالائے عرش سے جو تدبیر چاہتا ہے کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کی آنکھ لگ گئی اور وہ سو گئیں۔ پھر صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی یہ آواز سُن کر بیدار ہوئیں کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن رسُول اللہ ﷺ کی بیوی ..... ؟ وہ پچھلی رات کو چلا آ رہا تھا۔ صبح کو اس جگہ پہنچا جہاں آپؓ موجود تھیں۔ انہوں نے جب حضرت عائشہؓ کو دیکھا تو پہچان لیا؛ کیونکہ وہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے بھی انہیں دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی اور اپنی سواری بٹھا کر حضرت عائشہؓ کے قریب کر دی۔ حضرت عائشہؓ اس پر سوار ہو گئیں۔ حضرت صفوان نے اِنَّا لِلّٰہِ کے سوا زبان سے ایک لفظ نہ نکالا چُپ چاپ سواری کی نکیل تھامی اور پیدل چلتے ہُوئے لشکر میں آ گئے۔ یہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اور لشکر پڑاؤ ڈال چکا تھا۔ انہیں اس کیفیت کے ساتھ آتا دیکھ کر مختلف لوگوں نے اپنے اپنے انداز پر تبصرہ کیا اور اللہ کے دشمن خبیث عبداللہ بن ابی کو بھڑاس نکالنے کا ایک اور موقع مل گیا۔ چنانچہ اس کے پہلو میں نفاق اور حسد کی جو چنگاری سلگ رہی تھی اس نے اس کے کربِ پنہاں کو عیاں اور نمایاں کیا، یعنی بدکاری کی تہمت تراش کر واقعات کے تانے بانے بننا، تہمت کے

خلکے میں رنگ بھرنا، اور اسے پھیلانا بڑھانا اور اُدھیڑنا اور بُننا شروع کیا۔ اس کے ساتھی بھی اسی بات کو بنیاد بنا کر اس کا تقرب حاصل کرنے لگے اور جب مدینہ آئے تو ان تہمت تراشوں نے خوب جم کر پروپیگنڈہ کیا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ خاموش تھے، کچھ بول نہیں رہے تھے؛ لیکن جب لمبے عرصے تک وحی نہ آئی تو آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے علیحدگی کے متعلق اپنے خاص صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صراحت کئے بغیر اشاروں اشاروں میں مشورہ دیا کہ آپ ان سے علیحدگی اختیار کر کے کسی اور سے شادی کر لیں لیکن حضرت اسامہؓ وغیرہ نے مشورہ دیا کہ آپؐ انہیں اپنی زوجیت میں برقرار رکھیں، اور دشمنوں کی بات پر کان نہ دھریں۔ اس کے بعد آپؐ نے منبر پر کھڑے ہو کر عبداللہ بن ابی کی ایذا رسانیوں سے نجات دلانے کی طرف توجہ دلائی۔ اس پر حضرت سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ نے اسکے قتل کی اجازت چاہی لیکن حضرت سعدؓ بن عبادہ پر جو عبداللہ بن ابی کے قبیلہ خزرج کے سردار تھے، قبائلی حمیت غالب آگئی اور دونوں حضرات میں ترش کلامی ہوگئی جس کے نتیجے میں دونوں قبیلے بھڑک اُٹھے۔ رسول اللہ ﷺ نے خاصی مشکل سے انہیں خاموش کیا، پھر خود بھی خاموش ہو گئے۔

ادھر حضرت عائشہؓ کا حال یہ تھا کہ وہ غزوے سے واپس آتے ہی بیمار پڑ گئیں اور ایک مہینے تک مسلسل بیمار رہیں۔ انہیں اس تہمت کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ البتہ انہیں یہ بات کھٹکتی رہتی تھی کہ بیماری کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جو لطف و عنایت ہوا کرتی تھی اب وہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ بیماری ختم ہوئی تو وہ ایک رات اُمِّ مسطحؓ کے ہمراہ قضائے حاجت کے لیے میدان میں گئیں۔ اتفاق سے اُمِّ مسطحؓ اپنی چادر میں پھنس کر پھسل گئیں اور اس پر انہوں نے اپنے بیٹے کو بد دعا دی۔ حضرت عائشہؓ نے اس حرکت پر انہیں ٹوکا تو انہوں نے حضرت عائشہؓ کو یہ بتلانے کے لیے کہ میرا بیٹا بھی پروپیگنڈے کے جرم میں شریک ہے تہمت کا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت عائشہؓ نے واپس آکر اس خبر کا ٹھیک ٹھیک پتا لگانے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ سے والدین کے پاس جانے کی اجازت چاہی؛ پھر اجازت پا کر والدین کے پاس تشریف لے گئیں اور صورتِ حال کا یقینی طور پر علم ہو گیا تو بے اختیار رونے لگیں اور پھر دو راتیں اور ایک دن روتے روتے گذر گیا۔ اس دوران نہ نیند کا سرمہ لگایا نہ آنسو کی جھڑی رکی۔ وہ محسوس کرتی تھیں کہ روتے روتے کلیجہ شق ہو جائے گا۔ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ کلمۂ شہادت پر مشتمل خطبہ پڑھا اور

امابعد کہہ کر فرمایا: "اے عائشہؓ مجھے تمہارے متعلق ایسی اور ایسی بات کا پتا لگا ہے۔ اگر تم اس سے بری ہو تو اللہ تعالیٰ عنقریب تمہاری براءت ظاہر فرما دے گا اور اگر خدانخواستہ تم سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگو اور توبہ کرو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کرکے اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے۔"

اس وقت حضرت عائشہؓ کے آنسو ایک دم تھم گئے اور اب انہیں آنسو کا ایک قطرہ بھی محسوس نہ ہو رہا تھا۔ انہوں نے اپنے والدین سے کہا کہ وہ آپؐ کو جواب دیں لیکن ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دیں۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے خود ہی کہا: "واللہ میں جانتی ہوں کہ یہ بات سنتے سنتے آپ لوگوں کے دلوں میں اچھی طرح بیٹھ گئی ہے اور آپ لوگوں نے اسے بالکل سچ سمجھ لیا ہے اس لیے اب اگر میں یہ کہوں کہ میں بری ہوں ـــــ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بری ہوں ـــــ تو آپ لوگ میری بات سچ نہ سمجھیں گے اور اگر میں کسی بات کا اعتراف کرلوں ـــــ حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں ـــــ تو آپ لوگ صحیح مان لیں گے۔ ایسی صورت میں واللہ میرے لیے اور آپ لوگوں کے لیے وہی مثل ہے جسے حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے کہا تھا کہ:

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝ (۱۲: ۱۸)

"صبر ہی بہتر ہے۔ اور تم لوگ جو کچھ کہتے ہو اس پر اللہ کی مدد مطلوب ہے۔"

اس کے بعد حضرت عائشہؓ دوسری طرف جا کر لیٹ گئیں اور اسی وقت رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہوگیا۔ پھر جب آپؐ سے نزولِ وحی کی شدت و کیفیت ختم ہوئی تو آپ مسکرا رہے تھے اور آپؐ نے پہلی بات جو فرمائی وہ یہ تھی کہ اے عائشہؓ اللہ نے تمہیں بری کردیا۔ اس پر (خوشی سے) ان کی ماں بولیں (عائشہ!) حضورؐ کی جانب اٹھو (شکریہ ادا کرو)۔ انہوں نے اپنے دامن کی براءت اور رسول اللہ ﷺ کی محبت پر اعتماد و وثوق کے سبب قدرے ناز کے انداز میں کہا: "واللہ میں تو ان کی طرف نہ اٹھوں گی اور صرف اللہ کی حمد کروں گی۔"

اس موقع پر واقعۂ افک سے متعلق جو آیات اللہ نے نازل فرمائیں وہ سورہ نور کی دس آیات ہیں جو ان الذین جاءوا بالافک عصبۃ منکم سے شروع ہوتی ہیں۔

اس کے بعد تہمت تراشی کے جرم میں مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش

رضی اللہ عنہم کو اسّی اسّی کوڑے مارے گئے[1] البتہ خبیث عبداللہ بن ابی کی پیٹھ اس سزا سے بچ گئی حالانکہ تہمت تراشوں میں وہی سرفہرست تھا اور اسی نے اس معاملے میں سب سے اہم رول ادا کیا تھا۔ اسے سزا نہ دینے کی وجہ یا تو یہ تھی کہ جن لوگوں پر حدود قائم کر دی جاتی ہیں وہ ان کے لیے اخروی عذاب کی تخفیف اور گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ اور عبداللہ بن ابی کو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں عذاب عظیم دینے کا اعلان فرما دیا تھا۔ یا پھر وہی مصلحت کارفرما تھی جس کی وجہ سے اس کی اسلام دشمنی کے باوجود اسے قتل نہیں کیا گیا[11] حافظ ابنِ حجرؒ نے امام حاکم کی ایک روایت نقل کی ہے کہ عبداللہ بن ابی کو بھی حد لگائی گئی تھی۔

اس طرح ایک مہینے کے بعد مدینہ کی فضا شک و شبہے اور قلق و اضطراب کے بادلوں سے صاف ہو گئی اور عبداللہ بن ابی اس طرح رسوا ہوا کہ دوبارہ سر نہ اٹھا سکا۔ ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب وہ کوئی گڑبڑ کرتا تو خود اس کی قوم کے لوگ اسے عتاب کرتے، اس کی گرفت کرتے اور اسے سخت سست کہتے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے کہا: "اے عمر! کیا خیال ہے؟ دیکھو! واللہ اگر تم نے اس شخص کو اس دن قتل کر دیا ہوتا جس دن تم نے مجھ سے اسے قتل کرنے کی بات کہی تھی تو اس کے بہت سے ہمدرد اٹھ کھڑے ہوتے لیکن اگر آج انہیں ہمدردوں کو اس کے قتل کا حکم دیا جائے تو وہ اسے قتل کر دیں گے۔" حضرت عمر نے کہا: "واللہ میری سمجھ میں خوب آگیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ میرے معاملے سے زیادہ بابرکت ہے۔"[12]

○

---

[1] اسلامی قانون یہی ہے کہ جو شخص کسی پر زنا کی تہمت لگائے اور ثبوت نہ پیش کرے اسے (یعنی اس تہمت لگانے والے کو) اسّی اسّی کوڑے مارے جائیں۔

[11] صحیح بخاری ۱/۳۶۴، ۲/۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، زاد المعاد ۲/۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ابن ہشام ۲/۲۹۷ تا ۳۰۷

[12] ابنِ ہشام ۲/۲۹۳

غزوۂ مُریسیع کے بعد کی فوجی مہمات

۱۔ سریّہ دیار بنی کلب۔ علاقہ دُومَۃ الجَندَل

یہ سریّہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی قیادت میں شعبان ۶ھ میں بھیجا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے سامنے بٹھا کر خود اپنے دستِ مبارک سے پگڑی باندھی اور لڑائی میں سب سے اچھی صورت اختیار کرنے کی وصیت فرمائی اور فرمایا کہ اگر وہ لوگ تمہاری اطاعت کرلیں تو تم ان کے بادشاہ کی لڑکی سے شادی کر لینا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر تین روز پیہم اسلام کی دعوت دی۔ بالآخر قوم نے اسلام قبول کرلیا۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تماضر بنت اصبغ سے شادی کی۔ یہی حضرت عبدالرحمٰن کے صاحبزادے ابوسلمہ کی ماں ہیں۔ اس خاتون کے والد اپنی قوم کے سردار اور بادشاہ تھے۔

۲۔ سریّہ دیار بنی سعد۔ علاقہ فدک

یہ سریّہ شعبان ۶ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روانہ کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ بنو سعد کی ایک جمعیت یہود کو کمک پہنچانا چاہتی ہے لہٰذا آپؐ نے حضرت علی رضؓ کو دو سو آدمی دے کر روانہ فرمایا۔ یہ لوگ رات میں سفر کرتے اور دن میں چھپے رہتے تھے۔ آخر ایک جاسوس گرفت میں آیا اور اس نے اقرار کیا کہ ان لوگوں نے خیبر کی کھجوروں کے عوض امداد فراہم کرنے کی پیشکش کی ہے۔ جاسوس نے یہ بھی بتلایا کہ بنو سعد نے کس جگہ جتھہ بندی کی ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن پر شبخون مار کر پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریوں پر قبضہ کرلیا۔ البتہ بنو سعد اپنی عورتوں بچوں سمیت بھاگ نکلے۔ ان کا سردار وبر بن علیم تھا۔

۳۔ سریّہ وادی القریٰ

یہ سریّہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے زیرِ قیادت رمضان ۶ھ میں روانہ کیا گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ بنو فزارہ کی ایک شاخ نے دھوکے سے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا تھا لہٰذا آپ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس سریّہ میں مَیں بھی آپ

کے ساتھ تھا جب ہم صبح کی نماز پڑھ چکے تو آپ کے حکم سے ہم لوگوں نے چھاپہ مارا اور چشمے پر دھاوا بول دیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو قتل کیا۔ میں نے ایک گروہ کو دیکھا جس میں عورتیں اور بچے بھی تھے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ مجھ سے پہلے پہاڑ پر نہ پہنچ جائیں میں نے ان کو پکڑنے کی کوشش کی اور ان کے اور پہاڑ کے درمیان ایک تیر پھینکا تیر دیکھ کر یہ لوگ ٹھہر گئے۔ ان میں اُمّ قرفہ نامی ایک عورت تھی جو ایک پُرانی پوستین اوڑھے ہوئے تھی۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی جو عرب کی خوبصورت ترین عورتوں میں سے تھی۔ میں ان سب کو کھینچتا ہوا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا۔ انہوں نے وہ لڑکی مجھے عطا کی۔ میں نے اس کا کپڑا تک نہ کھولا تھا کہ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لڑکی مجھ (سلمہؓ بن اکوع) سے لے کر مکہ بھیج دی اور اس کے عوض وہاں کے متعدد مسلمان قیدیوں کو رہا کرا لیا۔[1]

اُمّ قرفہ ایک شیطان صفت عورت تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی تدبیریں کیا کرتی تھی اور اس مقصد کے لیے اس نے اپنے خاندان کے تیس شہسوار بھی تیار کیے تھے لہٰذا اسے ٹھیک بدلہ مل گیا اور اس کے تیسوں سوار مارے گئے۔

۴۔ سریّہ عُرَنیّین

یہ سریّہ شوال ۶ھ میں حضرت کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ[2] کی قیادت میں روانہ کیا گیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ عُکل اور عُرینہ کے چند افراد نے مدینہ آکر اسلام کا اظہار کیا اور مدینہ ہی میں قیام کیا۔ لیکن ان کے لیے مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں چند اونٹوں کے ساتھ چراگاہ بھیج دیا اور حکم دیا کہ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پئیں۔ جب یہ لوگ تندرست ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راعی کو قتل کر دیا، اونٹوں کو ہانک لے گئے اور اظہارِ اسلام کے بعد اب پھر کفر اختیار کیا؛ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلاش کے لیے کرزؓ بن جابر فہری کو بیس صحابہؓ کی معیت میں روانہ فرمایا اور یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ عُرنیوں پر راستہ اندھا کر دے اور کنگن سے بھی زیادہ تنگ بنا دے۔ اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ ان پر راستہ اندھا کر دیا۔ چنانچہ وہ پکڑ لیے گئے اور انہوں نے مسلمان چرواہوں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس کے قصاص اور بدلے کے طور پر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے۔ آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور انھیں حرّہ کے ایک گوشے میں چھوڑ دیا گیا جہاں وہ زمین پر تڑپتے تڑپتے اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گئے۔[3] ان کا واقعہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[4]

---

[1] دیکھئے صحیح مسلم ۲/۸۹۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سریہ ۷ھ میں پیش آیا۔ [2] یہ وہی حضرت کرز بن جابر فہری ہیں جنہوں نے غزوہ بدر سے پہلے غزوہ سفوان میں مدینہ کے چوپایوں پر چھاپہ مارا تھا۔ بعد میں انہوں نے اسلام قبول کیا اور فتح مکہ کے موقع پر خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

[3] زاد المعاد ۲/۱۲۲ مع بعض اضافات [4] صحیح بخاری ۲/۶۰۲ وغیرہ

اہلِ سیر اس کے بعد ایک اور سریّہ کا ذکر کرتے ہیں جسے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمہؓ بن ابی سلمہ کی رفاقت میں شوال ۶ھ میں سر کیا تھا۔ اس کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے کہ حضرت عمروؓ بن اُمیہ ضمری ابوسفیان کو قتل کرنے کے لیے مکہ تشریف لے گئے تھے کیونکہ ابوسفیان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے ایک اعرابی کو مدینہ بھیجا تھا۔ البتہ فریقین میں سے کوئی بھی اپنی مہم میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اہلِ سیر یہ بھی کہتے ہیں کہ اسی سفر میں حضرت عمروؓ بن اُمیہ ضمری نے تین کافروں کو قتل کیا تھا اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش اٹھائی تھی حالانکہ حضرت خبیب کی شہادت کا واقعہ رجیع کے چند دن یا چند مہینے بعد کا ہے اور رجیع کا واقعہ صفر ۴ھ کا ہے اسلئے میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آیا یہ دونوں دو الگ الگ سفر کے واقعات تھے جو اہلِ سیر پر مختلط اور گڈمڈ ہوگئے اور انہوں نے دونوں کو ایک ہی سفر میں ذکر کردیا یا یہ کہ واقعتاً دونوں واقعے ایک ہی سفر میں پیش آئے لیکن اہلِ سیر سے سنہ کی تعیین میں غلطی ہوگئی اور انہوں نے اسے ۴ھ کے بجائے ۶ھ میں ذکر کردیا۔ حضرت علامہ منصورپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس واقعے کو جنگی مہم یا سریّہ تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ واللہ اعلم

یہ ہیں وہ سرایا اور غزوات جو جنگِ احزاب و بنی قُریظہ کے بعد پیش آئے۔ ان میں سے کسی بھی سریّے یا غزوے میں کوئی سخت جنگ نہیں ہوئی صرف بعض بعض میں معمولی قسم کی جھڑپیں ہوئیں۔ لہٰذا ان مہموں کو جنگ کے بجائے طلایہ گردی، فوجی گشت اور تادیبی نقل و حرکت کہا جاسکتا ہے جس کا مقصد ڈھیٹ بدوؤں اور اکڑے ہوئے دشمنوں کو خوفزدہ کرنا تھا۔ حالات پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ غزوۂ احزاب کے بعد صورتِ حال میں تبدیلی شروع ہوگئی تھی اور اعدائے اسلام کے حوصلے ٹوٹتے جارہے تھے۔ اب انہیں یہ امید باقی نہیں رہ گئی تھی کہ دعوتِ اسلام کو توڑا اور اس کی شوکت کو پامال کیا جاسکتا ہے، مگر یہ تبدیلی ذرا اچھی طرح کھل کر اس وقت رُونما ہوئی جب مسلمان صلح حدیبیہ سے فارغ ہوچکے۔ یہ صلح دراصل اسلامی قوت کا اعتراف اور اس بات پر مہرِ تصدیق تھی کہ اب اس قوت کو جزیرہ نمائے عرب میں باقی اور برقرار رہنے سے کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

○

صلح حُدَیبیہ (ذی قعدہ ۶ھ)

عمرۂ حدیبیہ کا سبب

جب جزیرۂ نمائے عرب میں حالات بڑی حد تک مسلمانوں کے موافق ہو گئے تو اسلامی دعوت کی کامیابی اور فتحِ اعظم کے آثار رفتہ رفتہ نمایاں ہونا شروع ہوئے اور مسجد حرام میں جس کا دروازہ مشرکین نے مسلمانوں پر چھ برس سے بند کر رکھا تھا، مسلمانوں کے لیے عبادت کا حق تسلیم کیے جانے کی تمہیدات شروع ہو گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کو مدینہ کے اندر یہ خواب دکھلایا گیا کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کرام مسجد حرام میں داخل ہوئے، آپؐ نے خانہ کعبہ کی کنجی لی اور صحابہؓ سمیت بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کیا۔ پھر کچھ لوگوں نے سر کے بال منڈائے اور کچھ نے کٹوانے پر اکتفا کی۔ آپؐ نے صحابہ کرام کو اس خواب کی اطلاع دی تو انھیں بڑی مسرت ہوئی۔ اور انہوں نے یہ سمجھا کہ اس سال مکہ میں داخلہ نصیب ہوگا۔ آپؐ نے صحابہ کرام کو یہ بھی بتلایا کہ آپؐ عمرہ ادا فرمائیں گے لہٰذا صحابہ کرام بھی سفر کے لیے تیار ہو گئے۔

مسلمانوں میں روانگی کا اعلان

آپؐ نے مدینہ اور گرد و پیش کی آبادیوں میں اعلان فرما دیا کہ لوگ آپؐ کے ہمراہ روانہ ہوں لیکن بیشتر اعراب نے تاخیر کی۔ ادھر آپؐ نے دُھلے کپڑے پہنے مدینہ پر ابن اُم مکتوم یا نمیلہ لیثی کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور اپنی قصوا نامی اونٹنی پر سوار ہو کر یکم ذی قعدہ ۶ھ روز دوشنبہ کو روانہ ہو گئے۔ آپؐ کے ہمراہ اُم المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ چودہ سو (اور کہا جاتا ہے کہ پندرہ سو) صحابہ کرام ہمرکاب تھے۔ آپؐ نے مسافرانہ ہتھیار یعنی میان کے اندر بند تلواروں کے سوا اور کسی قسم کا ہتھیار نہیں لیا تھا۔

مکہ کی جانب مسلمانوں کی حرکت

آپؐ کا رُخ مکہ کی جانب تھا۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ نے ہَدْی[1] کو قلادے پہنائے۔ کوہان چیر کر نشان بنایا اور عمرہ کا احرام باندھا

---

[1] ہَدْی ـــــ وہ جانور جسے حج و عمرہ کرنے والے مکہ یا منیٰ میں ذبح کرتے ہیں۔ دورِ جاہلیت میں عرب میں دستور تھا کہ ہَدْی کا جانور اگر بھیڑ بکری ہے تو علامت کے طور پر گلے میں قلادہ ڈال دیا جاتا تھا اور اگر اونٹ ہے تو کوہان چیر کر خون پوت دیا جاتا تھا۔ ایسے جانور سے کوئی شخص تعرض نہ کرتا تھا۔ شریعت نے اس دستور کو برقرار رکھا۔

تاکہ لوگوں کو اطمینان رہے کہ آپؐ جنگ نہیں کریں گے۔ آگے آگے قبیلہ خزاعہ کا ایک جاسوس بھیج دیا تاکہ وہ قریش کے عزائم کی خبر لائے۔ عسفان کے قریب پہنچے تو اس جاسوس نے آکر اطلاع دی کہ میں کعب بن لؤی (قبیلہ) کو اس حالت میں چھوڑ کر آرہا ہوں کہ انھوں نے آپؐ سے مقابلہ کرنے کے لیے احابیش (حلیف قبائل) کو جمع کر رکھا ہے؛ اور بھی جمعیتیں فراہم کی ہیں اور وہ آپؐ سے لڑنے اور آپؐ کو بیت اللہ سے روکنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔ اس اطلاع کے بعد نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا اور فرمایا: "کیا آپ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یہ لوگ جو قریش کی اعانت پر کمربستہ ہیں ہم ان کے اہل وعیال پر ٹوٹ پڑیں اور قبضہ کرلیں؟ اس کے بعد اگر وہ خاموش بیٹھتے ہیں تو اس حالت میں خاموش بیٹھتے ہیں کہ جنگ کی مار اور غم و الم سے دوچار ہو چکے ہیں اور آتے ہیں تو وہ بھی اس حالت میں کہ اللہ ان کی گردن توڑ چکا ہوگا؛ یا آپ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ ہم خانہ کعبہ کا رُخ کریں اور جو راہ میں حائل ہو اس سے لڑائی کریں؟" اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ مگر ہم عمرہ ادا کرنے آئے ہیں، کسی سے لڑنے نہیں آئے ہیں۔ البتہ جو ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہوگا اس سے لڑائی کریں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا "اچھا تب چلو۔ چنانچہ لوگوں نے سفر جاری رکھا۔

بیت اللہ سے مسلمانوں کو روکنے کی کوشش

ادھر قریش کو رسول اللہ ﷺ کی روانگی کا علم ہوا تو انہوں نے ایک مجلس شوریٰ منعقد کی اور طے کیا کہ جیسے بھی ممکن ہو مسلمانوں کو بیت اللہ سے دُور رکھا جائے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب احابیش سے کترا کر اپنا سفر جاری رکھا تو بنی کعب کے ایک آدمی نے آکر آپؐ کو اطلاع دی کہ قریش نے مقام ذی طویٰ میں پڑاؤ ڈال رکھا ہے اور خالد بن ولید دو سو سواروں کا دستہ لے کر کُراع الغمیم میں تیار کھڑے ہیں (کُراع الغمیم، مکہ جانے والی مرکزی اور کاروانی شاہراہ پر واقع ہے) خالد نے مسلمانوں کو روکنے کی بھی کوشش کی چنانچہ انہوں نے اپنے سواروں کو ایسی جگہ تعینات کیا جہاں سے دونوں فریق ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ خالد نے ظہر کی نماز میں جب یہ دیکھا کہ مسلمان رکوع اور سجدے کر رہے ہیں تو کہنے لگے کہ یہ لوگ غافل تھے ہم نے حملہ کر دیا ہوتا تو انھیں مار لیا ہوتا۔ اس کے بعد طے کیا کہ عصر کی نماز میں مسلمانوں پر اچانک ٹوٹ پڑیں گے، لیکن اللہ نے اسی دوران صلوٰۃ خوف (حالت جنگ کی مخصوص نماز) کا حکم نازل کر دیا اور خالد کے ہاتھ سے موقع جاتا رہا۔

خونریز ٹکراؤ سے بچنے کی کوشش اور راستے کی تبدیلی

ادھر رسول اللہ ﷺ نے کُراع الغمیم کا مرکزی راستہ چھوڑ کر ایک

دوسرا پُرپیچ راستہ اختیار کیا جو پہاڑی گھاٹیوں کے درمیان سے ہو کر گزرتا تھا۔ یعنی آپؐ داہنے جانب کترا کر حمش کے درمیان سے گزرتے ہوئے ایک ایسے راستے پر چلے جو ثنیۃ المرار پر نکلتا تھا۔ ثنیۃ المرار سے حدیبیہ میں اترتے ہیں اور حدیبیہ مکہ کے زیریں علاقہ میں واقع ہے۔ اس راستے کو اختیار کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ کُراعَ الغَمِیم کا وہ مرکزی راستہ جو تنعیم سے گذر کر حرم تک جاتا تھا، اور جس پر خالد بن ولید کا رسالہ تعینات تھا وہ بائیں جانب چھوٹ گیا۔ خالد نے مسلمانوں کے گرد و غبار کو دیکھ کر جب یہ محسوس کیا کہ انہوں نے راستہ تبدیل کر دیا ہے تو گھوڑے کو ایڑ لگائی اور قریش کو اس نئی صورتِ حال کے خطرے سے آگاہ کرنے کیلئے بھاگم بھاگ مکہ پہنچے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا سفر بدستور جاری رکھا۔ جب ثنیۃ المرار پہنچے تو اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا، حل حل۔ لیکن وہ بیٹھی ہی رہی۔ لوگوں نے کہا، قصواء اڑ گئی ہے۔ آپ نے فرمایا، قصواء اڑی نہیں ہے اور نہ اس کی یہ عادت ہے بلکہ اسے اس ہستی نے روک رکھا ہے جس نے ہاتھی کو روک دیا تھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ لوگ کسی بھی ایسے معاملے کا مطالبہ نہیں کریں گے جس میں اللہ کی حُرمتوں کی تعظیم کر رہے ہوں لیکن میں اسے ضرور تسلیم کر لوں گا۔" اس کے بعد آپؐ نے اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر آپؐ نے راستہ میں تھوڑی سی تبدیلی کی اور اقصائے حدیبیہ میں ایک چشمہ پر نزول فرمایا جس میں تھوڑا سا پانی تھا اور اسے لوگ ذرا ذرا سا لے رہے تھے؛ چنانچہ چند ہی لمحوں میں سارا پانی ختم ہو گیا۔ اب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پیاس کی شکایت کی۔ آپؐ نے ترکش سے ایک تیر نکالا اور حکم دیا کہ چشمے میں ڈال دیں۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد واللہ اس چشمے سے مسلسل پانی ابلتا رہا یہاں تک کہ تمام لوگ آسودہ ہو کر واپس ہو گئے۔

بُدَیل بن وَرقاء کا توسط

رسول اللہ ﷺ مطمئن ہو چکے تو بُدَیل بن ورقاء خزاعی اپنے قبیلہ خزاعہ کے چند افراد کی معیت میں حاضر ہوا۔ تہامہ کے باشندوں میں یہی قبیلہ (خزاعہ) رسول اللہ ﷺ کا خیر خواہ تھا۔ بدیل نے کہا: "میں کعب بن لؤی کو دیکھ کر آ رہا ہوں کہ وہ حدیبیہ کے فراواں پانی کے پاس پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ ان کے ہمراہ عورتیں اور بچے بھی ہیں۔ وہ آپؐ سے لڑنے اور آپؐ کو بیت اللہ سے روکنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہیں۔ قریش کو لڑائیوں نے تھکا دیا ہے اور سخت ضرر پہنچایا ہے اسلیے اگر وہ چاہیں تو ان سے ایک مدت طے کر لوں اور وہ میرے اور لوگوں کے درمیان سے ہٹ جائیں؛ پھر میرے غلبے کی صورت میں جس چیز (میری اطاعت) میں لوگ داخل ہونگے اس میں وہ بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ ورنہ مدت کے اختتام تک وہ تازہ دم تو ہو ہی چکے ہوں گے۔

اور اگر انہیں لڑائی کے سوا کچھ منظور نہیں تو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اپنے دین کے معاملے میں ان سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک کہ میری گردن جُدا نہ ہو جائے یا جب تک اللہ اپنا امر نافذ نہ کر دے"۔

بُدَیل نے کہا: "آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں میں اسے قریش تک پہنچا دوں گا۔ اس کے بعد وہ قریش کے پاس پہنچا اور بولا میں ان صاحب کے پاس سے آرہا ہوں میں نے ان سے ایک بات سنی ہے اگر چاہو تو پیش کر دوں۔ اس پر بیوقوفوں نے کہا ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ تم ہم سے ان کی کوئی بات بیان کرو، لیکن جو لوگ سوجھ بوجھ رکھتے تھے انہوں نے کہا "لاؤ سناؤ تم نے کیا سُنا ہے؟ بدیل نے کہا" میں نے انہیں یہ اور یہ بات کہتے سُنا ہے۔ اس پر قریش نے مکرز بن حفص کو بھیجا۔ اسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ بدعہد آدمی ہے" چنانچہ جب اس نے آپؐ کے پاس آکر گفتگو کی تو آپؐ نے اس سے وہی بات کہی جو بدیل اور اس کے رفقا سے کہی تھی۔ اس نے واپس جا کر قریش کو پوری بات سے باخبر کیا۔

قریش کے ایلچی اسکے بعد حلیس بن علقمہ نامی بنو کنانہ کے ایک آدمی نے کہا" مجھے ان کے پاس جانے دو۔ لوگوں نے کہا "جاؤ جب وہ نمودار ہوا تو نبی ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: "یہ فلاں شخص ہے۔ یہ ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے جو ہَدی کے جانوروں کا بہت احترام کرتی ہے لہٰذا جانوروں کو کھڑا کر دو" صحابہ نے جانوروں کو کھڑا کر دیا اور خود بھی لبیک پکارتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ اس شخص نے یہ کیفیت دیکھی تو کہا "سبحان اللہ! ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا ہرگز مناسب نہیں۔ اور وہیں سے اپنے ساتھیوں کے پاس واپس چلا گیا اور بولا: "میں نے ہَدی کے جانور دیکھے ہیں جن کے گلوں میں قلادے ہیں اور جن کے کوہان چیرے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں مناسب نہیں سمجھتا کہ انہیں بیت اللہ سے روکا جائے"۔ اس پر قریش اور اس شخص میں کچھ ایسی باتیں ہوئیں کہ وہ تاؤ میں آگیا۔

اس موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی نے مداخلت کی اور بولا! اس شخص (محمد ﷺ) نے تمہارے سامنے ایک اچھی تجویز پیش کی ہے لہٰذا اسے قبول کر لو۔ اور مجھے ان کے پاس جانے دو۔ لوگوں نے کہا "جاؤ۔ چنانچہ وہ آپؐ کے پاس حاضر ہوا اور گفتگو شروع کی۔ نبی ﷺ نے اس سے بھی وہی بات کہی جو بدیل سے کہی تھی۔ اس پر عروہ نے کہا: "اے محمدؐ! یہ بتائیے کہ اگر آپؐ نے اپنی قوم کا صفایا بھی کر دیا تو کیا اپنے آپ سے پہلے کسی عرب کے متعلق سُنا ہے کہ اُس نے اپنی قوم کا صفایا کر دیا ہو؟ اور اگر دوسری صورتِ حال پیش آئی تو خدا کی قسم میں ایسے چہرے اور ایسے اوباش لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو اسی لائق ہیں کہ آپؐ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں"۔

اس پر حضرت ابوبکرؓ نے غصّے میں آکر کہا "جا! لات کی شرمگاہ کو چوس! ہم حضور کو چھوڑ کر بھاگیں گے! عروہ نے کہا" یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا ابوبکرؓ ہیں۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب کر کے کہا: "دیکھو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ایسی بات نہ ہوتی کہ تم نے مجھ پر ایک احسان کیا تھا اور میں نے اس کا بدلہ نہیں دیا ہے تو میں یقیناً تمہاری اس بات کا جواب دیتا۔"

اس کے بعد عروہ پھر نبی ﷺ سے گفتگو کرنے لگا۔ وہ جب گفتگو کرتا تو آپ کی ڈاڑھی پکڑ لیتا۔ مغیرہؓ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے سر کے پاس ہی کھڑے تھے۔ ہاتھ میں تلوار تھی اور سر پر خود۔ عروہ جب نبی ﷺ کی داڑھی پر ہاتھ بڑھاتا تو وہ تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے کہ اپنا ہاتھ نبی ﷺ کی داڑھی سے پرے رکھ۔ آخر عروہ نے اپنا سر اٹھایا اور بولا "یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: مغیرہؓ بن شعبہ ہیں۔ اس پر اس نے کہا... او... بدعہد...! کیا میں تیری بدعہدی کے سلسلے میں دوڑ دھوپ نہیں کر رہا ہوں؟ واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ جاہلیت میں حضرت مغیرہؓ کچھ لوگوں کے ساتھ تھے پھر انہیں قتل کر کے ان کا مال لے بھاگے تھے اور آکر مسلمان ہو گئے تھے۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں اسلام تو قبول کر لیتا ہوں لیکن مال سے میرا کوئی واسطہ نہیں (اس معاملے میں عروہ کے دوڑ دھوپ کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مغیرہ اس کے بھتیجے تھے۔)

اس کے بعد عروہ نبی ﷺ کے ساتھ صحابہؓ کرام کے تعلقِ خاطر کا منظر دیکھنے لگا۔ پھر اپنے رفقاء کے پاس واپس آیا اور بولا: "اے قوم، بخدا میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے پاس جا چکا ہوں۔ بخدا میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اسکے ساتھی اُسکی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد کے ساتھی محمد کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! وہ کھنکار بھی تھوکتے تھے تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا تھا اور وہ شخص اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا تھا۔ اور جب وہ کوئی حکم دیتے تھے تو اس کی بجا آوری کے لیے سب دوڑ پڑتے تھے؛ اور جب وضو کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اس کے وضو کے پانی کے لیے لوگ لڑ پڑیں گے؛ اور جب کوئی بات بولتے تھے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے تھے اور فرطِ تعظیم کے سبب انہیں بھرپور نظر سے نہ دیکھتے تھے؛ اور انہوں نے تم پر ایک اچھی تجویز پیش کی ہے لہٰذا اسے قبول کر لو۔"

وہی ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے روکے

جب قریش کے پُرجوش اور جنگ باز نوجوانوں نے دیکھا کہ ان کے سربرآوردہ حضرات صلح کے جویا ہیں تو انہوں نے صلح میں ایک رخنہ اندازی کا پروگرام بنایا اور یہ طے کیا کہ رات کو یہاں سے

نکل کر چپکے سے مسلمانوں کے کیمپ میں گھس جائیں اور ایسا ہنگامہ برپا کر دیں کہ جنگ کی آگ بھڑک اُٹھے۔ پھر انہوں نے اس منصوبے پر عمل کے لیے کوشش بھی کی۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں ستر یا اسّی نوجوانوں نے جبلِ تنعیم سے اتر کر مسلمانوں کے کیمپ میں چپکے سے گھسنے کی کوشش کی لیکن اسلامی پہرے داروں کے کمانڈر محمدؓ بن مسلمہ نے ان سب کو گرفتار کر لیا، پھر نبی ﷺ نے صلح کی خاطر ان سب کو معاف کرتے ہوئے آزاد کر دیا۔ اسی کے بارے میں اللہ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

وَهُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ (۴۸: ۲۴)

"وہی ہے جس نے بطنِ مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے روکے اور تمہارے ہاتھ ان سے روکے؛ اس کے بعد کہ تم کو ان پر قابو دے چکا تھا۔"

حضرت عثمانؓ کی سفارت

اب رسول اللہ ﷺ نے سوچا کہ ایک سفیر روانہ فرمائیں جو قریش کے سامنے مؤکد طریقے پر آپؐ کے موجودہ سفر کے مقصد و موقف کی وضاحت کر دے۔ اس کام کے لیے آپؐ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ لیکن انہوں نے یہ کہتے ہوئے معذرت کی کہ اے اللہ کے رسول! اگر مجھے اذیت دی گئی تو مکہ میں بنی کعب کا ایک فرد بھی ایسا نہیں جو میری حمایت میں بگڑ سکتا ہو۔ آپؐ حضرت عثمان بن عفان کو بھیج دیں۔ ان کا کنبہ قبیلہ مکہ ہی میں ہے۔ وہ آپؐ کا پیغام اچھی طرح پہنچا دیں گے۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو بلایا اور قریش کے پاس روانگی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: "انہیں بتلا دو کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں، عمرہ کرنے آئے ہیں۔ انہیں اسلام کی دعوت بھی دو۔" آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو یہ حکم بھی دیا کہ وہ مکہ میں اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں کے پاس جا کر انہیں فتح کی بشارت سُنا دیں اور یہ بتلا دیں کہ اللہ عزّ و جلّ اب اپنے دین کو مکہ میں ظاہر و غالب کرنے والا ہے یہاں تک کہ ایمان کی وجہ سے کسی کو یہاں رُوپوش ہونے کی ضرورت نہ ہوگی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کا پیغام لے کر روانہ ہوئے۔ مقام بلدح میں قریش کے پاس سے گذرے تو انہوں نے پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ اور یہ پیغام دے کر بھیجا ہے۔ قریش نے کہا ہم نے آپؐ کی بات سُن لی۔ آپ اپنے کام پر جائیے۔ ادھر سعید بن عاص نے اُٹھ کر حضرت عثمانؓ کو مرحبا کہا اور اپنے گھوڑے پر زین کس کر آپؓ کو سوار کیا اور ساتھ بٹھا کر اپنی پناہ میں مکہ لے گیا۔ وہاں جا کر حضرت عثمانؓ نے سربراہانِ قریش کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام سنایا۔ اس سے فارغ ہو چکے

توقریش نے پیشکش کی کہ آپؐ بیت اللہ کا طواف کریں مگر آپؐ نے یہ پیش کش مسترد کر دی اور یہ گوارا نہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے طواف کرنے سے پہلے خود طواف کریں۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ اور بیعتِ رضوان

حضرت عثمانؓ اپنی سفارت کی مہم پوری کر چکے تھے لیکن قریش نے انہیں اپنے پاس روک لیا۔ غالباً وہ چاہتے تھے کہ پیش آمدہ صورتِ حال پر باہم مشورہ کر کے کوئی قطعی فیصلہ کریں اور حضرت عثمانؓ کو ان کے لائے ہوئے پیغام کا جواب دے کر واپس کریں۔ مگر حضرت عثمانؓ کے دیر تک رُکے رہنے کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ انہیں قتل کر دیا گیا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے فرمایا ہم اس جگہ سے ٹل نہیں سکتے یہاں تک کہ لوگوں سے معرکہ آرائی کریں۔ پھر آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو بیعت کی دعوت دی۔ صحابہ کرام ٹوٹ پڑے اور اس بات پر بیعت کی کہ میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ نہیں سکتے۔ ایک جماعت نے موت پر بیعت کی؛ یعنی مر جائیں گے مگر میدانِ جنگ نہ چھوڑیں گے۔ سب سے پہلے ابوسنانؓ اسدی نے بیعت کی۔ حضرت سلمہؓ بن اکوع نے تین بار بیعت کی۔ شروع میں، درمیان میں اور اخیر میں۔ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے۔ پھر جب بیعت مکمل ہو چکی تو حضرت عثمانؓ بھی آ گئے اور انہوں نے بھی بیعت کی۔ اس بیعت میں صرف ایک آدمی نے جو منافق تھا شرکت نہیں کی، اس کا نام جد بن قیس تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی۔ حضرت عمرؓ دستِ مبارک تھامے ہوئے تھے اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے درخت کی بعض ٹہنیاں پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے اوپر سے ہٹا رکھی تھیں۔ اسی بیعت کا نام بیعتِ رضوان ہے اور اسی کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (۴۸:۱۸)

"اللہ مومنین سے راضی ہوا جب کہ وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے"۔

صلح اور دفعاتِ صلح

بہرحال قریش نے صورتِ حال کی نزاکت محسوس کر لی، لہٰذا جھٹ سُہیل بن عمرو کو معاملاتِ صلح طے کرنے کے لیے روانہ کیا اور یہ تاکید کر دی کہ صلح میں لازماً یہ بات طے کی جائے کہ آپؐ اس سال واپس چلے جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ عرب یہ کہیں کہ آپؐ ہمارے شہر میں جبراً داخل ہو گئے۔ ان ہدایات کو لے کر سہیل بن عمرو آپ کے پاس حاضر ہوا۔ نبی ﷺ نے اسے آتا دیکھ کر صحابہ کرام سے فرمایا: "تمہارا کام تمہارے لیے سہل کر دیا گیا۔ اس شخص کو بھیجنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ قریش صلح چاہتے ہیں"۔ سُہیل نے آپ کے پاس پہنچ کر دیر تک گفتگو کی اور بالآخر طرفین میں صلح کی دفعات طے ہو گئیں

جو یہ تھیں :

۱۔ رسول اللہ ﷺ اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس جائیں گے۔ اگلے سال مسلمان مکہ آئیں گے اور تین روز قیام کریں گے۔ ان کے ساتھ سوار کا ہتھیار ہوگا۔ میانوں میں تلواریں ہوں گی اور ان سے کسی قسم کا تعرّض نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ دس سال تک فریقین جنگ بند رکھیں گے۔ اس عرصے میں لوگ مامون رہیں گے، کوئی کسی پر ہاتھ نہیں اُٹھائے گا۔

۳۔ جو محمدؐ کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکے گا اور جو قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکے گا۔ جو قبیلہ جس فریق میں شامل ہوگا اس فریق کا ایک جزو سمجھا جائے گا لہٰذا ایسے کسی قبیلے پر زیادتی ہوئی تو خود اس فریق پر زیادتی متصور ہوگی۔

۴۔ قریش کا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر ــــ یعنی بھاگ کر ــ محمدؐ کے پاس جائے گا محمدؐ اسے واپس کر دیں گے لیکن محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو شخص ــــ پناہ کی غرض سے بھاگ کر ــــ قریش کے پاس آئے گا قریش اسے واپس نہ کریں گے۔

اس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ کو بلایا کہ تحریر لکھ دیں اور یہ املا کرایا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس پر سہیل نے کہا، ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہے؟ آپ یوں لکھئے باسمک اللّٰھم (اے اللہ تیرے نام سے) نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ یہی لکھو۔ اس کے بعد آپؐ نے یہ املا کرایا، یہ وہ بات ہے جس پر محمدؐ رسول اللہ نے مصالحت کی۔ اس پر سہیل نے کہا، اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو پھر ہم نہ تو آپؐ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ جنگ کرتے لہٰذا آپ محمد بن عبداللہ لکھوائیے۔ آپؐ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم لوگ جھٹلاؤ۔ پھر حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ محمد بن عبداللہ لکھیں اور لفظ "رسول اللہ" مٹا دیں لیکن حضرت علیؓ نے گوارا نہ کیا کہ اس لفظ کو مٹائیں لہٰذا نبی ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ اس کے بعد پوری دستاویز لکھی گئی۔

پھر جب صلح مکمل ہو چکی تو بنو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے۔ یہ لوگ درحقیقت عبدالمطلب کے زمانے ہی سے بنو ہاشم کے حلیف تھے جیسا کہ آغاز کتاب میں گذر چکا ہے، اس لیے اس عہد و پیمان میں داخلہ درحقیقت اسی قدیم حلف کی تاکید اور پختگی تھی۔ دوسری طرف بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے۔

ابوجندلؓ کی واپسی

نوشتۂ صلح ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ سہیل کے بیٹے ابوجندلؓ اپنی بیڑیاں گھسیٹتے آپہنچے۔ وہ زیریں مکہ سے نکل کر آئے تھے۔ انہوں نے یہاں پہنچ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا۔ سہیل نے کہا، یہ پہلا شخص ہے جس کے متعلق میں آپؐ سے معاملہ کرتا ہوں کہ آپؐ اسے واپس کر دیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا، ابھی تو ہم نے نوشتہ مکمل نہیں کیا ہے۔ اس نے کہا، تب میں آپؐ سے کسی بات پر صلح کا کوئی معاملہ ہی نہ کروں گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا، اچھا تو تم اس کو میری خاطر چھوڑ دو۔ اس نے کہا، میں آپؐ کی خاطر بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ آپؐ نے فرمایا، نہیں نہیں اتنا تو کر ہی دو۔ اس نے کہا نہیں میں نہیں کر سکتا۔ پھر سہیل نے ابوجندلؓ کے چہرے پر چانٹا رسید کیا۔ اور مشرکین کی طرف واپس کرنے کے لیے ان کے کرتے کا گلا پکڑ کر گھسیٹا۔ ابوجندلؓ زور زور سے چیخ کر کہنے لگے: مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف واپس کیا جاؤں گا کہ وہ مجھے میرے دین کے متعلق فتنے میں ڈالیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابوجندلؓ! صبر کرو اور اسے باعثِ ثواب سمجھو۔ اللہ تمہارے لیے اور تمہارے ساتھ جو دوسرے کمزور مسلمان ہیں ان سب کے لیے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔ ہم نے قریش سے صلح کر لی ہے اور ہم نے ان کو اور انہوں نے ہم کو اس پر اللہ کا عہد دے رکھا ہے اس لیے ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔"

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اچھل کر ابوجندلؓ کے پاس پہنچے۔ وہ ان کے پہلو میں چلتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے: ابوجندلؓ! صبر کرو۔ یہ لوگ مشرک ہیں۔ ان کا خون تو بس کتے کا خون ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اپنی تلوار کا دستہ بھی ان کے قریب کرتے جا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ مجھے امید تھی کہ وہ تلوار لے کر اپنے باپ (سہیل) کو اڑا دیں گے لیکن انہوں نے اپنے باپ کے بارے میں بخل سے کام لیا اور معاہدۂ صلح نافذ ہو گیا۔

عمرہ سے حلال ہونے کے لیے قربانی اور بالوں کی کٹائی

رسول اللہ ﷺ معاہدۂ صلح لکھوا کر فارغ ہو چکے تو فرمایا، اٹھو! اور اپنے اپنے جانور قربان کر دو۔ لیکن واللہ کوئی بھی نہ اٹھا، حتیٰ کہ آپ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی مگر پھر بھی کوئی نہ اٹھا تو آپ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور لوگوں کے اس پیش آمدہ طرزِ عمل کا ذکر کیا۔ ام المومنینؓ نے کہا: "یا رسول اللہ اگر آپ ایسا چاہتے ہیں؟ تو پھر آپؐ تشریف لے جائیے اور کسی سے کچھ کہے بغیر چپ چاپ اپنا جانور ذبح کر دیجئے اور اپنے حجام کو بلا کر سر منڈا لیجئے۔" اسکے بعد رسول اللہ ﷺ باہر تشریف

لائے اور کسی سے کچھ کہے بغیر ہی کیا۔ یعنی اپنا ہدی کا جانور ذبح کر دیا اور حجام کو بلا کر سر منڈا لیا۔ جب لوگوں نے دیکھا تو خود بھی اٹھ کر اپنے اپنے جانور ذبح کر دیے اور اس کے بعد باہم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔ کیفیت یہ تھی کہ معلوم ہوتا تھا فرطِ غم کے سبب ایک دوسرے کو قتل کر دینگے۔ اس موقعہ پر گائے اور اونٹ سات سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیے گئے۔ آپؐ نے وہ اُونٹ ذبح کیا جو کسی زمانے میں ابوجہل کے پاس تھا۔ اُسکی ناک میں چاندی کا ایک حلقہ تھا۔ اِس کا مقصد یہ تھا کہ مشرکین جل بھن کر رہ جائیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے سر منڈانے والوں کے لیے تین بار مغفرت کی دعا کی اور قینچی سے کٹانے والوں کے لیے ایک بار۔ اسی سفر میں اللہ تعالےٰ نے حضرت کعبؓ بن عجرہ کے سلسلے میں یہ حکم بھی نازل فرمایا کہ جو شخص اذیّت کے سبب اپنا سر (حالتِ احرام میں) منڈا لے وہ روزے یا صدقے یا ذبیحے کی شکل میں فدیہ دے۔

مہاجرہ عورتوں کی واپسی سے اِنکار

اس کے بعد کچھ مومنہ عورتیں آگئیں۔ ان کے اولیائے نے مطالبہ کیا کہ حدیبیہ میں جو صلح مکمل ہو چکی ہے اس کی رُو سے اُنہیں واپس کیا جائے لیکن آپؐ نے یہ مطالبہ اس دلیل کی بنا پر مسترد کر دیا کہ اس دفعہ کے متعلق معاہدے میں جو لفظ لکھا گیا تھا وہ یہ تھا:

وعلی ان لا یاتیك منا رجل وان كان علی دینك الا رددته علینا[1]

"اور (یہ معاہدہ اس شرط پر کیا جا رہا ہے کہ) ہمارا جو آدمی آپ کے پاس جائے گا آپ اسے لازماً واپس کر دیں گے خواہ وہ آپ ہی کے دین پر کیوں نہ ہو۔"

لہٰذا عورتیں اس معاہدے میں سرے سے داخل ہی نہ تھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلے میں یہ آیت بھی نازل فرمائی:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۭ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ...(۶۰ : ۱۰)

"اے اہلِ ایمان جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان لو، اللہ ان کے ایمان کو بہتر جانتا ہے، پس اگر انہیں مومنہ جانو تو کفار کی طرف نہ پلٹاؤ۔ نہ وہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے لیے حلال ہیں۔ البتہ ان کے کافر شوہروں نے جو مہر ان کو دیے تھے اسے واپس دے دو اور (پھر) تم پر کوئی حرج نہیں کہ ان سے نکاح کر لو جب کہ انہیں ان کے مہر ادا کرو۔ اور کافرہ عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو۔"

---

[1] صحیح بخاری ۱/۳۸۰

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب کوئی مومنہ عورت ہجرت کر کے آتی تو رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی روشنی میں اس کا امتحان لیتے کہ،

..اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (۶۰:۱۲)

"اے نبیؐ! جب تمہارے پاس مومن عورتیں آئیں اور اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان سے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی اور کسی معروف بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لیے اللہ سے دعاء مغفرت کرو، یقیناً اللہ غفور رحیم ہے۔"

چنانچہ جو عورتیں اس آیت میں ذکر کی ہوئی شرائط کی پابندی کا عہد کرتیں۔ آپ ان سے فرماتے کہ میں نے تم سے بیعت لے لی۔ پھر انہیں واپس نہ کرتے۔

اس حکم کے مطابق مسلمانوں نے اپنی کافرہ بیویوں کو طلاق دے دی۔ اس وقت حضرت عمرؓ کی زوجیت میں دو عورتیں تھیں جو شرک پر قائم تھیں۔ آپؓ نے ان دونوں کو طلاق دے دی۔ پھر ایک سے معاویہ نے شادی کر لی اور دوسری سے صفوان بن امیہ نے۔

اس معاہدے کی دفعات کا حاصل

یہ ہے صلح حدیبیہ۔ جو شخص اس کی دفعات کا ان کے پس منظر سمیت جائزہ لے گا اسے کوئی شبہ نہ رہے گا کہ یہ مسلمانوں کی فتح عظیم تھی، کیونکہ قریش نے اب تک مسلمانوں کا وجود تسلیم نہیں کیا تھا اور انہیں نیست و نابود کرنے کا تہیہ کیے بیٹھے تھے۔ انہیں انتظار تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ قوت دم توڑ دے گی۔ اس کے علاوہ قریش جزیرۃ العرب کے دینی پیشوا اور دنیاوی صدر نشین ہونے کی حیثیت سے اسلامی دعوت اور عام لوگوں کے درمیان پوری قوت کے ساتھ حائل رہنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اس پس منظر میں دیکھئے تو صلح کی جانب محض جھک جانا ہی مسلمانوں کی قوت کا اعتراف اور اس بات کا اعلان تھا کہ اب قریش اس قوت کو کچلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ پھر تیسری دفعہ کے پیچھے صاف طور پر یہ نفسیاتی کیفیت کارفرما نظر آتی ہے کہ قریش کو دنیاوی صدر نشینی اور دینی پیشوائی کا جو منصب حاصل تھا اسے انہوں نے بالکل بھلا دیا تھا اور اب انہیں صرف اپنی پڑی تھی۔ ان کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا کہ بقیہ لوگوں کا کیا بنتا ہے۔ یعنی اگر سارے

کا سارا جزیرۃ العرب حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائے تو قریش کو اس کی کوئی پروا نہیں اور وہ اس میں کسی طرح کی مداخلت نہ کریں گے۔ کیا قریش کے عزائم اور مقاصد کے لحاظ سے یہ ان کی شکستِ فاش نہیں ہے؟ اور مسلمانوں کے مقاصد کے لحاظ سے یہ فتحِ مبین نہیں ہے؟ آخر اہلِ اسلام اور اعدائے اسلام کے درمیان جو خونریز جنگیں پیش آئی تھیں ان کا منشا اور مقصد اس کے سوا کیا تھا کہ عقیدے اور دین کے بارے میں لوگوں کو مکمل آزادی اور خود مختاری حاصل ہو جائے۔ یعنی اپنی آزاد مرضی سے جو شخص چاہے مسلمان ہو اور جو چاہے کافر رہے، کوئی طاقت ان کی مرضی اور ارادے کے سامنے روڑا بن کر کھڑی نہ ہو۔ مسلمانوں کا یہ مقصد تو ہرگز نہ تھا کہ دشمن کے مال ضبط کیے جائیں، انہیں موت کے گھاٹ اتارا جائے، اور انہیں زبردستی مسلمان بنایا جائے۔ یعنی مسلمانوں کا مقصود صرف وہی تھا جسے علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن　　نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس صلح کے ذریعے مسلمانوں کا مذکورہ مقصد اپنے تمام اجزا اور لوازم سمیت حاصل ہو گیا اور اس طرح حاصل ہو گیا کہ بسا اوقات جنگ میں فتحِ مبین سے ہمکنار ہونے کے باوجود حاصل نہیں ہو پاتا۔ پھر اس آزادی کی وجہ سے مسلمانوں نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں نہایت زبردست کامیابی حاصل کی چنانچہ مسلمان افواج کی تعداد جو اس صلح سے پہلے تین ہزار سے زائد کبھی نہ ہو سکی تھی وہ محض دو سال کے اندر فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار ہو گئی۔

دفعہ ۲ بھی درحقیقت اس فتحِ مبین کا ایک جزو ہے کیونکہ جنگ کی ابتدا مسلمانوں نے نہیں بلکہ مشرکین نے کی تھی۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ

"یعنی پہلی بار ان ہی لوگوں نے تم لوگوں سے ابتدا کی۔"

جہاں تک مسلمانوں کی طلایہ گردیوں اور فوجی گشتوں کا تعلق ہے تو مسلمانوں کا مقصود ان سے صرف یہ تھا کہ قریش اپنے احمقانہ غرور اور اللہ کی راہ روکنے سے باز آجائیں اور مساویانہ بنیاد پر معاملہ کریں؛ یعنی ہر فریق اپنی اپنی ڈگر پر گامزن رہنے کے لیے آزاد رہے۔ اب غور کیجیے کہ دس سالہ جنگ بند رکھنے کا معاہدہ آخر اس غرور اور اللہ کی راہ میں رکاوٹ سے باز آنے ہی کا تو عہد ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ جنگ کا آغاز کرنے والا کمزور اور بے دست و پا ہو کر اپنے مقصد میں ناکام ہو گیا۔

جہاں تک پہلی دفعہ کا تعلق ہے تو یہ بھی درحقیقت مسلمانوں کی ناکامی کے بجائے کامیابی کی علامت ہے۔

کیونکہ یہ دفعہ درحقیقت اس پابندی کے خاتمے کا اعلان ہے جسے قریش نے مسلمانوں پر مسجد حرام میں داخلے سے متعلق عائد کر رکھی تھی۔ البتہ اس دفعہ میں قریش کے لیے بھی تشفی کی اتنی سی بات تھی کہ وہ اس ایک سال مسلمانوں کو روکنے میں کامیاب رہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ وقتی اور بے حیثیت فائدہ تھا۔

اس کے بعد اس صلح کے سلسلے میں یہ پہلو بھی قابلِ غور ہے کہ قریش نے مسلمانوں کو یہ تین رعایتیں دیکر صرف ایک رعایت حاصل کی جو دفعہ ۴ میں مذکور ہے؛ لیکن یہ رعایت حد درجہ معمولی اور بے وقعت تھی اور اس میں مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ تھا۔ کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب تک مسلمان مسلمان رہے گا اللہ، رسول اور مدینۃ الاسلام سے بھاگ نہیں سکتا۔ اس کے بھاگنے کی صرف ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ مرتد ہو جائے، خواہ ظاہراً خواہ در پردہ؛ اور ظاہر ہے کہ جب مرتد ہو جائے تو مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہیں بلکہ اسلامی معاشرے میں اس کی موجودگی سے کہیں بہتر ہے کہ وہ الگ ہو جائے اور یہی وہ نکتہ ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا تھا:

انَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا اِلَيْهِمْ فَاَبْعَدَهُ اللّٰهُ [1]

"جو ہمیں چھوڑ کر ان مشرکین کی طرف بھاگا اسے اللہ نے دُور (یا برباد) کر دیا۔"

باقی رہے مکّے کے وہ باشندے جو مسلمان ہو چکے تھے یا مسلمان ہونے والے تھے تو ان کے لیے اگرچہ اس معاہدے کی رُو سے مدینہ میں پناہ گزین ہونے کی گنجائش نہ تھی لیکن اللہ کی زمین تو بہرحال کشادہ تھی۔ کیا حبشہ کی زمین نے ایسے نازک وقت میں مسلمانوں کے لیے اپنی آغوش وا نہیں کر دی تھی، جب مدینہ کے باشندے اسلام کا نام بھی نہ جانتے تھے؟ اسی طرح آج بھی زمین کا کوئی ٹکڑا مسلمانوں کے لیے اپنی آغوش کھول سکتا تھا اور یہی بات تھی جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا تھا:

وَمَنْ جَاءَنَا مِنْهُمْ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ لَهُ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا (ایضاً صحیح مسلم ۲/۱۰۵)

"ان کا جو آدمی ہمارے پاس آئے گا۔ اللہ اس کیلئے کشادگی اور نکلنے کی جگہ بنا دے گا"

پھر اس قسم کے تحفظات سے اگرچہ نظر بظاہر قریش نے عزّ و وقار حاصل کیا تھا مگر یہ درحقیقت قریش کی سخت نفسیاتی گھبراہٹ، پریشانی، اعصابی دباؤ اور شکستگی کی علامت ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ انہیں اپنے بُت پرست سماج کے بارے میں سخت خوف لاحق تھا اور وہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کا یہ سماجی گھروندا

---

[1] صحیح مسلم باب صلح الحدیبیہ ۲/۱۰۵

ایک کھائی کے ایسے کھوکھلے اور اندر سے کٹے ہوئے کنارے پر کھڑا ہے جو کسی بھی دم ٹوٹ گرنے والا ہے؛ لہٰذا اس کی حفاظت کے لیے اس طرح کے تحفظات حاصل کر لینا ضروری ہیں۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے جس فراخدلی کے ساتھ یہ شرط منظور کی کہ قریش کے یہاں پناہ لینے والے کسی مسلمان کو واپس نہ طلب کریں گے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو اپنے سماج کی ثابت قدمی اور پختگی پر پورا پورا اعتماد تھا اور اس قسم کی شرط آپ کے لیے قطعاً کسی اندیشے کا سبب نہ تھی۔

مسلمانوں کا غم اور حضرت عمرؓ کا مناقشہ

یہ ہے معاہدۂ صلح کی دفعات کی حقیقت لیکن ان دفعات میں دو باتیں بظاہر اس قسم کی تھیں کہ ان کی وجہ سے مسلمانوں کو سخت غم والم لاحق ہوا۔ ایک یہ کہ آپؐ نے بتایا تھا کہ آپ بیت اللہ تشریف لے جائیں گے۔ اور اس کا طواف کریں گے لیکن آپؐ طواف کیے بغیر واپس ہو رہے تھے۔ دوسرے یہ کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور حق پر ہیں اور اللہ نے اپنے دین کو غالب کرنے کا وعدہ کیا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ آپؐ نے قریش کا دباؤ قبول کیا۔ اور دب کر صلح کی؟ یہ دونوں باتیں طرح طرح کے شکوک وشبہات اور گمان ووسوسے پیدا کر رہی تھیں۔ ادھر مسلمانوں کے احساسات اس قدر مجروح تھے کہ وہ صلح کی دفعات کی گہرائیوں اور مآل پر غور کرنے کے بجائے حزن وغم سے نڈھال تھے اور غالباً سب سے زیادہ غم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تھا۔ چنانچہ انہوں نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! کیا ہم لوگ حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، کیوں نہیں! انہوں نے کہا، کیا ہمارے مقتولین جنّت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، کیوں نہیں۔ انہوں نے کہا، تو پھر کیوں ہم اپنے دین کے بارے میں دباؤ قبول کریں اور ایسی حالت میں پلٹیں کہ ابھی اللہ نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، "خطّاب کے صاحبزادے! میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ وہ میری مدد کرے گا اور مجھے ہرگز ضائع نہ کرے گا۔" انہوں نے کہا، کیا آپؐ نے ہم سے یہ بیان نہیں کیا تھا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کریں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا، کیوں نہیں؟ لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال کریں گے؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ آپؐ نے فرمایا تو بہرحال تم بیت اللہ تک پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے سے بھرے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے وہی باتیں کہیں جو رسول اللہ ﷺ سے کہی تھیں اور انہوں نے بھی ٹھیک وہی

جواب دیا جو رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا اور اخیر میں اتنا اور اضافہ کیا کہ آپ ﷺ کی رکاب تھامے رہو یہاں تک کہ موت آجائے کیونکہ خدا کی قسم آپؐ حق پر ہیں۔

اس کے بعد اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا کی آیات نازل ہوئیں جس میں اس صلح کو فتحِ مبین قرار دیا گیا ہے۔ اس کا نزول ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پڑھ کر سنایا۔ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ! یہ فتح ہے؟ فرمایا، ہاں۔ اس سے ان کے دل کو سکون ہوگیا اور واپس چلے گئے۔

بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی تقصیر کا احساس ہوا تو سخت نادم ہوئے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے اُس روز جو غلطی کی تھی اور جو بات کہہ دی تھی اس سے ڈر کر میں نے بہت سے اعمال کئے۔ برابر صدقہ و خیرات کرتا رہا۔ روزے رکھتا اور نماز پڑھتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا یہاں تک کہ اب مجھے خیر کی امید ہے۔[۳]

کمزور مسلمانوں کا مسئلہ حل ہوگیا

رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس تشریف لاکر مطمئن ہو چکے تو ایک مسلمان جسے مکہ میں اذیتیں دی جارہی تھیں چھوٹ کر بھاگ آیا۔ ان کا نام ابو بصیرؓ تھا۔ وہ قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتے تھے اور قریش کے حلیف تھے۔ قریش نے ان کی واپسی کے لیے دو آدمی بھیجے اور یہ کہلوایا کہ ہمارے اور آپؐ کے درمیان جو عہد و پیمان ہے اس کی تعمیل کیجئے۔ نبی ﷺ نے ابو بصیرؓ کو ان دونوں کے حوالے کردیا۔ یہ دونوں انہیں ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ پہنچ کر اترے، اور کھجور کھانے لگے۔ ابو بصیرؓ نے ایک شخص سے کہا، اے فلاں! خدا کی قسم میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری یہ تلوار بڑی عمدہ ہے۔ اس شخص نے اسے نیام سے نکال کر کہا، ہاں ہاں! واللہ یہ بہت عمدہ ہے۔ میں نے اس کا بارہا تجربہ کیا ہے۔ ابو بصیر نے کہا، ذرا مجھے دکھلاؤ، میں بھی دیکھوں۔ اس شخص نے ابو بصیرؓ کو تلوار دے دی اور ابو بصیرؓ نے تلوار لیتے ہی اسے مار کر ڈھیر کردیا۔

دوسرا شخص بھاگ کر مدینہ آیا اور دوڑتا ہوا مسجد نبوی میں گھس گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا یہ خوفزدہ نظر آتا ہے۔ وہ شخص نبی ﷺ کے پاس پہنچ کر بولا: میرا ساتھی خدا کی قسم قتل کردیا گیا۔ اور میں بھی قتل ہی کیا جانے والا ہوں۔ اتنے میں ابو بصیرؓ آگئے اور بولے: "یا رسول اللہ! اللہ نے آپؐ کا عہد پورا کردیا۔ آپؐ نے مجھے ان کی طرف پلٹا دیا، پھر اللہ نے مجھے ان سے نجات دے دی۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس کی ماں کی بربادی ہو، اسے کوئی ساتھی مل جائے تو یہ تو جنگ کی آگ بھڑکا

---

[۳] صلح حدیبیہ کی تفصیلات کے مآخذ یہ ہیں۔ فتح الباری ۷/۴۲۹ تا ۴۵۸ صحیح بخاری ۱/۳۷۸ تا ۳۸۱، ۲/۵۹۸، ۶۰۰، ۱۰۰۱، صحیح مسلم ۲/۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ابن ہشام ۲/۳۱۸ تا ۳۲۲ زاد المعاد ۲/۱۲۲ تا ۱۲۷، مختصر السیرہ للشیخ عبداللہ ص ۲۰۰ تا ۲۰۵ تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص ۳۹، ۴۰۔

دے گا۔" یہ بات سُن کر ابو بصیرؓ سمجھ گئے کہ اب انہیں پھر کافروں کے حوالے کیا جائے گا اس لیے وہ مدینہ سے نکل کر ساحل سمندر پر آ گئے۔ ادھر ابو جندلؓ بن سہیل بھی چھوٹ بھاگے اور ابو بصیرؓ سے آملے۔ اب قریش کا جو آدمی بھی اسلام لا کر بھاگتا وہ ابو بصیرؓ سے آملتا یہاں تک کہ ان کی ایک جماعت اکٹھی ہو گئی۔ اس کے بعد ان لوگوں کو ملک شام آنے جانے والے کسی بھی قریشی قافلے کا پتا چلتا تو وہ اس سے ضرور چھیڑ چھاڑ کرتے اور قافلے والوں کو مار کر ان کا مال لوٹ لیتے۔ قریش نے تنگ آ کر نبی ﷺ کو اللہ اور قرابت کا واسطہ دیتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ آپ انہیں اپنے پاس بلا لیں اور اب جو بھی آپ کے پاس جائے گا مامون رہے گا۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے انھیں بلوا لیا اور وہ مدینہ آ گئے۔[4]

برادرانِ قریش کا قبولِ اسلام

اس معاہدۂ صلح کے بعد ۸ھ کے اوائل میں حضرت عمرو بن عاص، خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم مسلمان ہو گئے۔ جب یہ لوگ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: "مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمارے حوالے کر دیا ہے۔"[5]

---

[4] سابقہ مآخذ

[5] اس بارے میں سخت اختلاف ہے کہ یہ صحابۂ کرام کس سنہ میں اسلام لائے۔ اسماء الرجال کی عام کتابوں میں اسے ۸ھ کا واقعہ بتایا گیا ہے۔ لیکن نجاشی کے پاس حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ معروف ہے جو ۸ھ کا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت خالدؓ اور عثمان بن طلحہ اس وقت مسلمان ہوئے تھے جب حضرت عمروؓ بن عاص حبشہ سے واپس آئے تھے کیونکہ انہوں نے حبشہ سے واپس آ کر مدینہ کا قصد کیا تو راستے میں ان دونوں سے ملاقات ہوئی۔ اور تینوں حضرات نے ایک ساتھ خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سبھی حضرات ۸ھ کے اوائل میں مسلمان ہوئے۔ واللہ اعلم۔

دوسرا مرحلہ:

نئی تبدیلی

صلح حدیبیہ درحقیقت اسلام اور مسلمانوں کی زندگی میں ایک نئی تبدیلی کا آغاز تھا۔ چونکہ اسلام کی عداوت و دشمنی میں قریش سب سے زیادہ مضبوط، ہٹ دھرم اور لڑاکا قوم کی حیثیت رکھتے تھے اس لیے جب وہ جنگ کے میدان میں پسپا ہو کر امن و سلامتی کی طرف آگئے تو احزاب کے تین بازوؤں قریش، غطفان اور یہود میں سے سب سے مضبوط بازو ٹوٹ گیا؛ اور چونکہ قریش ہی پورے جزیرۃ العرب میں بت پرستی کے نمائندے اور سربراہ تھے اس لیے میدانِ جنگ سے ان کے ہٹتے ہی بت پرستوں کے جذبات سرد پڑ گئے اور ان کی دشمنانہ روش میں بڑی حد تک تبدیلی آگئی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس صلح کے بعد غطفان کی طرف سے بھی کسی بڑی تگ و دو اور شور و شر کا مظاہرہ نہیں ہوا، بلکہ انہوں نے کچھ کیا بھی تو یہود کے بھڑکانے پر۔

جہاں تک یہود کا تعلق ہے تو وہ یثرب سے جلاوطنی کے بعد خیبر کو اپنی دسیسہ کاریوں اور سازشوں کا اڈہ بنا چکے تھے وہاں ان کے شیطان انڈے بچے دے رہے تھے اور فتنے کی آگ بھڑکانے میں مصروف تھے۔ وہ مدینہ کے گرد و پیش آباد بدوؤں کو بھڑکاتے رہتے تھے اور نبی ﷺ اور مسلمانوں کے خاتمے یا یا کم از کم انہیں بڑے پیمانے پر زک پہنچانے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔ اس لیے صلح حدیبیہ کے بعد نبی ﷺ نے سب سے پہلا اور فیصلہ کن راست اقدام اسی مرکز شر و فساد کے خلاف کیا۔

بہر حال امن کے اس مرحلے پر جو صلح حدیبیہ کے بعد شروع ہوا تھا مسلمانوں کو اسلامی دعوت پھیلانے اور تبلیغ کرنے کا اہم موقع ہاتھ آگیا تھا اس لیے اس میدان میں ان کی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں جو جنگی سرگرمیوں پر غالب رہیں لہٰذا مناسب ہوگا کہ اس دور کی دو قسمیں کر دی جائیں۔

(۱) تبلیغی سرگرمیاں، اور بادشاہوں اور سربراہوں کے نام خطوط (۲) جنگی سرگرمیاں۔

پھر بے جا نہ ہوگا کہ اس مرحلے کی جنگی سرگرمیاں پیش کرنے سے پہلے بادشاہوں اور سربراہوں کے نام خطوط کی تفصیلات پیش کر دی جائیں کیونکہ طبعی طور پر اسلامی دعوت مقدم ہے بلکہ یہی وہ اصل مقصد ہے جس کے لیے مسلمانوں نے طرح طرح کی مشکلات و مصائب، جنگ اور فتنے، ہنگامے اور اضطرابات برداشت کیے تھے۔

بادشاہوں اور اُمرائے کے نام خطوط

سنہ ۶ھ کے اخیر میں جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو آپ نے مختلف بادشاہوں کے نام خطوط لکھ کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔

آپ نے ان خطوط کے لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ سے کہا گیا کہ بادشاہ اسی صورت میں خطوط قبول کریں گے جب ان پر مہر لگی ہو اس لیے نبی ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس پر مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہ نقش تھا۔ یہ نقش تین سطروں میں تھا محمد ایک سطر میں، رسول ایک سطر میں، اور اللہ ایک سطر میں۔ شکل یہ تھی: محمد رسول اللہ [1]

پھر آپؐ نے معلومات رکھنے والے تجربہ کار صحابہ کرام کو بطور قاصد منتخب فرمایا اور انہیں بادشاہوں کے پاس خطوط دے کر روانہ فرمایا۔ علامہ منصور پوری نے وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آپؐ نے یہ قاصد اپنی خیبر روانگی سے چند دن پہلے یکم محرم سنہ ۷ھ کو روانہ فرمائے تھے [2]۔ اگلی سطور میں وہ خطوط اور ان پر مرتب ہونے والے کچھ اثرات پیش کیے جا رہے ہیں:

۱۔ نجاشی شاہ حبش کے نام خط

اس نجاشی کا نام اَصْحَمہ بن اَبْجَر تھا۔ نبی ﷺ نے اس کے نام جو خط لکھا اسے عَمرو بن اُمیہ ضمری کے بدست سنہ ۶ھ کے اخیر یا سنہ ۷ھ کے شروع میں روانہ فرمایا۔ طبری نے اس خط کی عبارت ذکر کی ہے لیکن اسے بنظرِ غائر دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ وہ خط نہیں ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد لکھا تھا بلکہ یہ غالباً اس خط کی عبارت ہے جسے آپؐ نے مکی دور میں حضرت جعفرؓ کو ان کی ہجرتِ حبشہ کے وقت دیا تھا۔ کیوں کہ خط کے اخیر میں ان مہاجرین کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

وقد بعثت اليكم ابن عمي جعفرا ومعه نفر من المسلمين، فاذا جاءك فاقرهم ودع التجبر.

"میں نے تمہارے پاس اپنے چچیرے بھائی جعفر کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا ہے جب

---

[1] صحیح بخاری ۲/۸۷۲، ۸۷۳۔ [2] رحمۃ للعالمین ۱/۱۷۱

وہ تمہارے پاس پہنچیں تو انہیں اپنے پاس ٹھہرانا اور جبر اختیار نہ کرنا۔"

بیہقی نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اور خط کی عبارت روایت کی ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے پاس روانہ کیا تھا۔ اس کا ترجمہ یہ ہے :

"یہ خط ہے محمد نبی کی طرف سے نجاشی اصحم شاہِ حبش کے نام،

اس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، اس نے نہ کوئی بیوی اختیار کی نہ لڑکا؛ اور (میں اسکی بھی شہادت دیتا ہوں کہ) محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے، اور میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں کیوں کہ میں اس کا رسول ہوں، لہٰذا اسلام لاؤ سلامت رہو گے۔" اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے بجائے رب نہ بنائے۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔" اگر تم نے (یہ دعوت) قبول نہ کی تو تم پر اپنی قوم کے نصاریٰ کا گناہ ہے۔"

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (پاریس) نے ایک اور خط کی عبارت درج فرمائی ہے جو ماضی قریب میں دستیاب ہوا ہے اور صرف ایک لفظ کے اختلاف کے ساتھ یہی خط علامہ ابنِ قیم کی کتاب زاد المعاد میں بھی موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس خط کی عبارت کی تحقیق میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ دورِ جدید کے انکشافات سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے اور اس خط کا فوٹو کتاب کے اندر ثبت فرمایا ہے۔

اس خط کا ترجمہ یہ ہے :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

محمد رسول اللہ کی جانب سے نجاشی عظیم حبشہ کے نام

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد میں تمہاری طرف اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو قدوس اور سلام ہے۔ امن دینے والا محافظ و نگران ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ اللہ نے انہیں پاکیزہ اور پاکدامن مریمؑ بتول کی طرف ڈال دیا۔ اور اس کی رُوح اور پھونک سے مریم عیسیٰؑ کے لیے حاملہ ہوئیں۔ جیسے اللہ نے آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ میں اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی جانب اور اس کی اطاعت پر ایک دوسرے کی مدد کی جانب دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی طرف (بلاتا ہوں)، کہ تم میری پیروی کرو اور جو کچھ میرے پاس آیا ہے اس پر ایمان لاؤ کیونکہ میں اللہ

کا رسول (ﷺ) ہوں اور میں تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں، اور میں نے تبلیغ و نصیحت کر دی لہٰذا میری نصیحت قبول کرو، اور اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے[۳]۔"

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے بڑے یقینی انداز میں کہا ہے کہ یہی وہ خط ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے بعد نجاشی کے پاس روانہ فرمایا تھا۔ جہاں تک اس خط کی استنادی حیثیت کا تعلق ہے تو دلائل پر نظر ڈالنے کے بعد اس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں رہتا لیکن اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ نبی ﷺ نے حدیبیہ کے بعد یہی خط روانہ فرمایا تھا، بلکہ بیہقی نے جو خط ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے اس کا انداز ان خطوط سے زیادہ ملتا جلتا ہے جنہیں نبی ﷺ نے حدیبیہ کے بعد عیسائی بادشاہوں اور اُمراء کے پاس روانہ فرمایا تھا کیونکہ جس طرح آپؐ نے ان خطوط میں آیت کریمہ یٰأھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء۔ الآیۃ درج فرمائی تھی، اسی طرح بیہقی کے روایت کردہ خط میں بھی یہ آیت درج ہے۔ علاوہ ازیں اس خط میں صراحتاً اصحمہ کا نام بھی موجود ہے جبکہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے نقل کردہ خط میں کسی کا نام نہیں ہے؛ اس لیے میرا گمان غالب یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا نقل کردہ خط درحقیقت وہ خط ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اصحمہ کی وفات کے بعد اس کے جانشین کے نام لکھا تھا اور غالباً یہی سبب ہے کہ اس میں کوئی نام درج نہیں۔

اس ترتیب کی میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد صرف وہ اندرونی شہادتیں ہیں جو ان خطوط کی عبارتوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ البتہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پر تعجب ہے کہ موصوف نے ادھر ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیہقی کے نقل کردہ خط کو پورے یقین کے ساتھ نبی ﷺ کا وہ خط قرار دیا ہے جو آپؐ نے اصحمہ کی وفات کے بعد اس کے جانشین کے نام لکھا تھا حالانکہ اس خط میں صراحت کے ساتھ اصحمہ کا نام موجود ہے۔ واعلم عند اللہ[۴]۔

بہرحال جب عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کا خط نجاشی کے حوالے کیا تو نجاشی نے اسے لے کر آنکھ پر رکھا اور تخت سے زمین پر اتر آیا اور حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور نبی ﷺ کی طرف اس بارے میں خط لکھا جو یہ ہے۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم"

محمدؐ رسول اللہ کی خدمت میں نجاشی اصحمہ کی طرف سے

---

[۳] دیکھئے رسولِ اکرم کی سیاسی زندگی، مؤلفہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب، ص ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، زاد المعاد میں آخری فقرہ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ کے بجائے اسلم انت ہے۔ دیکھئے زاد المعاد ۳/۶۰

[۴] دیکھئے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتاب "حضورِ اکرم کی سیاسی زندگی" از ص ۱۰۸ تا ۱۱۴ و از ص ۱۲۱ تا ۱۳۱۔

اے اللہ کے نبی آپؐ پر اللہ کی طرف سے سلام اور اس کی رحمت اور برکت ہو۔ وہ اللہ جس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں۔ اما بعد:

اے اللہ کے رسولؐ! مجھے آپ کا گرامی نامہ ملا جس میں آپ نے عیسیٰؑ کا معاملہ ذکر کیا ہے۔ خدائے آسمان و زمین کی قسم آپ نے جو کچھ ذکر فرمایا ہے حضرت عیسیٰؑ اس سے ایک تنکا بڑھ کر نہ تھے۔ وہ ویسے ہی ہیں جیسے آپؐ نے ذکر فرمایا ہے[۵] پھر آپؐ نے جو کچھ ہمارے پاس بھیجا ہے ہم نے اسے جانا اور آپ کے چچیرے بھائی اور آپؐ کے صحابہؓ کی مہمان نوازی کی' اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے سچے اور پکے رسولؐ ہیں۔ اور میں نے آپؐ سے بیعت کی اور آپؐ کے چچیرے بھائی سے بیعت کی' اور ان کے ہاتھ پر اللہ رب العٰلمین کے لیے اسلام قبول کیا۔[۶]

نبی ﷺ نے نجاشی سے یہ بھی طلب کیا تھا کہ وہ حضرت جعفرؓ اور دوسرے مہاجرینِ حبشہ کو روانہ کر دے۔ چنانچہ اس نے حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری کے ساتھ دو کشتیوں میں ان کی روانگی کا انتظام کر دیا۔ ایک کشتی کے سوار جس میں حضرت جعفر اور حضرت ابوموسیٰ اشعری اور کچھ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، براہِ راست خیبر پہنچ کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور دوسری کشتی کے سوار جن میں زیادہ تر بال بچے تھے سیدھے مدینہ پہنچے۔[۷]

مذکورہ نجاشی نے غزوہ تبوک کے بعد رجب ۹ھ میں وفات پائی۔ نبی ﷺ نے اس کی وفات ہی کے دن صحابہ کرامؓ کو اس کی موت کی اطلاع دی اور اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ اس کی وفات کے بعد دوسرا بادشاہ اس کا جانشین ہو کر سریر آرائے سلطنت ہوا تو نبی ﷺ نے اس کے پاس بھی ایک خط روانہ فرمایا لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں۔[۸]

۲۔ مُقَوقِس شاہِ مصر کے نام خط

نبی ﷺ نے ایک گرامی نامہ جریج بن متّی[۹] کے نام روانہ فرمایا جس کا لقب مقوقس تھا اور جو مصر و اسکندریہ کا بادشاہ تھا۔ نامۂ گرامی یہ ہے:

۵۔ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق یہ فقرے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی اس رائے کی تائید کرتے ہیں کہ ان کا ذکر کردہ خط اصحمہ کے نام تھا۔ واللہ اعلم۔

۶۔ زاد المعاد ۳/۶۱

۷۔ ابنِ ہشام ۲/۳۵۹ وغیرہ

۸۔ یہ بات کسی قدر صحیح مسلم کی روایت سے اخذ کی جا سکتی ہے جو حضرت انس سے مروی ہے۔ ۲/۹۹

۹۔ یہ نام علامہ منصور پوری نے رحمۃ للعالمین ۱۰۸ میں ذکر فرمایا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس کا نام بنیامین بتلایا ہے۔ دیکھئے رسول اکرم کی سیاسی زندگی ص ۴۱

"بسم اللہ الرحمن الرحیم"

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے مقوقس عظیم قبط کی جانب۔

اس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد:

میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لاؤ سلامت رہو گے اور اسلام لاؤ اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا، لیکن اگر تم نے منہ موڑا تو تم پر اہلِ قبط کا بھی گناہ ہوگا۔" اے اہلِ قبط! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے بعض، بعض کو اللہ کے بجائے رب نہ بنائیں۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں[1]"

اس خط کو پہنچانے کے لیے حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا انتخاب فرمایا گیا۔ وہ مقوقس کے دربار میں پہنچے تو فرمایا "(اس زمین پر) تم سے پہلے ایک شخص گذرا ہے جو اپنے آپ کو ربِ اعلیٰ سمجھتا تھا۔ اللہ نے اسے آخر و اوّل کے لیے عبرت بنا دیا۔ پہلے تو اس کے ذریعے لوگوں سے انتقام لیا پھر خود اس کو انتقام کا نشانہ بنایا لہٰذا دوسرے سے عبرت پکڑو، ایسا نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت پکڑیں۔"

مقوقس نے کہا: ہمارا ایک دین ہے جسے ہم چھوڑ نہیں سکتے جب تک کہ اس سے بہتر دین نہ مل جائے۔

حضرت حاطب نے فرمایا: "ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے تمام ماسوا (ادیان) کے بدلے کافی بنا دیا ہے۔ دیکھو! اس نبی نے لوگوں کو (اسلام کی) دعوت دی تو اس کے خلاف قریش سب سے زیادہ سخت ثابت ہوئے؛ یہود نے سب سے بڑھ کر دشمنی کی اور نصاریٰ سب سے زیادہ قریب رہے۔ میری عمر کی قسم! جس طرح حضرت موسیٰؑ نے حضرت عیسیٰؑ کے لیے بشارت دی تھی، اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے محمد ﷺ کے لیے بشارت دی ہے، اور ہم تمہیں قرآن مجید کی دعوت اسی طرح دیتے ہیں جیسے تم اہلِ تورات کو انجیل کی دعوت دیتے ہو۔ جو نبی جس قوم کو پا جاتا ہے وہ قوم اسکی امت ہو جاتی ہے، اور اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس نبی کی اطاعت کرے اور تم نے اس نبی کا عہد پا لیا ہے؛ اور پھر ہم تمہیں دینِ مسیح سے روکتے نہیں ہیں بلکہ ہم تو اسی کا حکم دیتے ہیں۔"

---

[1] زاد المعاد لابن قیم ۳/۶۱ ماضی قریب میں یہ خط دستیاب ہوا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس کا جو فوٹو شائع کیا ہے اس میں اور زاد المعاد کی عبارت میں صرف دو حرف کا فرق ہے۔ زاد المعاد میں ہے اسلم تسلم۔ اسلم یؤتک اللہ الخ اور خط میں ہے فاسلم تسلم یؤتک اللہ، اسی طرح زاد المعاد میں ہے اثم اہل القبط اور خط میں ہے اثم القبط۔ دیکھئے رسول اکرم کی سیاسی زندگی ص ۱۳۶/۱۳۷

مقوقس نے کہا: "میں نے اس نبی کے معاملے پر غور کیا تو میں نے پایا کہ وہ کسی ناپسندیدہ بات کا حکم نہیں دیتے اور کسی پسندیدہ بات سے منع نہیں کرتے۔ وہ نہ گمراہ جادوگر ہیں نہ جھوٹے کاہن' بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ ان کے ساتھ نبوت کی یہ نشانی ہے کہ وہ پوشیدہ کو نکالتے اور سرگوشی کی خبر دیتے ہیں میں مزید غور کروں گا۔"

مقوقس نے نبی ﷺ کا خط لے کر (احترام کے ساتھ) ہاتھی دانت کی ایک ڈبیہ میں رکھ دیا اور مہر لگا کر اپنی ایک لونڈی کے حوالے کر دیا۔ پھر عربی لکھنے والے ایک کاتب کو بلا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حسبِ ذیل خط لکھوایا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمدؐ بن عبداللہ کے لیے مقوقس عظیم قبط کی طرف سے۔

آپؐ پر سلام! امابعد میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس میں آپؐ کی ذکر کی ہوئی بات اور دعوت کو سمجھا۔ مجھے معلوم ہے کہ ابھی ایک نبی کی آمد باقی ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ وہ شام سے نمودار ہوگا۔ میں نے آپؐ کے قاصد کا اعزاز و اکرام کیا۔ آپؐ کی خدمت میں دو لونڈیاں بھیج رہا ہوں جنہیں قبطیوں میں بڑا مرتبہ حاصل ہے اور کپڑے بھیج رہا ہوں اور آپؐ کی سواری کے لیے ایک خچر بھی ہدیہ کر رہا ہوں؛ اور آپؐ پر سلام۔"

مقوقس نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا۔ اور اسلام نہیں لایا۔ دونوں لونڈیاں ماریہ اور سیرین تھیں۔ خچر کا نام دُلدل تھا جو حضرت معاویہؓ کے زمانے تک باقی رہا۔[1] نبی ﷺ نے ماریہؓ کو اپنے پاس رکھا، اور انہیں کے بطن سے نبی ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے اور سیرینؓ کو حضرت حسانؓ بن ثابت انصاری کے حوالے کر دیا۔

۳۔ شاہ فارس خسرو پرویز کے نام خط

نبی ﷺ نے ایک خط بادشاہ فارس کسریٰ (خسرو) کے پاس روانہ کیا جو یہ تھا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ عظیم فارس کی جانب

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، کیونکہ میں تمام انسانوں کی جانب اللہ کا فرستادہ ہوں تاکہ جو شخص زندہ

---

[1] زاد المعاد ۳/ ۶۱

ہے اسے انجامِ بد سے ڈرایا جائے اور کافرین پر حق بات ثابت ہو جائے (یعنی حجت تمام ہو جائے) پس تم اسلام لاؤ سالم رہو گے اور اگر اس سے انکار کیا تو تم پر مجوس کا بھی بارِ گناہ ہوگا۔"

اس خط کو لے جانے کیلئے آپؐ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ کو منتخب فرمایا۔ انہوں نے یہ خط سربراہ بحرین کے حوالے کیا۔ اب یہ معلوم نہیں کہ سربراہ بحرین نے یہ خط اپنے کسی آدمی کے ذریعہ کسریٰ کے پاس بھیجا یا خود حضرت عبداللہؓ بن حذافہ سہمی کو روانہ کیا۔ بہرحال جب یہ خط کسریٰ کو پڑھ کر سنایا گیا تو اس نے چاک کر دیا اور نہایت متکبرانہ انداز میں بولا: میری رعایا میں سے ایک حقیر غلام اپنا نام مجھ سے پہلے لکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی جب خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا "اللہ اس کی بادشاہت کو پارہ پارہ کرے"، اور پھر وہی ہوا جو آپؐ نے فرمایا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد کسریٰ نے اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ یہ شخص جو حجاز میں ہے اس کے یہاں اپنے دو توانا اور مضبوط آدمی بھیجدو کہ وہ اسے میرے پاس حاضر کریں۔ باذان نے اس کی تعمیل کرتے ہوئے دو آدمی منتخب کیے اور انھیں ایک خط دے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس روانہ کیا جس میں آپؐ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ ان کے ساتھ کسریٰ کے پاس حاضر ہو جائیں۔ جب وہ مدینہ پہنچے اور نبی ﷺ کے روبرو حاضر ہوئے تو ایک نے کہا "شہنشاہ کسریٰ نے شاہ باذان کو ایک مکتوب کے ذریعہ حکم دیا ہے کہ وہ آپؐ کے پاس ایک آدمی بھیج کر آپؐ کو کسریٰ کے روبرو حاضر کرے اور باذان نے اس کام کے لیے مجھے آپؐ کے پاس بھیجا ہے کہ آپؐ میرے ساتھ چلیں۔ ساتھ ہی دونوں نے دھمکی آمیز باتیں بھی کہیں۔ آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ کل ملاقات کریں۔"

ادھر عین اسی وقت جبکہ مدینہ میں یہ دلچسپ "مہم" درپیش تھی خود خسرو پرویز کے گھرانے کے اندر اس کے خلاف ایک زبردست بغاوت کا شعلہ بھڑک رہا تھا جس کے نتیجے میں قیصر کی فوج کے ہاتھوں فارسی فوجوں کی پے در پے شکست کے بعد اب خسرو کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ یہ منگل کی رات، اجمادی الاولیٰ ۷ھ کا واقعہ ہے[۱۲]۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا علم وحی کے ذریعہ ہوا۔ چنانچہ جب صبح ہوئی اور دونوں فارسی نمائندے حاضر ہوئے تو آپؐ نے انہیں اس واقعے کی خبر دی۔ ان دونوں نے کہا۔ کچھ ہوش ہے آپؐ کیا کہہ رہے ہیں؟ ہم نے آپؐ کی اس سے بہت معمولی بات بھی قابلِ اعتراض شمار کی ہے۔ تو کیا آپؐ کی یہ بات ہم بادشاہ کو لکھ بھیجیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ اسے میری اس بات کی خبر کر دو۔ اور اس سے یہ بھی کہہ دو کہ میرا دین اور میری حکومت وہاں تک پہنچ کر رہے گی جہاں تک

---

[۱۲] فتح الباری ۸/۱۲۷

کسریٰ پہنچ چکا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے اس جگہ جا کر رُکے گی جس سے آگے اونٹ اور گھوڑے کے قدم جا ہی نہیں سکتے۔ تم دونوں اُس سے یہ بھی کہہ دینا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو جو کچھ تمہارے زیرِ اقتدار ہے وہ سب میں تمہیں دے دوں گا۔ اور تمہیں تمہاری قوم ابناء کا بادشاہ بنا دوں گا۔ اس کے بعد وہ دونوں مدینہ سے روانہ ہو کر باذان کے پاس پہنچے اور اسے ساری تفصیلات سے آگاہ کیا۔ تھوڑے عرصہ بعد ایک خط آیا کہ شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ شیرویہ نے اپنے اس خط میں یہ بھی ہدایت کی تھی کہ جس شخص کے بارے میں میرے والد نے تمہیں لکھا تھا اسے تا حکمِ ثانی برانگیختہ نہ کرنا۔

اس واقعہ کی وجہ سے باذان اور اس کے فارسی رفقاء (جو یمن میں موجود تھے) مسلمان ہو گئے۔[۱۳]

۴۔ قیصر شاہ روم کے نام خط

صحیح بخاری میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں اس گرامی نامہ کی نص مروی ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے ہرقل شاہ روم کے پاس روانہ فرمایا تھا۔ وہ مکتوب یہ ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمدؐ کی جانب سے ہرقل عظیم روم کی طرف

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ تم اسلام لاؤ سالم رہو گے۔ اسلام لاؤ اللہ تمہیں تمہارا اجر دوبار دے گا۔ اور اگر تم نے رُوگردانی کی تو تم پر اَریسیوں (رعایا) کا (بھی) گناہ ہو گا۔ اے اہلِ کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پوجیں، اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور اللہ کے بجائے ہمارا بعض بعض کو رب نہ بنائے۔ پس اگر لوگ رُخ پھیریں تو کہدو کہ تم لوگ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔[۱۴]

اس گرامی نامہ کو پہنچانے کے لیے دِحیہؓ بن خلیفہ کلبی کا انتخاب ہوا۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ یہ خط سربراہ بصریٰ کے حوالے کر دیں اور وہ اسے قیصر کے پاس پہنچا دے گا۔ اس کے بعد جو کچھ پیش آیا اس کی تفصیل صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ ابوسفیان بن حرب نے ان سے بیان کیا کہ ہرقل نے اس کو قریش کی ایک جماعت سمیت بلوایا۔ یہ جماعت صلح حدیبیہ کے تحت رسول اللہ ﷺ اور کفار قریش کے درمیان طے شدہ عرصۂ امن میں ملک شام تجارت کے لیے گئی ہوئی تھی۔ یہ لوگ ایلیاء

---

[۱۳] محاضرات خضری ۱/۱۴۷، فتح الباری ۸/۱۲۷، ۱۲۸، نیز دیکھئے رحمۃ للعالمین

[۱۴] صحیح بخاری ۱/۴، ۵

(بیت المقدس) میں اس کے پاس حاضر ہوئے[۱۵]۔ ہرقل نے انھیں اپنے دربار میں بلایا۔ اس وقت اس کے گرداگرد روم کے بڑے بڑے لوگ تھے۔ پھر اس نے ان کو اور اپنے ترجمان کو بلا کر کہا کہ یہ شخص جو اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے اس سے تمہارا کونسا آدمی سب سے زیادہ قریبی نسبی تعلق رکھتا ہے؟ ابوسفیان کا بیان ہے کہ میں نے کہا' میں اس کا سب سے زیادہ قریب النسب ہوں۔ ہرقل نے کہا' اسے میرے قریب کردو اور اسکے ساتھیوں کو بھی قریب کرکے اس کی پُشت کے پاس بٹھا دو۔ اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ میں اس شخص سے اُس آدمی (نبی ﷺ) کے متعلق سوالات کروں گا۔ اگر یہ جھوٹ بولے تو تم لوگ اسے جھٹلا دینا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر جھوٹ بولنے کی بدنامی کا خوف نہ ہوتا تو میں آپؐ کے متعلق یقیناً جھوٹ بولتا۔

ابوسفیان کہتے ہیں اس کے بعد پہلا سوال جو ہرقل نے مجھ سے آپ کے بارے میں کیا وہ یہ تھا کہ تم لوگوں میں اُس کا نسب کیسا ہے۔

میں نے کہا: وہ اونچے نسب والا ہے۔

ہرقل نے کہا: تو کیا یہ بات اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی تھی؟

میں نے کہا: نہیں۔

ہرقل نے کہا: کیا اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ گذرا ہے؟

میں نے کہا: نہیں۔

ہرقل نے کہا: اچھا تو بڑے لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے یا کمزوروں نے؟

میں نے کہا: بلکہ کمزوروں نے۔

ہرقل نے کہا: یہ لوگ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟

میں نے کہا: بلکہ بڑھ رہے ہیں۔

ہرقل نے کہا: کیا اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص اس دین سے برگشتہ ہو کر مرتد بھی ہوتا ہے؟

میں نے کہا: نہیں۔

---

[۱۵] اس وقت قیصر اس بات پر اللہ کا شکر بجالانے کے لیے حمص سے ایلیاء (بیت المقدس) گیا ہوا تھا کہ اللہ نے اس کے ہاتھوں اہلِ فارس کو شکست فاش دی (دیکھیے صحیح مسلم ۲/۹۹) اس کی تفصیل یہ ہے کہ فارسیوں نے خسرو پرویز کو قتل کرنے کے بعد رومیوں سے انکے مقبوضہ علاقوں کی واپسی کی شرط پر صلح کرلی اور وہ صلیب بھی واپس کردی جس کے متعلق نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ اسی پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی گئی تھی قیصر اس صلح کے بعد صلیب کو اصل جگہ نصب کرنے اور اس فتح مبین پر اللہ کا شکر بجالانے کیلئے ۶۲۹ء یعنی ۷ھ میں ایلیاء (بیت المقدس) گیا تھا۔

ہرقل نے کہا: اس نے جو بات کہی ہے کیا اسے کہنے سے پہلے تم لوگ اس کو جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟

میں نے کہا: نہیں۔

ہرقل نے کہا: کیا وہ بدعہدی بھی کرتا ہے؟

میں نے کہا: نہیں۔ البتہ ہم لوگ اس وقت اس کے ساتھ صلح کی ایک مدت گزار رہے ہیں معلوم نہیں اس میں وہ کیا کرے گا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس فقرے کے سوا مجھے اور کہیں کچھ گھسیڑنے کا موقع نہ ملا۔

ہرقل نے کہا: کیا تم لوگوں نے اس سے جنگ کی ہے؟

میں نے کہا: جی ہاں۔

ہرقل نے کہا: تو تمہاری اور اس کی جنگ کیسی رہی؟

میں نے کہا: جنگ ہم دونوں کے درمیان برابر کی چوٹ ہے۔ وہ ہمیں زک پہنچا لیتا ہے اور ہم اسے زک پہنچا لیتے ہیں۔

ہرقل نے کہا: وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟

میں نے کہا: وہ کہتا ہے صرف اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ تمہارے باپ دادا جو کچھ کہتے تھے اسے چھوڑ دو۔ اور وہ ہمیں نماز، سچائی، پرہیز، پاک دامنی اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔

اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا "تم اس شخص (ابوسفیان) سے کہو کہ میں نے تم سے اس شخص (نبی ﷺ) کا نسب پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ اونچے نسب کا ہے، اور دستور یہی ہے کہ پیغمبر اپنی قوم کے اونچے نسب میں بھیجے جاتے ہیں۔

اور میں نے دریافت کیا کہ کیا یہ بات اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی تھی؟ تم نے بتلایا کہ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ بات اس سے پہلے کسی اور نے کہی ہوتی تو میں یہ کہتا کہ یہ شخص ایک ایسی بات کی نقالی کر رہا ہے جو اس سے پہلے کہی جا چکی ہے۔

اور میں نے دریافت کیا کہ کیا اسکے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟ تم نے بتلایا کہ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اسکے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ گذرا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص اپنے باپ کی بادشاہت کا طالب ہے۔

اور میں نے یہ دریافت کیا کہ کیا جو بات اس نے کہی ہے اسے کہنے سے پہلے تم لوگ اسے جھوٹ سے

متہم کرتے تھے؟ تو تم نے بتایا کہ نہیں، اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ بولے اور اللہ پر جھوٹ بولے۔

میں نے یہ بھی دریافت کیا کہ بڑے لوگ اس کی پیروی کر رہے ہیں یا کمزور؟ تو تم نے بتایا کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ پیغمبروں کے پیروکار ہوتے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ کیا اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص برگشتہ ہو کر مرتد بھی ہوتا ہے؟ تو تم نے بتلایا کہ نہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی بشاشت جب دلوں میں گھس جاتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

اور میں نے دریافت کیا کہ کیا وہ بدعہدی بھی کرتا ہے؟ تو تم نے بتلایا کہ نہیں اور پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ بدعہدی نہیں کرتے۔

میں نے یہ بھی پوچھا کہ وہ کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟ تو تم نے بتایا کہ وہ تمہیں اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیتا ہے، بُت پرستی سے منع کرتا ہے، اور نماز، سچائی اور پرہیزگاری و پاکدامنی کا حکم دیتا ہے۔

تو جو کچھ تم نے بتایا ہے اگر وہ صحیح ہے تو یہ شخص بہت جلد میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کا مالک ہو جائیگا۔ میں جانتا تھا کہ یہ نبی آنے والا ہے لیکن میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اس کے پاس پہنچ سکوں گا تو اس سے ملاقات کی زحمت اٹھاتا، اور اگر اس کے پاس ہوتا تو اس کے دونوں پاؤں دھوتا۔"

اس کے بعد ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کا خط منگا کر پڑھا۔ جب خط پڑھ کر فارغ ہوا تو وہاں آوازیں بلند ہوئیں اور بڑا شور مچا۔ ہرقل نے ہمارے بارے میں حکم دیا اور ہم باہر کر دیے گئے۔ جب ہم لوگ باہر لائے گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا، ابو کبشہ[1] کے بیٹے کا معاملہ بڑا زور پکڑ گیا۔ اس سے تو بنو اصفر[2] (رومیوں) کا بادشاہ ڈرتا ہے۔ اس کے بعد مجھے برابر یقین رہا کہ رسول اللہ ﷺ کا دین غالب آکر رہے گا یہاں تک کہ اللہ نے میرے اندر اسلام کو جاگزیں کر دیا۔

یہ قیصر پر نبی ﷺ کے نامۂ مبارک کا وہ اثر تھا جس کا مشاہدہ ابو سفیان نے کیا۔ اس نامۂ مبارک

---

[1] ابو کبشہ کے بیٹے سے مراد نبی ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ ابو کبشہ آپؐ کے دادا یا نانا میں سے کسی کی کنیت تھی، اور کہا جاتا ہے کہ یہ آپؐ کے رضاعی باپ (حلیمہ سعدیہ کے شوہر) کی کنیت تھی۔ بہرحال ابو کبشہ غیر معروف شخص ہے۔ اور عرب کا دستور تھا کہ جب کسی کی تنقیص کرنی ہوتی تو اسے اس کے آباء و اجداد میں سے کسی غیر معروف شخص کی طرف منسوب کر دیتے۔

[2] بنو الاصفر (اصفر کی اولاد۔ اور اصفر کے معنی زرد، یعنی پیلا) رومیوں کو بنو الاصفر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ روم کے جس بیٹے سے رومیوں کی نسل تھی وہ کسی وجہ سے اصفر (پیلے) کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا۔

کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ قیصر نے رسول اللہ ﷺ کے اس نامۂ مبارک کو پہنچانے والے یعنی دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو مال اور پارچہ جات سے نوازا۔ لیکن حضرت دِحیہؓ یہ تحائف لے کر واپس ہوئے تو حُسمیٰ میں قبیلہ جذام کے کچھ لوگوں نے ان پر ڈاکہ ڈال کر سب کچھ لوٹ لیا۔ حضرت دِحیہؓ مدینہ پہنچے تو اپنے گھر کے بجائے سیدھے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ تفصیل سن کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں پانچ سو صحابہ کرام کی ایک جماعت حُسمیٰ روانہ فرمائی۔ حضرت زیدؓ نے قبیلہ جذام پر شبخون مار کر ان کی خاصی تعداد کو قتل کر دیا اور ان کے چوپایوں اور عورتوں کو ہانک لائے۔ چوپایوں میں ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں تھیں اور قیدیوں میں ایک سو عورتیں اور بچے تھے۔

چونکہ نبی ﷺ اور قبیلہ جذام میں پہلے سے مصالحت کا عہد چلا آرہا تھا اس لیے اس قبیلہ کے ایک سردار زیدؓ بن رفاعہ جذامی نے جھٹ نبی ﷺ کی خدمت میں احتجاج و فریاد کی۔ زیدؓ بن رفاعہ اس قبیلے کے کچھ مزید افراد سمیت پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اور جب حضرت دِحیہؓ پر ڈاکہ پڑا تھا تو ان کی مدد بھی کی تھی، اس لیے نبی ﷺ نے ان کا احتجاج قبول کرتے ہوئے مالِ غنیمت اور قیدی واپس کر دیے۔

عام اہل مغازی نے اس واقعہ کو صلح حدیبیہ سے پہلے بتلایا ہے مگر یہ فاش غلطی ہے کیونکہ قیصر کے پاس نامہ مبارک کی روانگی صلح حدیبیہ کے بعد عمل میں آئی تھی اسی لیے علامہ ابنِ قیم نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ بلاشبہ حدیبیہ کے بعد کا ہے۔[1]

۵۔ مُنذِر بن ساوی کے نام خط

نبی ﷺ نے ایک خط منذر بن ساوی حاکم بحرین کے پاس لکھ کر اسے بھی اسلام کی دعوت دی اور اس خط کو حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں روانہ فرمایا۔ جواب میں منذر نے رسول اللہ ﷺ کو لکھا: "امابعد! اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کا خط اہل بحرین کو پڑھ کر سنا دیا۔ بعض لوگوں نے اسلام کو محبت اور پاکیزگی کی نظر سے دیکھا اور اس کے حلقہ بگوش ہو گئے اور بعض نے پسند نہیں کیا۔ اور میری زمین میں یہود اور مجوس بھی ہیں لہٰذا آپؐ اس بارے میں اپنا حکم صادر فرمائیے"۔ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے یہ خط لکھا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمدؐ رسول اللہ کی جانب سے منذر بن ساوی کی طرف

تم پر سلام ہو۔ میں تمہارے ساتھ اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور میں شہادت

---

[1] دیکھئے زاد المعاد ۲/۱۲۲ حاشیہ تلقیح الفہوم ص ۲۹

دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسُول ہیں۔"

" اما بعد! میں تمہیں اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہُوں۔ یاد رہے کہ جو شخص بھلائی اور خیر خواہی کرے گا وہ اپنے ہی لیے بھلائی کرے گا اور جو شخص میرے قاصدوں کی اطاعت اور ان کے حکم کی پیروی کرے اس نے میری اطاعت کی اور جو ان کے ساتھ خیر خواہی کرے اس نے میرے ساتھ خیر خواہی کی اور میرے قاصدوں نے تمہاری اچھی تعریف کی ہے اور میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش قبول کر لی ہے؛ لہٰذا مسلمان جس حال پر ایمان لائے ہیں انھیں اس پر چھوڑ دو۔ اور مَیں نے خطاکاروں کو معاف کر دیا ہے لہٰذا ان سے قبول کر لو اور جب تک تم اصلاح کی راہ اختیار کیے رہو گے ہم تمہیں تمہارے عمل سے معزول نہ کریں گے اور جو یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے اس پر جزیہ ہے[19]۔"

۶۔ ہَوذہ بن علی صاحبِ یمامہ کے نام خط

نبی ﷺ نے ہوذہ بن علی حاکمِ یمامہ کے نام حسبِ ذیل خط لکھا:

" بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد رسول اللہ کی طرف سے ہوذہ بن علی کی جانب

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میرا دین اونٹوں اور گھوڑوں کی رسائی کی آخری حد تک غالب آکر رہے گا لہٰذا اسلام لاؤ سالم رہو گے اور تمہارے ماتحت جو کچھ ہے اسے تمہارے لیے برقرار رکھوں گا۔"

اس خط کو پہنچانے کے لیے بحیثیت قاصد سلیطؓ بن عمرو عامری کا انتخاب فرمایا گیا۔ حضرت سلیطؓ اس مہر لگے ہوئے خط کو لے کر ہوذہ کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے آپؓ کو مہمان بنایا اور مبارکباد دی۔ حضرت سلیطؓ نے اسے خط پڑھ کر سنایا تو اس نے درمیانی قسم کا جواب دیا" اور نبی ﷺ کی خدمت میں یہ لکھا: آپؐ جس چیز کی دعوت دیتے ہیں اس کی بہتری اور عمدگی کا کیا پوچھنا۔ اور عرب پر میری ہیبت بیٹھی ہوئی ہے۔ اس لیے کچھ کار پردازی میرے ذمہ کر دیں میں آپؐ کی پیروی کروں گا۔ اس نے حضرت سلیطؓ کو تحائف بھی دیے اور ہجر کا بنا ہُوا کپڑا بھی دیا۔ حضرت سلیطؓ یہ تحائف لے کر خدمت نبوی میں واپس آئے اور ساری تفصیلات گوش گذار کیں۔ نبی ﷺ نے اس کا خط پڑھ کر فرمایا: "اگر وہ زمین کا ایک ٹکڑا بھی مجھ سے طلب کرے گا

---

[19] زاد المعاد ۳/۶۱، ۶۲ یہ خط ماضی قریب میں دستیاب ہوا ہے اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس کا فوٹو شائع کیا ہے۔ زاد المعاد کی عبارت اور اس فوٹو والی عبارت میں صرف ایک لفظ کا فرق (یعنی فوٹو میں) ہے لا الہ الا ھو کے بجائے لا الہ غیرہ ہے۔

تو میں اسے نہ دوں گا۔ وہ خود بھی تباہ ہوگا، اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ بھی تباہ ہوگا۔" پھر جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ خبر دی کہ ہوذہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "سنو! یمامہ میں ایک کذاب نمودار ہونے والا ہے جو میرے بعد قتل کیا جائیگا۔ ایک کہنے والے نے کہا' یارسول اللہ! اسے کون قتل کرے گا؟ آپؐ نے فرمایا تم اور تمہارے ساتھی' اور واقعۃً ایسا ہی ہوا۔"[1]

۷۔ حارث بن ابی شمر غسانی حاکم دمشق کے نام خط

نبی ﷺ نے اس کے پاس ذیل کا خط رقم فرمایا۔

" بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے حارث بن ابی شمر کی طرف

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے، اور ایمان لائے اور تصدیق کرے۔ اور میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ پر ایمان لاؤ جو تنہا ہے، اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور تمہارے لیے تمہاری بادشاہت باقی رہے گی۔"

یہ خط قبیلہ اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھنے والے ایک صحابی حضرت شجاعؓ بن وہب کے بدست روانہ کیا گیا۔ جب انہوں نے یہ خط حارث کے حوالے کیا تو اس نے کہا: "مجھ سے میری بادشاہت کون چھین سکتا ہے؟ میں اس پر یلغار کرنے ہی والا ہوں"۔ اور اسلام نہ لایا۔

۸۔ شاہِ عمان کے نام خط

نبی ﷺ نے ایک خط شاہِ عمان جیفر اور اس کے بھائی عبد کے نام لکھا۔ ان دونوں کے والد کا نام جلندی تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

" بسم اللہ الرحمن الرحیم"

محمد بن عبداللہ کی جانب سے جلندی کے دونوں صاحبزادوں جیفر اور عبد کے نام"

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ امابعد، میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں' اسلام لاؤ، سلامت رہو گے۔ کیونکہ میں تمام انسانوں کی جانب اللہ کا رسول ہوں؛ تاکہ جو زندہ ہے اسے انجام کے خطرہ سے آگاہ کر دوں اور کافرین پر قول برحق ہو جائے۔ اگر تم دونوں اسلام کا اقرار کر لو گے تو تم ہی دونوں کو والی اور حاکم بناؤں گا۔ اور اگر تم دونوں نے اسلام کا اقرار کرنے سے گریز کیا تو تمہاری بادشاہت ختم ہو جائے

---

[1] زاد المعاد ۳/۶۳

گی۔ تمہاری زمین پر گھوڑوں کی یلغار ہوگی اور تمہاری بادشاہت پر میری نبوت غالب آجائے گی۔"

اس خط کو لے جانے کے لیے ایلچی کی حیثیت سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ ان کا بیان ہے کہ میں روانہ ہو کر عمان پہنچا اور عبد سے ملاقات کی۔ دونوں بھائیوں میں یہ زیادہ دُور اندیش اور نرم خو تھا۔ میں نے کہا، میں تمہارے پاس اور تمہارے بھائی کے پاس رسول اللہ ﷺ کا ایلچی بن کر آیا ہوں۔ اس نے کہا، میرا بھائی عمر اور بادشاہت دونوں میں مجھ سے بڑا اور مجھ پر مقدم ہے اس لیے میں تم کو اس کے پاس پہنچا دیتا ہوں کہ وہ تمہارا خط پڑھ لے۔ اس کے بعد اس نے کہا: اچھا! تم دعوت کس بات کی دیتے ہو؟

میں نے کہا: "ہم ایک اللہ کی طرف بلاتے ہیں، جو تنہا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، اور ہم کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ جس کی پوجا کی جاتی ہے اسے چھوڑ دو اور یہ گواہی دو کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں"

عبد نے کہا: "اے عمرو! تم اپنی قوم کے سردار کے صاحبزادے ہو۔ بتاؤ تمہارے والد نے کیا کیا؟ کیونکہ ہمارے لیے اس کا طرزِ عمل، لائق اتباع ہوگا۔"

میں نے کہا: "وہ تو محمد ﷺ پر ایمان لائے بغیر وفات پا گئے لیکن مجھے حسرت ہے کہ کاش انہوں نے اسلام قبول کیا ہوتا اور آپؐ کی تصدیق کی ہوتی۔ میں خود بھی انہیں کی رائے پر تھا لیکن اللہ نے مجھے اسلام کی ہدایت دے دی۔"

عبد نے کہا: تم نے کب ان کی پیروی کی؟

میں نے کہا: ابھی جلد ہی۔

اس نے دریافت کیا: تم کس جگہ اسلام لائے۔

میں نے کہا: نجاشی کے پاس اور بتلایا کہ نجاشی بھی مسلمان ہو چکا ہے۔

عبد نے پوچھا: اس کی قوم نے اس کی بادشاہت کا کیا کیا؟

میں نے کہا: اسے برقرار رکھا اور اس کی پیروی کی۔

اس نے کہا: اسقفوں اور راہبوں نے بھی اس کی پیروی کی؟

میں نے کہا: ہاں!

عبد نے کہا: اے عمرؓو! دیکھو کیا کہہ رہے ہو کیونکہ آدمی کی کوئی بھی خصلت جھوٹ سے زیادہ رسوا کن نہیں۔

میں نے کہا: میں جھوٹ نہیں کہہ رہا ہوں اور نہ ہم اسے حلال سمجھتے ہیں۔

عبد نے کہا: میں سمجھتا ہوں، ہرقل کو نجاشی کے اسلام لانے کا علم نہیں۔

میں نے کہا: کیوں نہیں۔

عبد نے کہا: تمہیں یہ بات کیسے معلوم؟

میں نے کہا: نجاشی ہرقل کو خراج ادا کیا کرتا تھا لیکن جب اس نے اسلام قبول کیا' اور محمد ﷺ کی تصدیق کی تو بولا: خدا کی قسم اب اگر وہ مجھ سے ایک درہم بھی مانگے گا تو میں نہ دوں گا۔ اور جب اس کی اطلاع ہرقل کو ہوئی تو اس کے بھائی یناق نے کہا' کیا تم اپنے غلام کو چھوڑ دو گے کہ وہ تمہیں خراج نہ دے اور تمہارے بجائے ایک دوسرے شخص کا نیا دین اختیار کر لے؟ ہرقل نے کہا: یہ ایک آدمی ہے جس نے ایک دین کو پسند کیا اور اسے اپنے لیے اختیار کر لیا۔ اب میں اس کا کیا کر سکتا ہوں؟ خدا کی قسم! اگر مجھے اپنی بادشاہت کی حرص نہ ہوتی تو میں بھی وہی کرتا جو اس نے کیا ہے۔

عبد نے کہا: عمرو! دیکھو کیا کہہ رہے ہو؟

میں نے کہا: واللہ میں تم سے سچ کہہ رہا ہوں۔

عبد نے کہا: اچھا مجھے بتاؤ وہ کس بات کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں؟

میں نے کہا: اللہ عزوجل کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے منع کرتے ہیں نیکی وصلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور ظلم و زیادتی، زناکاری، شراب نوشی اور پتھر، بت اور صلیب کی عبادت سے منع کرتے ہیں۔

عبد نے کہا: یہ کتنی اچھی بات ہے جس کی طرف بلاتے ہیں۔ اگر میرا بھائی بھی اس بات پر میری متابعت کرتا تو ہم لوگ سوار ہو کر (چل پڑتے) یہاں تک کہ محمد ﷺ پر ایمان لاتے اور ان کی تصدیق کرتے لیکن میرا بھائی اپنی بادشاہت کا اس سے کہیں زیادہ حریص ہے کہ اسے چھوڑ کر کسی کا تابع فرمان بن جائے۔

میں نے کہا: اگر وہ اسلام قبول کر لے تو رسول اللہ ﷺ اس کی قوم پر اس کی بادشاہت برقرار رکھیں گے۔ البتہ ان کے مالداروں سے صدقہ لے کر فقیروں پر تقسیم کر دیں گے۔

عبد نے کہا: یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ اچھا بتاؤ صدقہ کیا ہے؟

جواب میں میں نے مختلف اموال کے اندر رسول اللہ ﷺ کے مقرر کئے ہوئے صدقات کی تفصیل بتائی۔ جب اونٹ کی باری آئی تو وہ بولا: اے عمرؓو! ہمارے ان مویشیوں میں سے بھی صدقہ لیا جائے گا

جو خود ہی درخت چر لیتے ہیں۔

میں نے کہا: ہاں!

عبد نے کہا: واللہ میں نہیں سمجھتا کہ میری قوم اپنے ملک کی وسعت اور تعداد کی کثرت کے باوجود اس کو مان لے گی۔

حضرت عمروؓ بن عاص کا بیان ہے کہ میں اس کی ڈیوڑھی میں چند دن ٹھہرا رہا۔ وہ اپنے بھائی کے پاس جا کر میری ساری باتیں بتاتا رہتا تھا۔ پھر ایک دن اس نے مجھے بلایا اور میں اندر داخل ہوا۔ چوبداروں نے میرے بازو پکڑ لیے۔ اس نے کہا چھوڑ دو اور مجھے چھوڑ دیا گیا۔ میں نے بیٹھنا چاہا تو چوبداروں نے مجھے بیٹھنے نہ دیا۔ میں نے بادشاہ کی طرف دیکھا تو اس نے کہا اپنی بات کہو' میں نے سربمہر خط اس کے حوالے کر دیا۔ اس نے مہر توڑ کر خط پڑھا؛ جب پورا خط پڑھ چکا تو اپنے بھائی کے حوالہ کر دیا۔ بھائی نے بھی اسی طرح پڑھا۔ مگر میں نے دیکھا کہ اس کا بھائی اس سے زیادہ نرم دل ہے۔

بادشاہ نے پوچھا: مجھے بتاؤ قریش نے کیا روش اختیار کی ہے؟

میں نے کہا: سب ان کے اطاعت گذار ہو گئے ہیں۔ کوئی دین سے رغبت کی بنا پر اور کوئی تلوار سے خوف زدہ ہو کر۔

بادشاہ نے پوچھا: ان کے ساتھ کون لوگ ہیں؟

میں نے کہا: سارے لوگ ہیں۔ انہوں نے اسلام کو برضا و رغبت قبول کر لیا ہے اور اسے تمام دوسری چیزوں پر ترجیح دی ہے۔ انہیں اللہ کی ہدایت اور اپنی عقل کی رہنمائی سے یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ وہ گمراہ تھے۔ اب اس علاقہ میں میں نہیں جانتا کہ تمہارے سوا کوئی اور باقی رہ گیا ہے۔ اور اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا اور محمد ﷺ کی پیروی نہ کی تو تمہیں سوار روند ڈالیں گے اور تمہاری ہریالی کا صفایا کر دیں گے۔ اس لیے اسلام قبول کر لو، سلامت رہو گے اور رسول اللہ ﷺ تم کو تمہاری قوم کا حکمران بنا دیں گے۔ تم پر نہ سوار داخل ہوں گے نہ پیادے۔

بادشاہ نے کہا: مجھے آج چھوڑ دو اور کل پھر آؤ۔

اس کے بعد میں اس کے بھائی کے پاس واپس آ گیا۔

اس نے کہا: عمرو! مجھے امید ہے کہ اگر بادشاہت کی حرص غالب نہ آئی تو وہ اسلام قبول کر لے گا۔ دوسرے دن پھر بادشاہ کے پاس گیا لیکن اس نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس لیے میں اس کے

بھائی کے پاس واپس آگیا اور بتلایا کہ بادشاہ تک میری رسائی نہ ہو سکی۔ بھائی نے مجھے اس کے یہاں پہنچا دیا۔ اس نے کہا: "میں نے تمہاری دعوت پر غور کیا۔ اگر میں بادشاہت ایک ایسے آدمی کے حوالے کر دوں جس کے شہسوار یہاں پہنچے بھی نہیں تو میں عرب میں سب سے کمزور سمجھا جاؤں گا اور اگر اس کے شہسوار یہاں پہنچ آئے تو ایسا رن پڑے گا کہ انہیں کبھی اس سے سابقہ نہ پڑا ہوگا۔"

میں نے کہا: اچھا تو میں کل واپس جا رہا ہوں۔

جب اسے میری واپسی کا یقین ہو گیا تو اس نے بھائی سے خلوت میں بات کی اور بولا: "یہ پیغمبر جن پر غالب آچکا ہے ان کے مقابل ہماری کوئی حیثیت نہیں اور اس نے جس کسی کے پاس بھی پیغام بھیجا ہے اس نے دعوت قبول کر لی ہے، لہٰذا دوسرے دن صبح ہی مجھے بلوایا گیا اور بادشاہ اور اس کے بھائی دونوں نے اسلام قبول کر لیا اور نبی ﷺ کی تصدیق کی اور صدقہ وصول کرنے اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لیے مجھے آزاد چھوڑ دیا اور جس کسی نے میری مخالفت کی اس کے خلاف میرے مددگار ثابت ہوئے۔"[1]

اس واقعے کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ بادشاہوں کی بہ نسبت ان دونوں کے پاس خط کی روانگی خاصی تاخیر سے عمل میں آئی تھی۔ غالباً یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے۔

ان خطوط کے ذریعے نبی ﷺ نے اپنی دعوت روئے زمین کے بیشتر بادشاہوں تک پہنچا دی۔ اس کے جواب میں کوئی ایمان لایا تو کسی نے کفر کیا؛ لیکن اتنا ضرور ہوا کہ کفر کرنے والوں کی توجہ بھی اس جانب مبذول ہو گئی اور ان کے نزدیک آپ کا دین اور آپ کا نام ایک جانی پہچانی چیز بن گیا۔

○

[1] زاد المعاد ۳/ ۶۲، ۶۳

صلح حُدیبیہ کے بعد کی فوجی سرگرمیاں

غزوۂ غابہ یا غزوۂ ذی قَرَد

یہ غزوہ درحقیقت بنو فَزَارَہ کی ایک ٹکڑی کے خلاف جس نے رسول اللہ ﷺ کے مویشیوں پر ڈاکہ ڈالا تھا، تعاقب سے عبارت ہے۔

حدیبیہ کے بعد اور خیبر سے پہلے یہ پہلا اور واحد غزوہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کو پیش آیا۔ امام بخاری نے اس کا باب منعقد کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ خیبر سے صرف تین روز پہلے پیش آیا تھا اور یہی بات اس غزوے کے خصوصی کارپرداز حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ان کی روایت صحیح مسلم میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جمہور اہلِ مغازی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ سے پہلے کا ہے لیکن جو بات صحیح میں بیان کی گئی ہے اہلِ مغازی کے بیان کے مقابل وہی زیادہ صحیح ہے [1]

اس غزوہ کے ہیرو حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے جو روایات مروی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی دودھیل اُونٹنیاں اپنے غلام رباحؓ اور ایک چرواہے کے ہمراہ چرنے کے لیے بھیجی تھیں اور میں بھی ابوطلحہؓ کا گھوڑا لیے ان کے ساتھ تھا کہ اچانک صبح دم عبدالرحمٰن فزاری نے اُونٹنیوں پر چھاپہ مارا اور ان سب کو ہانک لے گیا اور چرواہے کو قتل کر دیا۔ میں نے کہا : رباحؓ! یہ گھوڑا لو۔ اسے ابوطلحہؓ تک پہنچا دو اور رسول اللہ ﷺ کو خبر کر دو۔ اور خود میں نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر مدینہ کی طرف رُخ کیا اور تین بار پکار لگائی : یا صَبَاحَاہ! ہائے صبح کا حملہ۔ پھر میں حملہ آوروں کے پیچھے چل نکلا۔ ان پر تیر برساتا جاتا تھا اور یہ رجز پڑھتا جاتا تھا۔

اَنَا ابْنُ الْاَکْوَعِ وَالْیَوْمُ یَوْمُ الرُّضَّعِ

میں اکوع کا بیٹا ہوں اور آج کا دن دودھ پینے والے کا دن ہے (یعنی آج پتہ لگ جائے گا کہ کس نے اپنی ماں کا دُودھ پیا ہے۔)

سلمہؓ بن اکوع کہتے ہیں کہ بخدا میں انھیں مسلسل تیروں سے چھلنی کرتا رہا۔ جب کوئی سوار میری طرف پلٹ کر

---

[1] دیکھئے صحیح بخاری باب غزوہ ذات قرد ۲/۶۰۳ صحیح مسلم باب غزوہ ذی قرد وغیرہا ۲/۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵ فتح الباری ۷/۴۶۰۔ ۴۶۱، ۴۶۲، زاد المعاد ۲/۱۲۰

آتا تو میں کسی درخت کی اوٹ میں بیٹھ جاتا۔ پھر اسے تیر مار کر زخمی کر دیتا۔ یہاں تک کہ جب یہ لوگ پہاڑ کے تنگ راستے میں داخل ہوئے تو میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور پتھروں سے ان کی خبر لینے لگا۔ اس طرح میں نے مسلسل ان کا پیچھا کئے رکھا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی جتنی بھی اونٹنیاں تھیں میں ان سب کو اپنے پیچھے چھوڑ گیا اور ان لوگوں نے میرے لیے ان سب کو آزاد چھوڑ دیا۔ لیکن میں نے پھر بھی ان کا پیچھا جاری رکھا اور ان پر تیر برساتا رہا یہاں تک کہ بوجھ کم کرنے کے لیے انہوں نے تیس سے زیادہ چادریں اور تیس سے زیادہ نیزے پھینک دیے۔ وہ لوگ جو کچھ بھی پھینکتے تھے میں اس پر (بطور نشان) تھوڑے سے پتھر ڈال دیتا تھا تاکہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے رفقاء پہچان لیں (کہ یہ دشمن سے چھینا ہوا مال ہے۔) اس کے بعد وہ لوگ ایک گھاٹی کے تنگ موڑ پر بیٹھ کر دوپہر کا کھانا کھانے لگے۔ میں بھی ایک چوٹی پر جا بیٹھا۔ یہ دیکھ کر ان کے چار آدمی پہاڑ پر چڑھ کر میری طرف آئے (جب اتنے قریب آ گئے کہ بات سن سکیں تو) میں نے کہا، تم لوگ مجھے پہچانتے ہو؟ میں سلمہ بن اکوع ہوں، تم میں سے جس کسی کے پیچھے دوڑوں گا بے دھڑک پالوں گا اور جو کوئی میرے پیچھے دوڑے گا ہرگز نہ پا سکے گا۔ میری یہ بات سن کر چاروں واپس چلے گئے اور میں اپنی جگہ جما رہا یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سواروں کو دیکھا کہ درختوں کے درمیان سے چلے آ رہے ہیں۔ سب سے آگے اخرمؓ تھے، ان کے پیچھے ابوقتادہؓ اور ان کے پیچھے مقدادؓ بن اسود (محاذ پر پہنچ کر) عبدالرحمٰن اور حضرت اخرمؓ میں ٹکر ہوئی۔ حضرت اخرمؓ نے عبدالرحمٰن کے گھوڑے کو زخمی کر دیا لیکن عبدالرحمٰن نے نیزہ مار کر حضرت اخرمؓ کو قتل کر دیا اور ان کے گھوڑے پر جا بیٹھا مگر اتنے میں حضرت ابوقتادہؓ، عبدالرحمٰن کے سر پر جا پہنچے اور اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ بقیہ حملہ آور پیٹھ پھیر کر بھاگے اور ہم نے انہیں کھدیڑنا شروع کیا۔ میں اُن کے پیچھے پیدل دوڑ رہا تھا۔ سورج ڈوبنے سے کچھ پہلے ان لوگوں نے اپنا رُخ ایک گھاٹی کی طرف موڑا جس میں ذی قرد نام کا ایک چشمہ تھا۔ یہ لوگ پیاسے تھے اور وہاں پانی پینا چاہتے تھے لیکن میں نے انہیں چشمے سے پرے ہی رکھا اور وہ ایک قطرہ بھی نہ چکھ سکے۔ رسول اللہ ﷺ اور شہسوار صحابہؓ دن ڈوبنے کے بعد میرے پاس پہنچے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ سب پیاسے تھے۔ اگر آپ مجھے سو آدمی دے دیں تو میں زین سمیت ان کے تمام گھوڑے چھین لوں اور ان کی گردنیں پکڑ کر حاضر خدمت کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا: اکوع کے بیٹے تم قابو پا گئے ہو تو اب ذرا نرمی برتو۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اس وقت بنو غطفان میں ان کی مہمان نوازی کی جا رہی ہے۔

(اس غزوے پر) رسول اللہ ﷺ نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: آج ہمارے سب سے بہتر شہسوار ابوقتادہؓ اور سب سے بہتر پیادہ سلمہؓ ہیں۔ اور آپؐ نے مجھے دو حصے دیے ایک پیادہ کا حصہ اور

ایک شہسوار کا حصہ۔ اور مدینہ واپس ہوتے ہوئے مجھے (یہ شرف بخشا کہ) اپنی عضباء نامی اونٹنی پر اپنے پیچھے سوار فرمالیا۔

اس غزوے کے دوران رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا انتظام حضرت ابنؓ اُمِّ مکتوم کو سونپا تھا اور اس غزوے کا پرچم حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا[1]۔

○

---

[1] سابقہ مآخذ

غزوہ خیبر اور غزوۂ وادی القریٰ (محرم ۷ھ)

خیبر، مدینہ کے شمال میں تقریباً ایک سو میل کے فاصلے پر ایک بڑا شہر تھا۔ یہاں قلعے بھی تھے اور کھیتیاں بھی۔ اب یہ ایک بستی رہ گئی ہے۔ اس کی آب و ہوا قدرے غیر صحت مند ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں جنگِ احزاب کے تین بازوؤں میں سے سب سے مضبوط بازو (قریش) کی طرف سے پوری طرح مطمئن اور مامون ہو گئے تو آپؐ نے چاہا کہ بقیہ دو بازوؤں۔ یہود اور قبائل نجد ـــ سے بھی حساب کتاب چکا لیں تاکہ ہر جانب سے مکمل امن و سلامتی حاصل ہو جائے اور پورے علاقے میں سکون کا دور دورہ ہو اور مسلمان ایک پیہم خونریز کشمکش سے نجات پا کر اللہ کی پیغام رسانی اور اس کی دعوت کے لیے فارغ ہو جائیں۔

چونکہ خیبر سازشوں اور دسیسہ کاریوں کا گڑھ، فوجی انگیخت کا مرکز اور لڑانے بھڑانے اور جنگ کی آگ بھڑکانے کی کان تھا اس لیے سب سے پہلے یہی مقام مسلمانوں کی نگہِ التفات کا مستحق تھا۔

رہا یہ سوال کہ خیبر واقعتہً ایسا تھا یا نہیں تو اس سلسلے میں ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ وہ اہلِ خیبر ہی تھے جو جنگِ خندق میں مشرکین کے تمام گروہوں کو مسلمانوں پر چڑھا لائے تھے۔ پھر یہی تھے جنہوں نے بنو قریظہ کو غدر و خیانت پر آمادہ کیا تھا۔ نیز یہی تھے جنہوں نے اسلامی معاشرے کے پانچویں کالم منافقین سے اور جنگِ احزاب کے تیسرے بازو ـــ بنو غطفان اور بدوؤں ـــ سے رابطہ پیہم قائم کر رکھا تھا اور خود بھی جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے اور اپنی ان کارروائیوں کے ذریعے مسلمانوں کو آزمائشوں میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ نبی ﷺ کو بھی شہید کرنے کا پروگرام بنا لیا تھا۔ ان حالات سے مجبور ہو کر مسلمانوں کو بار بار فوجی مہمیں بھیجنی پڑی تھیں اور ان دسیسہ کاروں اور سازشیوں کے سربراہوں مثلاً سلام بن ابی الحقیق اور اسیر بن زارم کا صفایا کرنا پڑا تھا۔ لیکن ان یہود کے متعلق مسلمانوں کا فرض درحقیقت اس سے بھی کہیں بڑا تھا۔ البتہ مسلمانوں نے اس فرض کی ادائیگی میں قدرے تاخیر سے اس لیے کام کیا تھا کہ ابھی ایک قوت ـــ یعنی قریش ـــ جو ان یہود سے زیادہ بڑی، طاقتور، جنگجو اور سرکش تھی مسلمانوں کے مدِ مقابل تھی؛ اس لیے مسلمان اسے نظر انداز کر کے یہود کا رُخ نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن جونہی قریش کے ساتھ اس محاذ آرائی کا خاتمہ ہوا ان مجرم یہودیوں کے محاسبہ کے لیے فضا صاف ہو گئی اور ان

کا یوم الحساب قریب آگیا۔

خیبر کو روانگی

ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپس آکر ذی الحجہ کا پورا مہینہ اور محرّم کے چند دن مدینے میں قیام فرمایا۔ پھر محرّم کے باقی ماندہ ایام میں خیبر کے لیے روانہ ہوگئے۔

مفسرین کا بیان ہے کہ خیبر اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا جو اس نے اپنے ارشاد کے ذریعہ فرمایا تھا:

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ (۴۸ : ۲۰)

"اللہ نے تم سے بہت سے اموالِ غنیمت کا وعدہ کیا ہے جسے تم حاصل کروگے تو اسکو تمہارے لیے فوری طور پر عطا کردیا"

"جس کو فوری طور پر ادا کردیا" اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے اور "بہت سے اموال غنیمت" سے مراد خیبر ہے۔

اِسلامی لشکر کی تعداد

چونکہ منافقین اور کمزور ایمان کے لوگ سفر حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت اختیار کرنے کے بجائے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان کے بارے میں حکم دیتے ہوئے فرمایا:

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (۴۸ : ۱۵)

"جب تم اموال غنیمت حاصل کرنے کے لیے جانے لگوگے تو یہ پیچھے چھوڑے گئے لوگ کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی بات بدل دیں۔ ان سے کہہ دینا کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اللہ نے پہلے ہی سے یہ بات کہہ دی ہے (اس پر) یہ لوگ کہیں گے کہ (نہیں) بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو۔ (حالانکہ حقیقت یہ ہے) کہ یہ لوگ کم ہی سمجھتے ہیں۔"

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی روانگی کا ارادہ فرمایا تو اعلان فرمادیا کہ آپؐ کے ساتھ صرف وہی آدمی روانہ ہوسکتا ہے جسے واقعتہً جہاد کی رغبت اور خواہش ہے۔ اس اعلان کے نتیجہ میں آپؐ کے ساتھ صرف وہی لوگ جاسکے جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعتِ رضوان کی تھی اور ان کی تعداد صرف چودہ سو (۱۴۰۰) تھی۔

اس غزوے کے دوران مدینہ کا انتظام حضرت سباعؓ بن عرفطہ غفاری کو ـــــ اور ابنِ اسحاق کے بقول ـــــ نُمَیلہؓ بن عبداللہ لیثی کو سونپا گیا تھا۔ محققین کے نزدیک پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسی موقع پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو کر مدینہ تشریف لائے تھے۔ اس وقت حضرت سباعؓ بن عرفطہ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت ابوہریرہؓ انکی خدمت میں پہنچے انہوں نے توشہ فراہم کر دیا اور حضرت ابوہریرہؓ خدمتِ نبویؐ میں حاضری کے لیے خیبر کی جانب چل پڑے جب خدمتِ نبوی میں پہنچے تو (خیبر فتح ہو چکا تھا) رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے گفتگو کر کے حضرت ابوہریرہؓ اور ان کے رفقاء کو بھی مالِ غنیمت میں شریک کر لیا۔

یہود کے لیے منافقین کی سرگرمیاں

اس موقع پر یہود کی حمایت میں منافقین نے بھی خاصی تگ و دو کی۔ چنانچہ راس المنافقین عبداللہ بن اُبَیّ نے یہودِ خیبر کو یہ پیغام بھیجا کہ اب محمدؐ نے تمہاری طرف رُخ کیا ہے لہٰذا چوکنا ہو جاؤ، تیاری کر لو اور دیکھو ڈرنا نہیں کیونکہ تمہاری تعداد اور تمہارا ساز و سامان زیادہ ہے اور محمدؐ کے رفقاء بہت تھوڑے اور تہی دست ہیں اور ان کے پاس ہتھیار بھی بس تھوڑے ہی سے ہیں۔

جب اہلِ خیبر کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے کنانہ بن ابی الحُقَیق اور ہوذہ بن قیس کو حصولِ مدد کے لیے بنو غطفان کے پاس روانہ کیا، کیونکہ وہ خیبر کے یہودیوں کے حلیف اور مسلمانوں کے خلاف ان کے مددگار تھے۔ یہود نے یہ پیشکش بھی کی کہ اگر انہیں مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہو گیا تو خیبر کی نصف پیداوار انہیں دی جائے گی۔

خیبر کا راستہ

رسول اللہ ﷺ نے خیبر جاتے ہوئے جبلِ عفر کو عبور کیا۔ عفر کے عین کو زیر ہے اور ف ساکن ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ دونوں پر زبر ہے — پھر وادی صہبا سے گذرے۔ اس کے بعد ایک اور وادی میں پہنچے جس کا نام رجیع ہے۔ (مگر یہ وہ رجیع نہیں ہے جہاں عضل و قارہ کی غداری سے بنو لحیان کے ہاتھوں آٹھ صحابہ کرامؓ کی شہادت اور حضرت زید و خبیب کی گرفتاری اور پھر مکہ میں شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا۔)

رجیع سے بنو غطفان کی آبادی صرف ایک دن اور ایک رات کی دوری پر واقع تھی اور بنو غطفان نے تیار ہو کر یہود کی امداد کے لیے خیبر کی راہ لے لی تھی۔ لیکن اثناءِ راہ میں انھیں اپنے پیچھے کچھ شور و شغب سنائی پڑا تو انہوں نے سمجھا کہ مسلمانوں نے ان کے بال بچوں اور مویشیوں پر حملہ کر دیا ہے اس لیے وہ واپس پلٹ گئے اور خیبر کو مسلمانوں کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں ماہرینِ راہ کو بلایا جو لشکر کو راستہ بتانے پر مامور تھے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) [1] دیکھئے فتح الباری ۷/۴۶۵، زاد المعاد ۲/۱۳۳

ان میں سے ایک کا نام حسیل تھا۔ ان دونوں سے آپؐ نے ایسا مناسب ترین راستہ معلوم کرنا چاہا جسے اختیار کر کے خیبر میں شمال کی جانب سے یعنی مدینہ کے بجائے شام کی جانب سے داخل ہو سکیں تاکہ اس حکمتِ عملی کے ذریعے ایک طرف تو یہود کے شام بھاگنے کا راستہ بند کر دیں اور دوسری طرف بنو غطفان اور یہود کے درمیان حائل ہو کر ان کی طرف سے کسی مدد کی رسائی کے امکانات ختم کر دیں۔

ایک راہنما نے کہا: "اے اللہ کے رسول! میں آپ کو ایسے راستہ سے لے چلوں گا۔" چنانچہ وہ آگے آگے چلا۔ ایک مقام پر پہنچ کر جہاں متعدد راستے پھوٹتے تھے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان سب راستوں سے آپ منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا کہ وہ ہر ایک کا نام بتائے۔ اس نے بتایا کہ ایک نام حزن (سخت اور کھردرا) ہے۔ آپؐ نے اس پر چلنا منظور نہ کیا۔ اس نے بتایا" دوسرے کا نام شاش (تفرق و اضطراب والا) ہے۔ آپؐ نے اسے بھی منظور نہ کیا۔ اس نے بتایا تیسرے کا نام حاطب (لکڑ ہارا) ہے۔ آپ نے اس پر بھی چلنے سے انکار کر دیا۔ حسیل نے کہا" اب ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس کا نام کیا ہے؟ حسیل نے کہا، مرحب (کشادگی) نبی ﷺ نے اسی پر چلنا پسند فرمایا۔

راستے کے بعض واقعات

۱۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ نبی ﷺ کے ہمراہ خیبر روانہ ہوئے۔ رات میں سفر طے ہو رہا تھا۔ ایک آدمی نے عامر سے کہا: اے عامر! کیوں نہ ہمیں اپنے کچھ نوادرات سناؤ؟ — عامر شاعر تھے — سواری سے اترے اور قوم کی حدی خوانی کرنے لگے۔ اشعار یہ تھے:

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا　　وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

فَاغْفِرْ فِدَاءً لَکَ مَا اتَّقَیْنَا　　وَ ثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَیْنَا

وَ اَلْقِیَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا　　اِنَّا اِذَا صِیْحَ بِنَا اَبَیْنَا

وَ بِالصِّیَاحِ عَوَّلُوْا عَلَیْنَا

"اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ صدقہ کرتے نہ نماز پڑھتے۔ ہم تجھ پر قربان! تو ہمیں بخش دے، جب تک ہم تقویٰ اختیار کریں اور اگر ہم ٹکرائیں تو ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہم پر سکینت نازل فرما۔ جب ہمیں للکارا جاتا ہے تو ہم اکڑ جاتے ہیں۔ اور للکار میں ہم پر لوگوں نے اعتماد کیا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ کون حدی خوان ہے؟ لوگوں نے کہا: عامرؓ بن اکوع۔ آپ نے فرمایا" اللہ اس پر رحم کرے۔ قوم کے ایک آدمی نے کہا" اب تو (ان کی شہادت) واجب ہو گئی۔ آپؐ نے ان

کے وجود سے ہمیں بہرہ ور کیوں نہ فرمایا۔[۲]

صحابہ کرامؓ کو معلوم تھا کہ (جنگ کے موقع پر) رسول اللہ ﷺ کسی انسان کے لیے خصوصیت سے دعائے مغفرت کریں تو وہ شہید ہو جاتا ہے۔[۳] اور یہی واقعہ جنگِ خیبر میں (حضرت عامرؓ کے ساتھ) پیش آیا۔ (اسی لیے انہوں نے یہ عرض کی تھی کہ کیوں نہ ان کے لیے درازیٔ عمر کی دعا کی گئی کہ ان کے وجود سے ہم مزید بہرہ ور ہوتے۔)

۲۔ خیبر کے بالکل قریب وادیٔ صہبا میں آپؐ نے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر توشے منگوائے تو صرف ستو لائے گئے۔ آپؐ کے حکم سے ملائے گئے۔ پھر آپؐ نے کھائے اور صحابہ نے بھی کھائے۔ اس کے بعد آپ نماز مغرب کے لیے اُٹھے تو صرف کلی کی۔ صحابہ نے بھی کلی کی۔ پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔[۴] (پچھلے ہی وضو پر اکتفا کیا۔) پھر آپؐ نے عشاء کی نماز ادا فرمائی۔[۵]

اسلامی لشکر خیبر کے دامن میں

مسلمانوں نے آخری رات جس کی صبح جنگ شروع ہوئی خیبر کے قریب گذاری لیکن یہود کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

نبی ﷺ کا دستور تھا کہ جب رات کے وقت کسی قوم کے پاس پہنچتے تو صبح ہوئے بغیر ان کے قریب نہ جاتے۔ چنانچہ اس رات جب صبح ہوئی تو آپؐ نے غلس (اندھیرے) میں فجر کی نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد مسلمان سوار ہو کر خیبر کی طرف بڑھے۔ ادھر اہلِ خیبر بے خبری میں اپنے پھاوڑے اور کھانچی وغیرہ لے کر اپنی کھیتی باڑی کے لیے نکلے تو اچانک لشکر دیکھ کر چیختے ہوئے شہر کی طرف بھاگے کہ خدا کی قسم محمدؐ لشکر سمیت آ گئے ہیں۔ نبی ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا: "اللہ اکبر، خیبر تباہ ہوا۔ اللہ اکبر خیبر تباہ ہوا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر پڑتے ہیں تو ان ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بُری ہو جاتی ہے۔"[۶]

نبی ﷺ نے لشکر کے پڑاؤ کے لیے ایک جگہ کا انتخاب فرمایا۔ اس پر حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے آ کر عرض کیا "یا رسول اللہ! یہ بتلایئے کہ اس مقام پر اللہ نے آپ کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا ہے یا یہ محض آپ کی جنگی تدبیر اور رائے ہے؟ آپؐ نے فرمایا "نہیں یہ محض ایک رائے اور تدبیر ہے۔ انہوں نے کہا: "اے اللہ کے رسول! یہ مقام قلعۂ نطاۃ سے بہت ہی قریب ہے اور خیبر کے سارے جنگ جُو افراد اسی قلعے میں ہیں۔ انہیں ہمارے حالات کا پورا پورا علم رہے گا اور ہمیں ان کے حالات کی خبر نہ ہوگی۔ ان کے تیر ہم تک پہنچ جائیں گے اور ہمارے تیر ان تک نہ پہنچ سکیں گے۔ ہم ان کے شبخون سے بھی محفوظ نہ رہیں

---

[۲] صحیح بخاری باب غزوہ خیبر ۲/۶۰۳ صحیح مسلم باب غزوۃ ذی قرد وغیرہا ۲/۱۱۵ [۳] صحیح مسلم ۲/۱۱۵

[۴] ایضاً صحیح بخاری ۲/۶۰۳ [۵] مغازی الواقدی (غزوہ خیبر ص ۱۱۲) [۶] صحیح بخاری باب غزوہ خیبر ۲/۶۰۳، ۶۰۴

گے۔ پھر یہ مقام کھجوروں کے درمیان ہے، پستی میں واقع ہے اور یہاں کی زمین بھی وبائی ہے، اس لیے مناسب ہوگا کہ آپ کسی ایسی جگہ پڑاؤ ڈالنے کا حکم فرمائیں جو ان مفاسد سے خالی ہو، اور ہم اسی جگہ منتقل ہو کر پڑاؤ ڈالیں۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم نے جو رائے دی بالکل درست ہے۔ اس کے بعد آپؐ دوسری جگہ منتقل ہو گئے۔

نیز جب آپؐ خیبر کے اتنے قریب پہنچ گئے کہ شہر دکھائی پڑنے لگا تو آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ۔ لشکر ٹھہر گیا، اور آپ نے یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرَضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ فَاِنَّا نَسْاَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ اَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَشَرِّ اَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا۔

"اے اللہ! ساتوں آسمان اور جن پر وہ سایہ فگن ہیں، ان کے پروردگار! اور ساتوں زمین، اور جنکو وہ اٹھائے ہوئے ہیں، ان کے پروردگار! اور شیاطین، اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا، ان کے پروردگار! ہم تجھ سے اس بستی کی بھلائی اس کے باشندوں کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں؛ اور اس بستی کے شر سے اور اس کے باشندوں کے شر سے، اور اس میں جو کچھ ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔"

(اس کے بعد فرمایا: چلو) اللہ کے نام سے آگے بڑھو۔[1]

جنگ کی تیاری اور خیبر کے قلعے

جس رات خیبر کی حدود میں رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے فرمایا: "میں کل جھنڈا ایک ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے۔ اور جس سے اللہ اور اس کے رسولؐ محبت کرتے ہیں۔" صبح ہوئی تو صحابہ کرام نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر ایک یہی آرزو باندھے اور آس لگائے تھا کہ جھنڈا اسے مل جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، علیؓ بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ! ان کی تو آنکھ آئی ہوئی ہے[2]۔ فرمایا، انہیں بلالاؤ۔ وہ لائے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ وہ شفایاب ہو گئے۔ گویا انہیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر انہیں جھنڈا عطا فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! میں ان سے اس وقت تک لڑوں کہ وہ ہمارے جیسے ہو جائیں؟" آپؐ نے فرمایا: "اطمینان سے جاؤ یہاں تک کہ ان کے میدان میں اترو؛ پھر انہیں اسلام کی دعوت دو اور اسلام میں

---

[1] ابن ہشام ۲/۳۲۹ [2] اسی بیماری کی وجہ سے پہلے پہل آپؓ پیچھے رہ گئے تھے۔ پھر لشکر سے جا ملے۔

اللہ کے جو حقوق ان پر واجب ہوتے ہیں ان سے آگاہ کرو۔ بخدا تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو بھی ہدایت دیدے تو یہ تمہارے لیے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے"[۹]

خیبر کی آبادی دو منطقوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک منطقے میں حسبِ ذیل پانچ قلعے تھے۔

۱۔ حصن ناعم۔ ۲۔ حصن صعب بن معاذ۔ ۳۔ حصن قلعہ زبیر۔ ۴۔ حصن ابی۔ ۵۔ حصن نزار۔

ان میں سے مشہور تین قلعوں پر مشتمل علاقہ نطاۃ کہلاتا تھا اور بقیہ دو قلعوں پر مشتمل علاقہ شق کے نام سے مشہور تھا۔

خیبر کی آبادی کا دوسرا منطقہ کتیبہ کہلاتا تھا۔ اس میں صرف تین قلعے تھے:

۱۔ حصن قموص (یہ قبیلہ بنو نضیر کے خاندان ابوالحقیق کا قلعہ تھا) ۲۔ حصن وطیح ۳۔ حصن سلالم۔

ان آٹھ قلعوں کے علاوہ خیبر میں مزید قلعے اور گڑھیاں بھی تھیں مگر وہ چھوٹی تھیں اور قوت و حفاظت میں ان قلعوں کے ہم پلہ نہ تھیں۔

جہاں تک جنگ کا تعلق ہے تو وہ صرف پہلے منطقے میں ہوئی۔ دوسرے منطقے کے تینوں قلعے لڑنیوالوں کی کثرت کے باوجود جنگ کے بغیر ہی مسلمانوں کے حوالے کر دیے گئے۔

معرکے کا آغاز اور قلعہ ناعم کی فتح

مذکورہ بالا آٹھ قلعوں میں سے سب سے پہلے قلعہ ناعم پر حملہ ہوا۔ کیونکہ یہ قلعہ اپنے محلِ وقوع کی نزاکت اور اسٹراٹیجی کے لحاظ سے یہود کی پہلی دفاعی لائن کی حیثیت رکھتا تھا اور یہی قلعہ مَرحَب نامی اس شہ زور اور جانباز یہودی کا قلعہ تھا جسے ایک ہزار مردوں کے برابر مانا جاتا تھا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی فوج لے کر اس قلعے کے سامنے پہنچے اور یہود کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے یہ دعوت مسترد کر دی اور اپنے بادشاہ مرحب کی کمان میں مسلمانوں کے مقابل آکھڑے ہوئے۔ میدان جنگ میں اتر کر پہلے مرحب نے دعوتِ مبارزت دی جس کی کیفیت سلمہ بن اکوع نے یوں بیان کی ہے کہ جب ہم لوگ خیبر پہنچے تو ان کا بادشاہ مرحب اپنی تلوار لے کر ناز و تکبر کے ساتھ اٹھلاتا اور یہ کہتا ہوا نمودار ہوا۔

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّیْ مَرْحَبُ　　شَاكِی السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ

اِذَا الْحُرُوْبُ اَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

خیبر کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں۔ ہتھیار پوش، بہادر اور تجربہ کار! جب جنگ پیکار شعلہ زن ہو۔

---

[۹] صحیح بخاری باب غزوہ خیبر ۲/ ۶۰۵، ۶۰۶ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کے ایک قلعے کی فتح میں متعدد کوششوں کی ناکامی کے بعد حضرت علی کو جھنڈا دیا گیا تھا لیکن محققین کے نزدیک راجح وہی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔

اس کے مقابل میرے چچا عامرؓ نمودار ہوئے اور فرمایا۔

قدعلمت خیبر انی عامر　　شاکی السلاح بطل معامر

"خیبر جانتا ہے کہ میں عامر ہوں۔ ہتھیار پوش، شہ زور اور جنگجو"

پھر دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیا۔ مرحب کی تلوار میرے چچا عامرؓ کی ڈھال میں جا چبھی اور عامرؓ نے اسے نیچے سے مارنا چاہا لیکن ان کی تلوار چھوٹی تھی۔ انہوں نے یہودی کی پنڈلی پر وار کیا تو تلوار کا سرا پلٹ کر ان کے گھٹنے پر آ لگا اور بالآخر اسی زخم سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ نبی ﷺ نے اپنی دو انگلیاں اکٹھی کر کے ان کے بارے میں فرمایا کہ انکے لیے دہرا اجر ہے۔ وہ بڑے جانباز مجاہد تھے۔ کم ہی ان جیسا کوئی عرب روئے زمین پر ہوا ہوگا[1]

بہرحال حضرت عامرؓ کے زخمی ہو جانے کے بعد مرحب کے مقابلے کے لیے حضرت علیؓ تشریف لے گئے۔ حضرت سلمہ بن اکوع کا بیان ہے کہ اس وقت حضرت علی نے یہ اشعار کہے:

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَہ　　کَلَیْثِ غَابَاتٍ کَرِیْہِ الْمَنْظَرَہ

اُوْفِیْھِمْ بِالصَّاعِ کَیْلَ السَّنْدَرَہ

"میں وہ شخص ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ جنگل کے شیر کی طرح خوفناک۔ میں انہیں صاع کے بدلے نیزے کی ناپ پوری کروں گا۔"

اس کے بعد مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ پھر حضرت علیؓ ہی کے ہاتھوں فتح حاصل ہوئی[2]

جنگ کے دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ یہود کے قلعہ کے قریب پہنچے تو قلعہ کی چوٹی سے ایک یہودی نے جھانک کر پوچھا تم کون ہو؟ حضرت علیؓ نے کہا: میں علی بن ابی طالب ہوں۔ یہود نے کہا: اس کتاب کی قسم جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی! تم لوگ بلند ہوئے۔ اس کے بعد مرحب کا بھائی یاسر یہ کہتے ہوئے نکلا کہ کون ہے جو میرا مقابلہ کرے گا۔ اس کے اس چیلنج پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ میدان میں اترے۔ اس پر ان کی ماں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا' یارسول اللہ! کیا میرا بیٹا قتل کیا جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں! بلکہ تمہارا بیٹا اسے قتل کرے گا۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ نے یاسر کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد حصن ناعم کے پاس زوردار جنگ ہوئی جس میں کئی سربرآوردہ یہودی مارے گئے اور بقیہ یہود

---

[1] صحیح مسلم، باب غزوہ خیبر ۲/۱۲۲ باب غزوہ ذی قرد وغیرہ ۲/۱۱۵۔ صحیح بخاری باب غزوہ خیبر ۲/۶۰۳

[2] مرحب کے قاتل کے بارے میں مآخذ کے اندر بڑا اختلاف ہے اور اس میں بھی سخت اختلاف ہے کس دن وہ مارا گیا اور کس دن یہ قلعہ فتح ہوا۔ صحیحین کی روایت کے سیاق میں بھی کسی قدر اس اختلاف کی علامت موجود ہے۔ ہم نے اوپر جو ترتیب ذکر کی ہے وہ صحیح بخاری کی روایت کے سیاق کو ترجیح دیتے ہوئے قائم کی گئی ہے۔

میں تابِ مقاومت نہ رہی۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کا حملہ نہ روک سکے۔ بعض مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ کئی دن جاری رہی اور اس میں مسلمانوں کو شدید مقاومت کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم یہود، مسلمانوں کو زیر کرنے سے مایوس ہو چکے تھے اس لیے چپکے چپکے اس قلعے سے منتقل ہو کر قلعہ صعب میں چلے گئے اور مسلمانوں نے قلعہ ناعم پر قبضہ کر لیا۔

قلعہ صعب بن معاذ کی فتح

قلعہ ناعم کے بعد، قلعہ صعب قوت و حفاظت کے لحاظ سے دوسرا سب سے بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ مسلمانوں نے حضرت حُباب بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ کی کمان میں اس قلعہ پر حملہ کیا اور تین روز تک اسے گھیرے میں لیے رکھا۔ تیسرے دن رسول اللہ ﷺ نے اس قلعہ کی فتح کے لیے خصوصی دعا فرمائی۔

ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ قبیلہ اسلم کی شاخ بنو سہم کے لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہم لوگ چور ہو چکے ہیں۔۔ اور ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "یا اللہ! تجھے ان کا حال معلوم ہے۔ تو جانتا ہے کہ ان کے اندر قوت نہیں اور میرے پاس بھی کچھ نہیں کہ میں انہیں دوں۔ لہٰذا انہیں یہود کے ایسے قلعے کی فتح سے سرفراز فرما جو سب سے زیادہ کارآمد ہو اور جہاں سب سے زیادہ خوراک اور چربی دستیاب ہو۔" اور جب دُعا فرمانے کے بعد نبی ﷺ نے مُسلمانوں کو اس قلعے پر حملے کی دعوت دی تو حملہ کرنے میں بنو اسلم ہی پیش پیش تھے۔ اس حملے میں بھی قلعے کے سامنے مبارزت اور مار کاٹ ہُوئی۔ اللہ عزّوجل نے سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے قلعہ صعب بن معاذ کی فتح عطا فرمائی۔ خیبر میں کوئی قلعہ ایسا نہ تھا جہاں اس قلعے سے زیادہ خوراک اور چربی موجُود ہو۔[۱۲] مُسلمانوں نے اس قلعے میں بعض منجنیقیں اور دبابے[۱۳] بھی پائے۔

ابنِ اسحاق کی اس روایت میں جس شدید بُھوک کا تذکرہ کیا گیا ہے اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ لوگوں نے (فتح حاصل ہوتے ہی) گدھے ذبح کر دیے اور چولہوں پر ہنڈیاں چڑھا دیں۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے گھریلو گدھے کے گوشت سے منع فرما دیا۔

قلعہ زبیر کی فتح

قلعہ ناعم اور قلعہ صعب کی فتح کے بعد یہود نطاۃ کے سارے قلعوں سے نکل کر قلعہ زبیر میں جمع ہو گئے۔ یہ ایک محفوظ قلعہ تھا۔ اور پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا۔ راستہ اتنا پُرپیچ

---

[۱۲] ابن ہشام ۲/۳۳۲

[۱۳] لکڑی کا ایک محفوظ اور بند گاڑی نما ڈبہ بنایا جاتا تھا جس میں نیچے سے کئی آدمی گھس کر قلعے کی فصیل کو جا پہنچتے تھے اور دشمن کی زد سے محفوظ رہتے ہوئے فصیل میں شگاف کرتے تھے۔ یہی دبابہ کہلاتا تھا۔ اب ٹینک کو دبابہ کہا جاتا ہے۔

اور مشکل تھا کہ یہاں نہ سواروں کی رسائی ہو سکتی تھی نہ پیادوں کی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کے گرد محاصرہ قائم کیا اور تین روز تک محاصرہ کیے پڑے رہے اس کے بعد ایک یہودی نے آکر کہا: "اے ابوالقاسم! اگر آپ ایک مہینہ تک محاصرہ جاری رکھیں تو بھی انہیں کوئی پروا نہ ہوگی۔ البتہ ان کے پینے کا پانی اور چشمے زمین کے نیچے ہیں۔ یہ رات میں نکلتے ہیں پانی پی لیتے اور لے لیتے ہیں پھر قلعے میں واپس چلے جاتے ہیں اور آپ سے محفوظ رہتے ہیں۔ اگر آپ ان کا پانی بند کر دیں تو یہ گھٹنے ٹیک دیں گے۔" اس اطلاع پر آپؐ نے ان کا پانی بند کر دیا۔ اس کے بعد یہود نے باہر آکر زبردست جنگ کی جس میں کئی مسلمان مارے گئے اور تقریباً دس یہودی بھی کام آئے لیکن قلعہ فتح ہو گیا۔

قلعہ ابی کی فتح

قلعہ زبیر سے شکست کھانے کے بعد یہود، حصنِ ابی میں قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے اس کا بھی محاصرہ کر لیا۔ اب کی بار دو شہ زور جانباز یہودی یکے بعد دیگرے دعوتِ مبارزت دیتے ہوئے میدان میں اترے اور دونوں ہی مسلمان جانبازوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ دوسرے یہودی کے قاتل سُرخ پٹی والے مشہور جانفروش حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ دوسرے یہودی کو قتل کر کے نہایت تیزی سے قلعے میں جا گھسے اور ان کے ساتھ ہی اسلامی لشکر بھی قلعے میں جا گھسا۔ قلعے کے اندر کچھ دیر تک تو زوردار جنگ ہوئی لیکن اس کے بعد یہودیوں نے قلعے سے کھسکنا شروع کر دیا اور بالآخر سب کے سب بھاگ کر قلعہ نزار میں پہنچ گئے، جو خیبر کے نصف اوّل (یعنی پہلے منطقے) کا آخری قلعہ تھا۔

قلعہ نزار کی فتح

یہ قلعہ علاقے کا سب سے مضبوط قلعہ تھا اور یہود کو تقریباً یقین تھا کہ مسلمان اپنی انتہائی کوشش صرف کر دینے کے باوجود اس قلعہ میں داخل نہیں ہو سکتے اس لیے اس قلعے میں انہوں نے عورتوں اور بچوں سمیت قیام کیا جبکہ سابقہ چار قلعوں میں عورتوں اور بچوں کو نہیں رکھا گیا تھا۔

مسلمانوں نے اس قلعے کا سختی سے محاصرہ کیا اور یہود پر سخت دباؤ ڈالا لیکن قلعہ چونکہ ایک بلند اور محفوظ پہاڑی پر واقع تھا اس لیے اس میں داخل ہونے کی کوئی صورت بن نہیں پڑ رہی تھی۔ ادھر یہود قلعے سے باہر نکل کر مسلمانوں سے ٹکرانے کی جرأت نہیں کر رہے تھے۔ البتہ تیر برسا برسا کر اور پتھر پھینک پھینک کر سخت مقابلہ کر رہے تھے۔

جب اس قلعہ (نزار) کی فتح مسلمانوں کے لیے زیادہ دشوار محسوس ہونے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے منجنیق کے آلات نصب کرنے کا حکم فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے چند گولے پھینکے بھی جس سے قلعے کی دیواروں میں شگاف پڑ گیا اور مسلمان اندر گھس گئے۔ اس کے بعد قلعے کے اندر سخت جنگ ہوئی اور

یہود نے فاش اور بدترین شکست کھائی۔ وہ بقیہ قلعوں کی طرح اس قلعے سے چپکے چپکے کھسک کر نہ نکل سکے بلکہ اس طرح بے محابا بھاگے کہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ نہ لے جا سکے اور انہیں مسلمانوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔

اس مضبوط قلعے کی فتح کے بعد خیبر کا نصف اول یعنی نطاۃ اور شق کا علاقہ فتح ہو گیا۔ اس علاقے میں چھوٹے چھوٹے کچھ مزید قلعے بھی تھے لیکن اس قلعے کے فتح ہوتے ہی یہودیوں نے ان باقیماندہ قلعوں کو بھی خالی کر دیا اور شہر خیبر کے دوسرے منطقے یعنی کتیبہ کی طرف بھاگ گئے۔

خیبر کے نصف ثانی کی فتح

نطاۃ اور شق کا علاقہ فتح ہو چکا تو رسول اللہ ﷺ نے کتیبہ، طیح اور سلالم کے علاقے کا رُخ کیا۔ سلالم بنو نضیر کے ایک مشہور یہودی ابو الحقیق کا قلعہ تھا۔ ادھر نطاۃ اور شق کے علاقے سے شکست کھا کر بھاگنے والے سارے یہودی بھی یہیں پہنچے تھے۔ اور نہایت ٹھوس قلعہ بندی کر لی تھی۔

اہلِ مغازی کے درمیان اختلاف ہے کہ یہاں کے تینوں قلعوں میں سے کسی قلعے پر جنگ ہوئی یا نہیں؟ ابن اسحاق کے بیان میں یہ صراحت ہے کہ قلعہ قموص کو فتح کرنے کے لیے جنگ لڑی گئی، بلکہ اس کے سیاق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلعہ محض جنگ کے ذریعے فتح کیا گیا اور یہودیوں کی طرف سے خود سپردگی کے لیے یہاں کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔[۱۴]

لیکن واقدی نے دوٹوک لفظوں میں صراحت کی ہے کہ اس علاقے کے تینوں قلعے بات چیت کے ذریعے مسلمانوں کے حوالے کیے گئے۔ ممکن ہے قلعہ قموص کی حوالگی کے لیے کسی قدر جنگ کے بعد گفت وشنید ہوئی ہو۔ البتہ باقی دونوں قلعے کسی جنگ کے بغیر مسلمانوں کے حوالے کیے گئے۔

جب رسول اللہ ﷺ اس علاقے۔ کتیبہ۔ میں تشریف لائے تو وہاں کے باشندوں کا سختی سے محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ چودہ روز جاری رہا۔ یہود اپنے قلعوں سے نکل ہی نہیں رہے تھے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے قصد فرمایا کہ منجنیق نصب فرمائیں۔ جب یہود کو تباہی کا یقین ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صلح کے لیے سلسلۂ جنبانی کی۔

صلح کی بات چیت

پہلے ابن ابی الحقیق نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ کیا میں آپ کے پاس آکر بات چیت کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا، ہاں! اور جب یہ جواب

---

[۱۴] دیکھیے ابن ہشام ۲/ ۳۳۱، ۳۳۶، ۳۳۷

بلاتو اس نے آپؐ کے پاس حاضر ہو کر اس شرط پر صلح کر لی کہ قلعے میں جو فوج ہے اس کی جان بخشی کر دی جائیگی اور ان کے بال بچے انہیں کے پاس رہیں گے (یعنی انہیں لونڈی اور غلام نہیں بنایا جائے گا) بلکہ وہ اپنے بال بچوں کو لے کر خیبر کی سرزمین سے نکل جائیں گے اور اپنے اموال، باغات، زمینیں، سونے، چاندی، گھوڑے، زرہیں، رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیں گے، صرف اتنا کپڑا لے جائیں گے جتنا ایک انسان کی پشت اُٹھا سکے[۱۵] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اور اگر تم لوگوں نے مجھ سے کچھ چھپایا تو پھر اللہ اور اس کے رسول بری الذمہ ہوں گے" یہود نے یہ شرط منظور کر لی اور مصالحت ہو گئی[۱۶] اس مصالحت کے بعد تینوں قلعے مسلمانوں کے حوالے کر دیے گئے اور اس طرح خیبر کی فتح مکمل ہو گئی۔

ابو الحقیق کے دونوں بیٹوں کی بدعہدی اور ان کا قتل

اس معاہدے کے علی الرغم ابو الحقیق کے دونوں بیٹوں نے بہت سا مال غائب کر دیا۔ ایک کھال غائب کر دی جس میں مال اور حُیَیّ بن اَخطَب کے زیورات تھے۔ اسے حُیَیّ بن اخطب مدینہ سے بنو نضیر کی جلاوطنی کے وقت اپنے ہمراہ لایا تھا۔

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کنانہ بن ابی الحقیق لایا گیا۔ اس کے پاس بنو نضیر کا خزانہ تھا۔ لیکن آپؐ نے دریافت کیا تو اس نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ اسے خزانے کی جگہ کے بارے میں کوئی علم ہے۔ اس کے بعد ایک یہودی نے آکر بتایا کہ میں کنانہ کو روزانہ اس ویرانے کا چکر لگاتے ہوئے دیکھتا تھا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے کنانہ سے فرمایا "یہ بتاؤ کہ اگر یہ خزانہ ہم نے تمہارے پاس سے برآمد کر لیا تو پھر تو ہم تمہیں قتل کر دیں گے نا؟" اس نے کہا جی ہاں! آپؐ نے ویرانہ کھودنے کا حکم دیا اور اس سے کچھ خزانہ برآمد ہوا۔ پھر باقیماندہ خزانہ کے متعلق آپؐ نے دریافت کیا تو اس نے پھر ادائیگی سے انکار کر دیا۔ اس پر آپؐ نے اسے حضرت زبیرؓ کے حوالے کر دیا اور فرمایا: اسے سزا دو، یہاں تک کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ سب کا سب ہمیں حاصل ہو جائے۔ حضرت زبیر نے اس کے سینے پر چقماق کی ٹھوکریں ماریں یہاں تک کہ اس کی جان پر بن آئی۔ پھر اُسے رسول اللہ ﷺ نے محمدؓ بن مسلمہ کے حوالے کر دیا۔ اور انہوں نے محمودؓ بن مسلمہ کے بدلے اس کی گردن ماردی (محمود سایہ حاصل کرنے کے لیے قلعہ ناعم کی دیوار کے نیچے بیٹھے تھے کہ اس شخص نے ان پر چکی کا پاٹ گرا کر انہیں قتل کر دیا تھا۔)

---

۱۵ لیکن سنن ابو داؤد میں یہ صراحت ہے کہ آپؐ نے اس شرط پر معاہدہ کیا تھا کہ مسلمانوں کی طرف سے یہود کو اجازت ہوگی کہ خیبر سے جلاوطن ہوتے ہوئے اپنی سواریوں پر جتنا مال لاد سکیں لے جائیں (دیکھئے ابو داؤد باب ما جاء فی حکم ارض خیبر ۲/۷۶)

۱۶ زاد المعاد ۲/۱۳۶

ابنِ قیم کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوالحقیق کے دونوں بیٹوں کو قتل کرا دیا تھا اور ان دونوں کے خلاف مال چھپانے کی گواہی کنانہ کے چچیرے بھائی نے دی تھی۔

اس کے بعد آپؐ نے حُیَیّ بن اخطب کی صاحبزادی حضرت صفیہؓ کو قیدیوں میں شامل کر لیا۔ وہ کنانہ بن ابی الحقیق کی بیوی تھیں اور ابھی دُلہن تھیں۔ ان کی حال ہی میں رخصتی ہوئی تھی۔

اموالِ غنیمت کی تقسیم

رسول اللہ ﷺ نے یہود کو خیبر سے جلاوطن کرنے کا ارادہ فرمایا تھا اور معاہدہ میں یہی طے بھی ہوا تھا مگر یہود نے کہا: "اے محمدؐ! ہمیں اسی سرزمین میں رہنے دیجئے۔ ہم اس کی دیکھ ریکھ کریں گے۔ کیونکہ ہمیں آپ لوگوں سے زیادہ اس کی معلومات ہیں" ادھر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے پاس اتنے غلام نہ تھے جو اس زمین کی دیکھ ریکھ اور جوتنے بونے کا کام کر سکتے اور نہ خود صحابہ کرام کو اتنی فرصت تھی کہ یہ کام سرانجام دے سکتے۔ اس لیے آپؐ نے خیبر کی زمین اس شرط پر یہود کے حوالے کر دی کہ ساری کھیتی اور تمام پھلوں کی پیداوار کا آدھا یہود کو دیا جائے گا اور جب تک رسول اللہ ﷺ کی مرضی ہوگی اس پر برقرار رکھیں گے (اور جب چاہیں گے جلاوطن کر دیں گے)، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ خیبر کی پیداوار کا تخمینہ لگایا کرتے تھے۔

خیبر کی تقسیم اس طرح کی گئی کہ اسے ۳۶ حصّوں میں بانٹ دیا گیا۔ ہر حصہ ایک سو حصوں کا جامع تھا۔ اس طرح کل تین ہزار چھ سو (۳۶۰۰) حصے ہوئے۔ اس میں سے نصف یعنی اٹھارہ سو حصے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے تھے۔ عام مسلمانوں کی طرح رسول اللہ ﷺ کا بھی صرف ایک ہی حصہ تھا۔ باقی یعنی اٹھارہ سو حصوں پر مشتمل دوسرا نصف، رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات و حوادث کے لیے الگ کر لیا تھا۔ اٹھارہ سو حصوں پر خیبر کی تقسیم اس لیے کی گئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ حدیبیہ کے لیے ایک عطیہ تھا، جو موجود تھے ان کے لیے بھی اور جو موجود نہ تھے ان کے لیے بھی، اور اہلِ حدیبیہ کی تعداد چودہ سو تھی۔ جو خیبر آتے ہوئے اپنے ساتھ دو سو گھوڑے لائے تھے۔ چونکہ سوار کے علاوہ خود گھوڑے کو بھی حصہ ملتا ہے اور گھوڑے کا حصہ ڈبل یعنی دو فوجیوں کے برابر ہوتا ہے اس لیے خیبر کو اٹھارہ سو حصّوں پر تقسیم کیا گیا تو دو سو شہ سواروں کو تین تین حصّے کے حساب سے چھ سو ملے تھے اور بارہ سو پیدل فوج کو ایک ایک حصّے کے حساب سے بارہ سو حصّے ملے[1]

خیبر کے اموالِ غنیمت کی کثرت کا اندازہ صحیح بخاری میں مروی ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "ہم لوگ آسودہ نہ ہوئے یہاں تک کہ ہم نے خیبر فتح کیا۔" اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا کی اس روایت سے ہوتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا اب ہمیں پیٹ بھر کر کھجور ملے گی[۱۸] نیز جب رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس تشریف لائے تو مہاجرین نے انصار کو کھجوروں کے وہ درخت واپس کر دیے جو انصار نے امداد کے طور پر انہیں دے رکھے تھے کیونکہ اب ان کے لیے خیبر میں مال اور کھجور کے درخت ہو چکے تھے[۱۹]

حضرت جعفر بن ابی طالب اور اشعری صحابہ کی آمد

اسی غزوے میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ اشعری مسلمان یعنی حضرت ابوموسیٰ اور ان کے رفقا بھی تھے رضی اللہ عنہم۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یمن میں ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ظہور کا علم ہوا تو ہم لوگ یعنی میں اور میرے دو بھائی اپنی قوم کے پچاس آدمیوں سمیت اپنے وطن سے ہجرت کر کے ایک کشتی پر سوار آپؐ کی خدمت میں روانہ ہوئے لیکن ہماری کشتی نے ہمیں نجاشی کے ملک حبشہ میں پھینک دیا۔ وہاں حضرت جعفرؓ اور ان کے رفقاء سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بھیجا ہے اور یہیں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا ہے اور آپ لوگ بھی ہمارے ساتھ ٹھہر جائیے۔ چنانچہ ہم لوگ بھی ان کے ساتھ ٹھہر گئے اور خدمتِ نبوی میں اس وقت پہنچ سکے جب آپؐ خیبر فتح کر چکے تھے۔ آپؐ نے ہمارا بھی حصہ لگایا لیکن ہمارے علاوہ کسی بھی شخص کا جو فتح خیبر میں موجود نہ تھا، کوئی حصہ نہیں لگایا۔ صرف شرکاءِ جنگ ہی کا حصہ لگایا۔ البتہ حضرت جعفرؓ اور ان کے رفقاء کے ساتھ ہماری کشتی والوں کا بھی حصہ لگایا اور ان کے لیے بھی مالِ غنیمت تقسیم کیا[۲۰]

اور جب حضرت جعفرؓ نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپؐ نے ان کا استقبال کیا اور انھیں بوسہ دیکر فرمایا: واللہ میں نہیں جانتا کہ مجھے کس بات کی خوشی زیادہ ہے: خیبر کی فتح کی یا جعفر کی آمد کی[۲۱]

یاد رہے کہ ان لوگوں کو بلانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمروؓ بن اُمیہ ضمری کو نجاشی کے پاس بھیجا تھا اور اس سے کہلوایا تھا کہ وہ ان لوگوں کو آپؐ کے پاس روانہ کر دے۔ چنانچہ نجاشی نے دو کشتیوں پر سوار کر کے انہیں روانہ کر دیا۔ یہ کل سولہ آدمی تھے اور ان کے ساتھ ان کے باقیماندہ بچے اور عورتیں بھی تھیں۔ بقیہ لوگ اس سے پہلے مدینہ آ چکے تھے[۲۲]

---

[۱۸] زاد المعاد ۲/۱۳۷، ۱۳۸، مع توضیح [۱۹] صحیح البخاری ۳/۶۰۹ [۱۹] زاد المعاد ۲/۱۴۸ صحیح مسلم ۲/۹۶

[۲۰] صحیح بخاری ۱/۴۴۴ نیز دیکھیے فتح الباری ۷/۴۸۴ تا ۴۸۷ [۲۱] زاد المعاد ۲/۱۳۹

حضرت صَفِیَّہ سے شادی

ہم بتا چکے ہیں کہ جب حضرت صفیہ کا شوہر کنانہ بن ابی الحقیق اپنی بدعہدی کے سبب قتل کر دیا گیا تو حضرت صفیہ قیدی عورتوں میں شامل کر لی گئیں۔

اس کے بعد جب یہ قیدی عورتیں جمع کی گئیں تو حضرت دِحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا، اے اللہ کے نبیؐ! مجھے قیدی عورتوں میں سے ایک لونڈی دے دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ جاؤ اور ایک لونڈی لے لو۔ انہوں نے جا کر حضرت صفیہ بنت حُیی کو منتخب کر لیا۔ اس پر ایک آدمی نے آپ کے پاس آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے نبیؐ! آپؐ نے بنی قُرَیظہ اور بنی نضیر کی سیّدہ صفیہ کو دِحیہ کے حوالے کر دیا حالانکہ وہ صرف آپؐ کے شایانِ شان ہے۔ آپؐ نے فرمایا، دِحیہؓ کو صفیہ سمیت بلاؤ۔ حضرت دِحیہؓ ان کو ساتھ لیے ہوئے حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں دیکھ کر حضرت دِحیہ سے فرمایا کہ قیدیوں میں سے کوئی دوسری لونڈی لے لو۔ پھر آپؐ نے حضرت صفیہ پر اسلام پیش کیا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد آپؐ نے انھیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی اور ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا۔ مدینہ واپسی میں سدِ صہبا پہنچ کر حیض سے پاک ہو گئیں۔ اس کے بعد حضرت ام سُلَیم رضی اللہ عنہا نے انھیں آپ کے لیے آراستہ کیا اور رات کو آپؐ کے پاس بھیج دیا۔ آپؐ نے دولہے کی حیثیت سے ان کے ہمراہ صبح کی اور کھجور، گھی اور ستّو ملا کر ولیمہ کھلایا۔ اور راستہ میں تین روز شبہائے عروسی کے طور پر ان کے پاس قیام فرمایا[۲۲] اس موقع پر آپؐ نے ان کے چہرے پر ہرا نشان دیکھا' دریافت فرمایا "یہ کیا ہے؟" کہنے لگیں یا رسول اللہ! آپؐ کے خیبر آنے سے پہلے میں نے خواب دیکھا تھا کہ چاند اپنی جگہ سے ٹوٹ کر میری آغوش میں آگرا ہے۔ بخدا، مجھے آپؐ کے معاملے کا کوئی تصور بھی نہ تھا۔ لیکن میں نے یہ خواب اپنے شوہر سے بیان کیا تو اس نے میرے چہرے پر تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا، "یہ بادشاہ جو مدینہ میں ہے تم اس کی آرزو کر رہی ہو"[۲۳]

زہر آلود بکری کا واقعہ

خیبر کی فتح کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مطمئن اور یکسو ہو چکے تو سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے آپؐ کے پاس بھُنی ہوئی بکری کا ہدیہ بھیجا۔ اس نے پوچھ رکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کون سا عضو زیادہ پسند کرتے ہیں، اور اسے بتایا گیا تھا کہ دستہ؛ اس لیے اس نے دستے میں خوب زہر ملا دیا تھا اور اس کے بعد بقیہ حصہ بھی زہر آلود کر دیا تھا پھر اسے لے کر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور آپؐ کے سامنے رکھا تو آپؐ نے دستہ اُٹھا کر

---

۲۲ تاریخ خضری ۱/۱۲۸ ۲۳ صحیح بخاری ۱/۵۴، ۲/۶۰۳، ۶۰۶ زاد المعاد ۲/۱۳۷

۲۴ ایضاً زاد المعاد ۲/۱۳۷۔ ابن ہشام ۲/۳۳۶

اس کا ایک ٹکڑا چبایا لیکن نگلنے کے بجائے تھوک دیا۔ پھر فرمایا کہ یہ ہڈی مجھے بتلا رہی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے زینب کو بلایا تو اس نے اقرار کر لیا۔ آپؐ نے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا میں نے سوچا کہ اگر یہ بادشاہ ہے تو ہمیں اس سے راحت مل جائے گی اور اگر نبی ہے تو اسے خبر دے دی جائے گی۔ اس پر آپؐ نے اسے معاف کر دیا۔

اس موقع پر آپؐ کے ساتھ حضرت بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے ایک لقمہ نگل لیا تھا جس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہو گئی۔

روایات میں اختلاف ہے کہ آپؐ نے اس عورت کو معاف کر دیا تھا یا قتل کر دیا تھا۔ تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ پہلے تو آپؐ نے معاف کر دیا تھا لیکن جب حضرت بشر رضی اللہ عنہ کی موت واقع ہو گئی تو پھر قصاص کے طور پر قتل کر دیا۔[۲۵]

جنگِ خیبر میں فریقین کے مقتولین

خیبر کے مختلف معرکوں میں کُل مسلمان جو شہید ہوئے اُن کی تعداد سولہ ہے۔ چار قریش سے، ایک قبیلہ اشجع سے، ایک قبیلہ اسلم سے، ایک اہلِ خیبر سے، اور بقیہ انصار سے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ ان معرکوں میں کل ۱۸ مسلمان شہید ہوئے۔ علاّمہ منصور پوری نے ۱۹ لکھا ہے۔ پھر وہ لکھتے ہیں: "اہل سیر نے شہدائے خیبر کی تعداد پندرہ لکھی ہے۔ مجھے تلاش کرتے ہوئے ۲۳ نام ملے... زنیفؓ بن وائلہ کا نام صرف واقدی نے اور زنیفؓ بن حبیب کا نام صرف طبری نے لیا ہے۔ بشرؓ بن براء بن معرور کا انتقال خاتمہ جنگ کے بعد زہر آلود گوشت کھانے سے ہوا جو نبی ﷺ کے لیے زینب یہودیہ نے بھیجا تھا۔ بشرؓ بن عبدالمنذر کے بارے میں دو روایات ہیں (۱) بدر میں شہید ہوئے۔ (۲) جنگِ خیبر میں شہید ہوئے۔ میرے نزدیک روایتِ اوّل قوی ہے۔"[۲۶]

دوسرے فریق یعنی یہود کے مقتولین کی تعداد ۹۳ ہے۔

فدک

رسول اللہ ﷺ نے خیبر پہنچ کر محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے فدک کے یہود کے پاس بھیج دیا تھا لیکن اہلِ فدک نے اسلام قبول کرنے میں دیر کی۔ مگر جب اللہ نے خیبر فتح فرما دیا تو ان کے دلوں میں رعب پڑ گیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آدمی بھیج کر

---

[۲۵] دیکھئے زاد المعاد ۲/۱۳۹، ۱۴۰، فتح الباری ۷/۴۹۷، اصل واقعہ صحیح البخاری میں مطولاً اور مختصراً دونوں طرح مروی ہے۔ دیکھئے ۱/۴۴۹-۲/۶۱۰، ۸۶۰ نیز ابنِ ہشام ۲/۳۳۷، ۳۳۸۔

[۲۶] رحمۃ للعالمین ۲/۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰۔

اہلِ خیبر کے معاملہ کے مطابق فدک کی نصف پیداوار دینے کی شرائط پر مصالحت کی پیشکش کی۔ آپ نے پیشکش قبول کرلی اور اس طرح فدک کی سرزمین خالص رسول اللہ ﷺ کے لیے ہوئی کیونکہ مسلمانوں نے اس پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے[۲۷] (یعنی اسے بزورِ شمشیر فتح نہیں کیا تھا۔)

وادی القریٰ

رسول اللہ ﷺ خیبر سے فارغ ہوئے تو وادی القریٰ تشریف لے گئے۔ وہاں بھی یہود کی ایک جماعت تھی اور ان کے ساتھ عرب کی ایک جماعت بھی شامل ہوگئی تھی۔

جب مسلمان وہاں اترے تو یہود نے تیروں سے استقبال کیا۔ وہ پہلے سے صف بندی کیے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک غلام مارا گیا۔ لوگوں نے کہا اس کے لیے جنّت مبارک ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے جنگِ خیبر میں مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے جو چادر چرائی تھی وہ آگ بن کر اس پر بھڑک رہی ہے۔ لوگوں نے نبی ﷺ کا یہ ارشاد سُنا تو ایک آدمی ایک تسمہ یا دو تسمے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا نبی ﷺ نے فرمایا: یہ ایک تسمہ یا دو تسمے آگ کے ہیں۔[۲۸]

اس کے بعد نبی ﷺ نے جنگ کے لیے صحابہ کرام کی ترتیب اور صف بندی کی۔ پورے لشکر کا عَلَم حضرت سعدؓ بن عُبادہ کے حوالے کیا۔ ایک پرچم حُبابؓ بن مُنذر کو دیا اور تیسرا پرچم عُبادہ بن بشر کو دیا اس کے بعد آپؐ نے یہود کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے قبول نہ کیا اور ان کا ایک آدمی میدانِ جنگ میں اترا۔ ادھر سے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے اور اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر دوسرا آدمی نکلا۔ حضرت زبیرؓ نے اسے بھی قتل کر دیا۔ اس کے بعد ایک اور آدمی میدان میں آیا۔ اس کے مقابلے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے اور اسے قتل کر دیا۔ اس طرح رفتہ رفتہ ان کے گیارہ آدمی مارے گئے۔ جب ایک آدمی مارا جاتا تو نبی ﷺ باقی یہودیوں کو اسلام کی دعوت دیتے۔

اس دن جب نماز کا وقت ہوتا تو آپؐ صحابہ کرام کو نماز پڑھاتے۔ اور پھر پلٹ کر یہود کے بالمقابل چلے جاتے اور انہیں اسلام، اللہ اور اس کے رسولؐ کی دعوت دیتے۔ اس طرح لڑتے لڑتے شام ہوگئی۔ دوسرے دن صبح آپ پھر تشریف لے گئے۔ لیکن ابھی سورج نیزہ برابر بھی بلند نہ ہوا ہوگا کہ ان کے ہاتھ میں جو کچھ تھا اسے آپؐ کے حوالے کر دیا۔ یعنی آپؐ نے بزورِ قوت فتح حاصل کی اور اللہ نے ان کے اموال آپؐ کو غنیمت میں دیے۔ صحابہ کرام کو بہت سارا ساز و سامان ہاتھ آیا۔

---

[۲۷] ابنِ ہشام ۲/۳۳۷، ۳۵۳ [۲۸] صحیح بخاری ۲/۶۰۸

رسول اللہ ﷺ نے وادی القریٰ میں چار روز قیام فرمایا اور جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا اسے صحابہ کرام پر تقسیم فرمادیا۔ البتہ زمین اور کھجور کے باغات کو یہود کے ہاتھ میں رہنے دیا اور اس کے متعلق ان سے بھی (اہلِ خیبر جیسا) معاملہ طے کر لیا۔[۲۹]

تیماء تیماء کے یہودیوں کو جب خیبر، فدک اور وادی القریٰ کے باشندوں کے سپر انداز ہونے کی اطلاع ملی تو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کی محاذ آرائی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے از خود آدمی بھیج کر صلح کی پیش کش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیشکش قبول فرمالی اور یہ یہود اپنے مال و متاع میں مقیم رہے۔[۳۰] اس کے متعلق آپ نے ایک تحریر بھی عنایت فرمادی تھی جو یہ تھی :

"یہ تحریر ہے محمد رسول اللہ کی طرف سے بنو عادیا کے لیے۔ ان کے لیے ذمہ ہے اور ان پر جزیہ ہے۔ ان پر نہ زیادتی ہوگی نہ انہیں جلاوطن کیا جائے گا۔ رات معاون ہوگی اور دن پختگی بخش (یعنی یہ معاہدہ دائمی ہوگا) اور یہ تحریر خالد بن سعید نے لکھی۔[۳۱]

مدینہ کو واپسی اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ واپسی کی راہ لی۔ واپسی کے دوران لوگ ایک وادی کے قریب پہنچے تو بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ اکبر لآ الٰہ الا اللہ کہنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اپنے آپ پر نرمی کرو، تم لوگ کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ بلکہ اس ہستی کو پکار رہے ہو جو سننے والی اور قریب ہے۔"[۳۲]

نیز اثنائے راہ میں ایک بار رات بھر سفر جاری رکھنے کے بعد آپؐ نے اخیر رات میں راستے میں کسی جگہ پڑاؤ ڈالا اور حضرت بلالؓ کو یہ تاکید کر کے سو رہے کہ ہمارے لیے رات پر نظر رکھنا (یعنی صبح ہوتے ہی نماز کے لیے بیدار کر دینا) لیکن حضرت بلالؓ کی بھی آنکھ لگ گئی۔ وہ (پورب کی طرف منہ کر کے) اپنی سواری کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ سو گئے۔ پھر کوئی بھی بیدار نہ ہوا یہاں تک کہ لوگوں پر دھوپ آگئی۔ اسکے بعد سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے۔ پھر (لوگوں کو بیدار کیا گیا) اور آپ اس وادی سے نکل کر کچھ آگے تشریف لے گئے۔ پھر لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ کسی دوسرے سفر میں پیش آیا تھا۔[۳۳]

خیبر کے معرکوں کی تفصیلات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی واپسی یا تو (۷ھ کے) صفر کے اخیر میں ہوئی تھی یا پھر ربیع الاوّل کے مہینے میں۔

---

[۲۹] زاد المعاد ۲/۱۴۶/۱۴۷ [۳۰] زاد المعاد ۲/۱۴۷ [۳۱] ابن سعد ۱/۲۷۹ [۳۲] صحیح بخاری ۲/۶۰۵
[۳۳] ابن ہشام ۲/۳۴۰ یہ واقعہ خاصا مشہور اور عام کتبِ حدیث میں مروی ہے۔ نیز دیکھئے زاد المعاد ۲/۱۴۷

سَرِیَّہ اَبَان بن سعید

نبی ﷺ سارے سپہ سالاروں سے زیادہ اچھی طرح یہ بات جانتے تھے کہ حرام مہینوں کے خاتمے کے بعد مدینہ کو مکمل طور پر خالی چھوڑ دینا تدبر اور دُور اندیشی کے بالکل خلاف ہے، درآں حالیکہ مدینہ کے گرد و پیش ایسے بدو مقیم ہیں جو لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کے لیے مسلمانوں کی غفلت کے منتظر رہتے ہیں۔ اسی لیے جن ایام میں آپؐ خیبر تشریف لے گئے تھے ان ہی ایام میں آپؐ نے بدوؤں کو خوف زدہ کرنے کے لیے اَبان بن سعید رضی اللہ عنہ کی کمان میں نجد کی جانب ایک سریہ بھیج دیا تھا۔ اَبانؓ بن سعید اپنا فرض ادا کر کے واپس آئے تو نبی ﷺ سے خیبر میں ملاقات ہوئی۔ اس وقت آپؐ خیبر فتح فرما چکے تھے۔

اغلب یہ ہے کہ یہ سریہ صفر ۷ھ میں بھیجا گیا تھا۔ اس کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے[۳۴]۔ حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں کہ مجھے اس سریہ کا حال معلوم نہ ہو سکا[۳۵]۔

○

---

[۳۴] دیکھئے صحیح بخاری باب غزوۃ خیبر ۲/ ۶۰۸، ۶۰۹ [۳۵] فتح الباری ۷/ ۴۹۱

غزوۂ ذات الرّقاع (۴ھ)

جب رسول اللہ ﷺ احزاب کے تین بازوؤں میں سے دو مضبوط بازوؤں کو توڑ کر فارغ ہو گئے تو تیسرے بازو کی طرف توجہ کا بھرپور موقع مل گیا۔ تیسرا بازو وہ بدّو تھے جو نجد کے صحرا میں خیمہ زن تھے اور رہ رہ کر لوٹ مار کی کارروائیاں کرتے رہتے تھے۔

چونکہ یہ بدّو کسی آبادی یا شہر کے باشندے نہ تھے اور ان کا قیام مکانات اور قلعوں کے اندر نہ تھا اس لیے اہلِ مکہ اور باشندگانِ خیبر کی بہ نسبت ان پر پوری طرح قابو پالینا اور ان کے شر و فساد کی آگ مکمل طور پر بجھا دینا سخت دشوار تھا۔ لہٰذا ان کے حق میں صرف خوف زدہ کرنے والی تادیبی کارروائیاں ہی مفید ہو سکتی تھیں۔

چنانچہ ان بدوؤں پر رعب و دبدبہ قائم کرنے کی غرض سے ـــــ اور بقول دیگر مدینہ کے اطراف میں چھاپہ مارنے کے ارادے سے جمع ہونے والے بدوؤں کو پراگندہ کرنے کی غرض سے ـــــ نبی ﷺ نے ایک تادیبی حملہ فرمایا جو غزوہ ذات الرقاع کے نام سے معروف ہے۔

عام اہلِ مغازی نے اس غزوہ کا تذکرہ ۴ھ میں کیا ہے لیکن امام بخاری نے اس کا زمانۂ وقوع ۷ھ بتایا ہے۔ چونکہ اس غزوے میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نے شرکت کی تھی، لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غزوہ، غزوۂ خیبر کے بعد پیش آیا تھا۔ (مہینہ غالباً ربیع الاوّل کا تھا۔) کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ اس وقت مدینہ پہنچ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے جب رسول اللہ ﷺ خیبر کے لیے مدینہ سے جا چکے تھے۔ پھر حضرت ابوہریرہ مسلمان ہو کر سیدھے خدمت نبوی ﷺ میں خیبر پہنچے اور جب پہنچے تو خیبر فتح ہو چکا تھا۔ اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری حبش سے اس وقت خدمتِ نبویؐ میں پہنچے تھے جب خیبر فتح ہو چکا تھا۔ لہٰذا غزوہ ذات الرقاع میں ان دونوں صحابہؓ کی شرکت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غزوہ خیبر کے بعد ہی کسی وقت پیش آیا تھا۔

اہلِ سیر نے اس غزوے کے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے قبیلہ اَنمار یا بنو غطفان کی دو شاخوں بنی ثعلبہ اور بنی محارب کے اجتماع کی خبر سُن کر مدینہ کا انتظام

حضرت ابوذر یا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کے حوالے کیا اور جھٹ چار سو یا سات سو صحابہ کرام کی معیت میں بلادِ نجد کا رُخ کیا۔ پھر مدینہ سے دو دن کے فاصلے پر مقام نخل پہنچ کر بنو غطفان کی ایک جمعیت سے سامنا ہوا لیکن جنگ نہیں ہوئی۔ البتہ آپؐ نے اس موقع پر صلوٰۃِ خوف (حالتِ جنگ والی نماز) پڑھائی۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نکلے۔ ہم چھ آدمی تھے اور ایک ہی اونٹ تھا جس پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ اس سے ہمارے قدم چھلنی ہو گئے۔ میرے بھی دونوں پاؤں زخمی ہو گئے اور ناخن جھڑ گیا۔ چنانچہ ہم لوگ اپنے پاؤں پر چیتھڑے لپیٹے رہتے تھے۔ اسی لیے اس کا نام ذات الرقاع (چیتھڑوں والا) پڑ گیا۔ کیونکہ ہم نے اس غزوے میں اپنے پاؤں پر چیتھڑے اور پٹیاں باندھ اور لپیٹ رکھی تھیں[1]۔

اور صحیح بخاری ہی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ ہم لوگ ذات الرقاع میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے۔ (دستور یہ تھا کہ) جب ہم کسی سایہ دار درخت پر پہنچتے تو اسے نبی ﷺ کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ (ایک بار) نبی ﷺ نے پڑاؤ ڈالا اور لوگ درخت کا سایہ حاصل کرنے کے لیے اِدھر اُدھر کانٹے دار درختوں کے درمیان بکھر گئے۔ رسول اللہ ﷺ بھی ایک درخت کے نیچے اُترے اور اسی درخت سے تلوار لٹکا کر سو گئے۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہمیں بس ذرا سی نیند آئی تھی کہ اتنے میں ایک مشرک نے آکر رسول اللہ ﷺ کی تلوار سونت لی اور بولا: "تم مجھ سے ڈرتے ہو؟" آپؐ نے فرمایا، نہیں۔ اس نے کہا: "تب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟" آپؐ نے فرمایا، اللہ ——

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہمیں اچانک رسول اللہ ﷺ پکار رہے تھے۔ ہم پہنچے تو دیکھا کہ ایک اعرابی آپؐ کے پاس بیٹھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "میں سویا تھا اور اس نے میری تلوار سونت لی۔ اتنے میں میں جاگ گیا اور سونتی ہوئی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے مجھ سے کہا: "تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟" میں نے کہا: "اللہ۔ تو اب یہ وہی شخص بیٹھا ہوا ہے"۔ پھر آپؐ نے اس سے اظہارِ غصہ نہ کیا۔

ابوعوانہؒ کی روایت میں اتنی تفصیل اور ہے کہ (جب آپؐ نے اس کے سوال کے جواب میں اللہ کہا تو) تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ پھر وہ تلوار رسول اللہ ﷺ نے اُٹھالی اور فرمایا: "اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟" اس نے کہا آپؐ اچھے پکڑنے والے ہوئیے (یعنی احسان کیجئے) آپؐ نے فرمایا: "تم

---

[1] صحیح بخاری: باب غزوۃ ذات الرقاع ۲/۵۹۲، صحیح مسلم: باب غزوۃ ذات الرقاع ۲/۱۱۸

شہادت دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔" اس نے کہا: "میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ آپ سے لڑائی نہیں کروں گا اور نہ آپ سے لڑائی کرنے والوں کا ساتھ دوں گا۔" حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپ نے اس کی راہ چھوڑ دی اور اس نے اپنی قوم میں جا کر کہا: "میں تمہارے یہاں سب سے اچھے انسان کے پاس سے آرہا ہوں۔"[۲]

صحیح بخاری کی ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ نماز کی اقامت کہی گئی اور آپ نے ایک گروہ کو دو رکعت نماز پڑھائی۔ پھر وہ لوگ پیچھے چلے گئے اور آپ نے دوسرے گروہ کو دو رکعت نماز پڑھائی۔ اس طرح نبی ﷺ کی چار رکعتیں ہوئیں اور صحابہ کرام کی دو دو رکعتیں۔[۳] اس روایت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے یہ نماز مذکورہ واقعہ کے بعد ہی پڑھی گئی تھی۔

صحیح بخاری کی روایت میں جسے مسدد نے ابوعوانہؓ سے اور انہوں نے ابوبشرؓ سے روایت کیا ہے بتایا گیا ہے کہ اس آدمی کا نام غورث بن حارث تھا۔[۴] ابن حجر کہتے ہیں کہ واقدی کے نزدیک اس واقعے کی تفصیلات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس اعرابی کا نام دعثور تھا اور اس نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن واقدی کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ الگ الگ دو واقعات تھے، جو دو الگ الگ غزووں میں پیش آئے تھے۔[۵] واللہ اعلم

اس غزوہ سے واپسی میں صحابہ کرامؓ نے ایک مشرک عورت کو گرفتار کر لیا۔ اس پر اس کے شوہر نے نذر مانی کہ وہ اصحابِ محمد ﷺ کے اندر ایک خون بہا کر رہے گا۔ چنانچہ وہ رات کے وقت آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دشمن سے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے دو آدمیوں یعنی عباد بن بشر اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو پہرے پر مامور کر رکھا تھا۔ جس وقت وہ آیا حضرت عبادؓ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے اسی حالت میں ان کو تیر مارا، انہوں نے نماز توڑے بغیر تیر نکال کر جھٹک دیا۔ اس نے دوسرا اور تیسرا تیر مارا، لیکن انہوں نے نماز نہ توڑی اور سلام پھیر کر ہی فارغ ہوئے۔ پھر اپنے ساتھی کو جگایا۔ ساتھی نے (حالات جان کر) کہا: "سبحان اللہ! آپ نے مجھے جگا کیوں نہ دیا؟" انہوں نے کہا: "میں ایک سورہ پڑھ رہا تھا۔ گوارا نہ کیا کہ اسے درمیان میں چھوڑ دوں۔"[۶]

سنگ دل اعراب کو مرعوب اور خوفزدہ کرنے میں اس غزوے کا بڑا اثر رہا۔ ہم اس غزوے کے بعد پیش

---

[۲] مختصر السیرہ شیخ عبداللہ نجدی ص ۲۶۴، نیز دیکھئے فتح الباری ۷/۴۱۶

[۳] صحیح بخاری ۱/۴۰۷، ۴۰۸، ۲/۵۹۳ [۴] صحیح بخاری ۲/۵۹۳ [۵] فتح الباری ۷/۴۲۸

آنے والے سرایا کی تفصیلات پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ غطفان کے ان قبائل نے اس غزوے کے بعد سر اٹھانے کی جرأت نہ کی بلکہ ڈھیلے پڑتے پڑتے سپر انداز ہو گئے اور بالآخر اسلام قبول کر لیا۔ حتیٰ کہ ان اعراب کے کئی قبائل ہم کو فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں مسلمانوں کے ساتھ نظر آتے ہیں اور انہیں غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت سے حصہ دیا جاتا ہے۔ پھر فتح مکہ سے واپسی کے بعد ان کے پاس صدقات وصول کرنے کے لیے اسلامی حکومت کے عمال بھیجے جاتے ہیں اور وہ باقاعدہ اپنے صدقات ادا کرتے ہیں۔ غرض اس حکمت عملی سے وہ تینوں بازو ٹوٹ گئے جو جنگِ خندق میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے اور اس کی وجہ سے پورے علاقے میں امن و سلامتی کا دور دورہ ہو گیا۔ اس کے بعد بعض قبائل نے بعض علاقوں میں جو شور و غوغا کیا اس پر مسلمانوں نے بڑی آسانی سے قابو پا لیا؛ بلکہ اسی غزوے کے بعد بڑے بڑے شہروں اور ممالک کی فتوحات کا راستہ ہموار ہونا شروع ہوا کیونکہ اس غزوے کے بعد اندرون ملک حالات پوری طرح اسلام اور مسلمانوں کے لیے سازگار ہو چکے تھے۔

۷ھ کے چند سرایا

اس غزوے سے واپس آکر رسول اللہ ﷺ نے شوال ۷ھ تک مدینہ میں قیام فرمایا اور اس دوران متعدد سرایا روانہ کیے۔ بعض کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ سریّۂ قدید (صفر یا ربیع الاول ۷ھ)

یہ سریّہ غالب بن عبداللہ لیثیؓ کی کمان میں قدید کی جانب قبیلہ بنی ملوح کی تادیب کے لیے روانہ کیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ بنو ملوح نے بشر بن سُوَید کے رفقاء کو قتل کر دیا تھا اور اسی کے انتقام کے لیے اس سریّہ کی روانگی عمل میں آئی تھی۔ اس سریّہ نے رات کو چھاپہ مار کر بہت سے افراد کو قتل کر دیا اور ڈھور ڈنگر ہانک لائے۔ پھر ان کا دشمن نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ تعاقب کیا لیکن جب مسلمانوں کے قریب پہنچے تو بارش ہونے لگی۔ اور ایک زبردست سیلاب آگیا جو فریقین کے درمیان حائل ہو گیا۔ اس طرح مسلمانوں نے بقیہ راستہ بھی سلامتی کے ساتھ طے کر لیا۔

۲۔ سریّۂ حسمی (جمادی الآخرہ ۷ھ)

اس کا ذکر شاہانِ عالم کے نام خطوط کے باب میں گزر چکا ہے۔

ح زاد المعاد ۲/۱۱۲، نیز اس غزوے کے مباحث کی تفصیلات کے لیے دیکھئے ابنِ ہشام ۲/۲۰۳ تا ۲۰۹، زاد المعاد ۲/۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، فتح الباری ۷/۴۱۷ تا ۴۲۸

۳۔ سریّۂ تربہ (شعبان ۷ھ) یہ سریّہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ کیا گیا۔ ان کے ساتھ تیس آدمی تھے جو رات میں سفر کرتے اور دن میں روپوش رہتے تھے لیکن بنو ہوازن کو پتا چل گیا اور وہ نکل بھاگے۔ حضرت عمرؓ ان کے علاقے میں پہنچے تو کوئی بھی نہ ملا اور وہ مدینہ پلٹ آئے۔

۴۔ سریّۂ اطراف فدک (شعبان ۷ھ) یہ سریّہ حضرت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس آدمیوں کے ہمراہ بنو مرہ کی تادیب کے لیے روانہ کیا گیا۔ حضرت بشیرؓ نے ان کے علاقے میں پہنچ کر بھیڑ بکریاں اور چوپائے ہانک لیے اور واپس ہو گئے۔ رات میں دشمن نے آلیا۔ مسلمانوں نے جم کر تیر اندازی کی لیکن بالآخر بشیرؓ اور ان کے رفقاء کے تیر ختم ہو گئے۔ ان کے ہاتھ خالی ہو گئے اور اس کے نتیجے میں سب کے سب قتل کر دیے گئے۔ صرف بشیرؓ زندہ بچے۔ انہیں زخمی حالت میں اُٹھا کر فدک لایا گیا اور وہ وہیں یہود کے پاس مقیم رہے، یہاں تک کہ ان کے زخم مندمل ہو گئے۔ اس کے بعد وہ مدینہ آئے۔

۵۔ سریّۂ میفعہ (رمضان ۷ھ) یہ سریّہ حضرت غالب بن عبداللہ لَیثی کی قیادت میں بنو عوال اور بنو عبد بن ثعلبہ کی تادیب کے لیے اور کہا جاتا ہے کہ قبیلۂ جہینہ کی شاخ حرقات کی تادیب کے لیے روانہ کیا گیا۔ مسلمانوں کی تعداد ایک سو تیس تھی۔ انہوں نے دشمن پر اجتماعی حملہ کیا اور جس نے بھی سر اٹھایا اسے قتل کر دیا۔ پھر چوپائے اور بھیڑ بکریاں ہانک لائے۔ اسی سریہ میں حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے نہیک بن مرداس کو لا الٰہ الا اللہ کہنے کے باوجود قتل کر دیا تھا اور اس پر نبی ﷺ نے بطور عتاب فرمایا تھا کہ تم نے اسکا دل چیر کر کیوں نہ معلوم کر لیا کہ وہ سچا تھا یا جھوٹا؟

۶۔ سریّۂ خیبر (شوال ۷ھ) یہ سریّہ تیس سواروں پر مشتمل تھا اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بھیجا گیا تھا۔ ہُوا یہ کہ اسیر یا بشیر بن رزام بنو غطفان کو مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کے لیے جمع کر رہا تھا۔ مسلمانوں نے اسیر کو یہ اُمید دلا کر کہ رسول اللہ ﷺ اسے خیبر کا گورنر بنا دیں گے، اس کے تیس رفقاء سمیت اپنے ساتھ چلنے پر آمادہ کر لیا۔ لیکن قرقرہ نیار پہنچ کر فریقین میں بدگمانی پیدا ہو گئی جس کے نتیجے میں اسیر اور اس کے تیس ساتھیوں کو لڑائی میں جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

۷۔ سریّۂ یمن و جبار (شوال ۷ھ) جَبار کی جیم پر زبر ہے۔ یہ بنو غطفان، اور کہا جاتا ہے کہ بنو فزارہ اور بنو عذرہ کے علاقہ کا نام ہے۔ یہاں حضرت بشیر بن

کعب انصاری رضی اللہ عنہ کو تین سو مسلمانوں کی معیت میں روانہ کیا گیا۔ مقصود ایک بڑی جمعیت کو پراگندہ کرنا تھا جو مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے جمع ہو رہی تھی۔ مسلمان راتوں رات سفر کرتے اور دن میں چھپے رہتے تھے۔ جب دشمن کو حضرت بشیرؓ کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت بشیرؓ نے بہت سے جانوروں پر قبضہ کیا۔ دو آدمی بھی قید کر لیے اور جب ان دونوں کو لے کر خدمتِ نبوی ﷺ میں مدینہ پہنچے تو دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔

۸۔ سریّہ غابہ

اسے امام ابن قیم نے عُمرۂ قضاء سے قبل ۷ھ کے سرایا میں شمار کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبیلہ جشم بن معاویہ کا ایک شخص بہت سے لوگوں کو ساتھ لے کر غابہ آیا۔ وہ چاہتا تھا کہ بنو قیس کو مسلمانوں سے لڑنے کے لیے جمع کرے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابو حَدْرَدؓ کو صرف دو آدمیوں کے ہمراہ روانہ فرمایا۔ حضرت ابو حدردؓ نے کوئی ایسی جنگی حکمتِ عملی اختیار کی کہ دشمن کو شکستِ فاش ہوئی اور وہ بہت سے اونٹ اور بھیڑ بکریاں ہانک لائے۔[۷]

○

---

[۷] زاد المعاد ۲/۱۴۹، ۱۵۰۔ ان سرایا کی تفصیلات رحمۃ للعالمین ۲/۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، زاد المعاد ۲/۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، تلقیح الفہوم مع حواشی ص ۳۱ اور مختصر السیرہ للشیخ عبداللہ نجدی ص ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

عُمرۂ قضاء

امام حاکم کہتے ہیں: یہ خبر تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ جب ذی قعدہ کا چاند ہو گیا تو نبی ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ اپنے عمرہ کی قضاء کے طور پر عمرہ کریں اور کوئی بھی آدمی جو حدیبیہ میں حاضر تھا پیچھے نہ رہے۔ چنانچہ (اس مدت میں) جو لوگ شہید ہو چکے تھے انہیں چھوڑ کر بقیہ سب ہی لوگ روانہ ہوئے اور اہلِ حدیبیہ کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی عمرہ کرنے کے لیے ہمراہ نکلے۔ اس طرح تعداد دو ہزار ہو گئی، عورتیں اور بچے ان کے علاوہ تھے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ ساٹھ اونٹ ساتھ لیے اور ناجیہؓ بن جندب اسلمی کو ان کی دیکھ بھال کا کام سونپا۔ ذوالحلیفہ سے عمرہ کا احرام باندھا اور لبیک کی صدا لگائی۔ آپؐ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی لبیک پکارا اور قریش کی جانب سے بدعہدی کے اندیشے کے سبب ہتھیار لیکر، جنگجو افراد کے ساتھ مستعد ہو کر نکلے۔ جب وادی یاجج پہنچے تو سارے ہتھیار یعنی ڈھال، سپر، تیر، نیزے سب رکھ دیے اور ان کی حفاظت کے لیے اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں دو سو آدمی وہیں چھوڑ دیے اور سوار کا ہتھیار یعنی میان میں رکھی ہوئی تلواریں لے کر مکہ میں داخل ہوئے۔[2]

رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخلے کے وقت اپنی قصواء نامی اونٹنی پر سوار تھے۔ مسلمانوں نے تلواریں حمائل کر رکھی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کو گھیرے میں لیے ہوئے لبیک پکار رہے تھے۔

مشرکین مسلمانوں کا تماشا دیکھنے کے لیے (گھروں سے) نکل کر کعبہ کے شمال میں واقع جبل قعیقعان پر (جا بیٹھے تھے) انہوں نے آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہا تھا کہ تمہارے پاس ایک ایسی جماعت آ رہی ہے جسے یثرب کے بخار نے توڑ ڈالا ہے اس لیے نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ وہ پہلے تین چکر دوڑ کر لگائیں۔ البتہ رکن یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان صرف چلتے ہوئے گزریں۔ کل (ساتوں) چکر دوڑ کر لگانے کا حکم محض اس لیے نہیں دیا کہ رحمت و شفقت مقصود تھی۔ اس حکم کا منشاء یہ تھا کہ مشرکین آپ کی قوت کا مشاہدہ کر لیں۔[3] اس کے علاوہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو اضطباع کا بھی حکم دیا تھا۔ اضطباع کا مطلب یہ ہے کہ دایاں

---

[1] فتح الباری ۷/۵۰۰

[2] ایضاً مع زاد المعاد ۲/۱۵۱

[3] صحیح بخاری ۱/۲۱۸، ۲/۶۱۰، ۶۱۱، صحیح مسلم ۱/۴۱۲

کندھا کھلا رکھیں (اور چادر داہنی بغل کے نیچے سے گزار آگے پیچھے دونوں جانب سے) اس کا دوسرا کنارہ بائیں کندھے پر ڈال لیں۔

رسول اللہ ﷺ مکے میں اس پہاڑی گھاٹی کے راستے سے داخل ہوئے جو حجون پر نکلتی ہے۔ مشرکین نے آپؐ کو دیکھنے کے لیے لائن لگا رکھی تھی ـــ آپؐ مسلسل لبیک کہہ رہے تھے، یہاں تک کہ حرم پہنچکر، اپنی چھڑی سے حجر اسود کو چھوا، پھر طواف کیا۔ صحابہؓ نے بھی طواف کیا۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تلوار حمائل کئے رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے اور رجز کے یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ — خلوا فکل الخیر فی رسولہ

قد انزل الرحمٰن فی تنزیلہ — فی صحف تتلی علی رسولہ

یارب انی مومن بقیلہ — انی رأیت الحق فی قبولہ

بان خیر القتل فی سبیلہ — الیوم نضربکم علی تنزیلہ

ضربا یزیل الھام عن مقیلہ — ویذھل الخلیل عن خلیلہ[۴]

"کفار کے پوتو! ان کا راستہ چھوڑ دو۔ راستہ چھوڑ دو کہ ساری بھلائی اس کے پیغمبر ہی میں ہے۔ رحمان نے اپنی تنزیل میں اُتارا ہے۔ یعنی ایسے صحیفوں میں جن کی تلاوت اس کے پیغمبر پر کی جاتی ہے۔ اے پروردگار! میں ان کی بات پر ایمان رکھتا ہوں اور اسے قبول کرنے ہی کو حق جانتا ہوں ـــ کہ بہترین قتل وہ ہے جو اللہ کی راہ میں ہو۔ آج ہم اس کی تنزیل کے مطابق تمہیں ایسی مار ماریں گے کہ کھوپڑی اپنی جگہ سے چھٹک جائے گی اور دوست کو دوست سے بے خبر کر دے گی۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: "اے ابن رواحہ! تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے اور اللہ کے حرم میں شعر کہہ رہے ہو؟" نبی ﷺ نے فرمایا: "اے عمر! انہیں رہنے دو کیونکہ یہ ان کے لیے تیر کی مار سے بھی زیادہ تیز ہے۔"[۵]

رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے تین چکر دوڑ کر لگائے۔ مشرکین نے دیکھا تو کہنے لگے، یہ لوگ جن کے متعلق ہم سمجھ رہے تھے کہ بخار نے انہیں توڑ دیا ہے یہ تو ایسے اور ایسے لوگوں سے بھی زیادہ طاقتور ہیں۔[۶]

---

۴ روایات کے اندر ان اشعار اور ان کی ترتیب میں بڑا اضطراب ہے۔ ہم نے متفرق اشعار کو یکجا کر دیا ہے۔

۵ جامع ترمذی، ابواب الاستیذان والادب، باب ماجاء فی انشاد الشعر ۲/۱۰۷ ۶ صحیح مسلم ۱/۴۱۲

طواف سے فارغ ہو کر آپ نے صَفَا و مَروَہ کی سعی کی۔ اس وقت آپ کی ہَدی یعنی قربانی کے جانور مَروَہ کے پاس کھڑے تھے۔ آپ نے سعی سے فارغ ہو کر فرمایا: یہ قربان گاہ ہے اور مکّے کی ساری گلیاں قربان گاہ ہیں۔ اس کے بعد مَروَہ ہی کے پاس جانوروں کو قربان کر دیا۔ پھر وہیں سر منڈایا۔ مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد کچھ لوگوں کو یَاجِج بھیج دیا گیا کہ وہ ہتھیاروں کی حفاظت کریں اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے وہ آکر اپنا عمرہ ادا کر لیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مکّہ میں تین روز قیام فرمایا۔ چوتھے دن صبح ہوئی تو مشرکین نے حضرت علیؓ کے پاس آکر کہا" اپنے صاحب سے کہو کہ ہمارے یہاں سے روانہ ہو جائیں کیونکہ مدّت گزر چکی ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مکّہ سے نکل آئے اور مقام سرف میں اُتر کر قیام فرمایا۔

مکّہ سے آپؐ کی روانگی کے وقت پیچھے پیچھے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی بھی چچا چچا پکارتے ہوئے آگئیں۔ انہیں حضرت علیؓ نے لے لیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ حضرت جعفرؓ اور حضرت زیدؓ کے درمیان ان کے متعلق اختلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ (ہر ایک مدعی تھا کہ وہی ان کی پرورش کا زیادہ حقدار ہے) نبی ﷺ نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ کیا کیونکہ اس بچی کی خالہ انہیں کی زوجیت میں تھی۔

اسی عمرہ کے سفر میں نبی ﷺ نے حضرت میمونہ بنت حارث عامریہؓ سے شادی کی۔ اس مقصد کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مکہ پہنچنے سے پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنے آگے حضرت میمونہؓ کے پاس بھیج دیا تھا اور انہوں نے اپنا معاملہ حضرت عباس کو سونپ دیا تھا۔ کیونکہ حضرت میمونہؓ کی بہن حضرت اُم الفضلؓ انہیں کی زوجیت میں تھیں۔ حضرت عباسؓ نے حضرت میمونہؓ کی شادی نبی ﷺ سے کر دی پھر آپ نے مکّے سے واپسی کے وقت حضرت ابورافعؓ کو پیچھے چھوڑ دیا کہ وہ حضرت میمونہؓ کو سوار کر کے آپ کی خدمت میں لے آئیں۔ چنانچہ آپؐ سرف پہنچے تو وہ آپؐ کی خدمت میں پہنچا دی گئیں۔[۷]

اس عمرہ کا نام عمرۂ قضاء یا تو اس لیے پڑا کہ یہ عمرۂ حدیبیہ کی قضا کے طور پر تھا یا اس لیے کہ یہ حدیبیہ میں طے کردہ صلح کے مطابق کیا گیا تھا۔ (اور اس طرح کی مصالحت کو عربی میں قضا اور مقاضاۃ کہتے ہیں) اس دوسری وجہ کو محققین نے راجح قرار دیا ہے۔[۸] نیز اس عمرہ کو چار نام سے یاد کیا جاتا ہے! عمرۂ قضا، عمرۂ قضیہ، عمرۂ قصاص اور عمرۂ صلح۔[۹]

---

۷ زاد المعاد ۲/۱۵۲ ۸ زاد المعاد ۱/۱۷۲، فتح الباری ۷/۵۰۰

۹ ایضاً فتح الباری ۷/۵۰۰

چند اور سرایا

۱۔ سریّۂ ابوالعوجاء (ذی الحجہ ۷ھ) رسول اللہ ﷺ نے پچاس آدمیوں کو حضرت ابوالعوجاءؓ کی سرکردگی میں بنوسُلَیم کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے روانہ کیا لیکن جب بنوسُلَیم کو اسلام کی دعوت دی گئی تو انہوں نے جواب میں کہا کہ تم جس بات کی دعوت دیتے ہو ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر انہوں نے سخت لڑائی کی جس میں ابوالعوجاءؓ زخمی ہو گئے تاہم مسلمانوں نے دشمن کے دو آدمی قید کئے۔

۲۔ سریّۂ غالب بن عبداللہ (صفر ۸ھ) انہیں دو سو آدمیوں کے ہمراہ فدک کے اطراف میں حضرت بشیر بن سعد کے رفقاء کی شہادت گاہ میں بھیجا گیا تھا۔ ان لوگوں نے دشمن کے جانوروں پر قبضہ کیا اور ان کے متعدد افراد قتل کئے۔

۳۔ سریّۂ ذات اطلح (ربیع الاوّل ۸ھ) اس سریّہ کی تفصیل یہ ہے کہ بنوقضاعہ نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے بڑی جمعیّت فراہم کر رکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو آپؐ نے کعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں صرف پندرہ صحابہ کرام کو ان کی جانب روانہ فرمایا۔ صحابہ کرامؓ نے سامنا ہونے پر انہیں اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے اسلام قبول کرنے کی بجائے ان کو تیروں سے چھلنی کر کے سب کو شہید کر ڈالا۔ صرف ایک آدمی زندہ بچا جو مقتولین کے درمیان سے اٹھا لایا گیا۔[۱۰]

۴۔ سریّۂ ذات عرق (ربیع الاوّل ۸ھ) اس کا واقعہ یہ ہے کہ بنوہوازن نے بار بار دشمنوں کو کمک پہنچائی تھی اس لیے پچیس آدمیوں کی کمان دے کر حضرت شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کو ان کی جانب روانہ کیا گیا۔ یہ لوگ دشمن کے جانور ہانک لائے لیکن جنگ اور چھیڑ چھاڑ کی نوبت نہیں آئی۔[۱۱]

○

---

[۱۰] رحمۃ للعالمین ۲/۲۳۱ [۱۱] ایضاً و تلقیح الفہوم ص ۳۳ (حاشیہ)

معرکۂ مُوْتَہ

مُوْتَہ (میم پیش اور واو ساکن) اردن میں بَلْقَاء کے قریب ایک آبادی کا نام ہے جہاں سے بیت المقدس دو دن کی مسافت پر واقع ہے۔ زیرِ بحث معرکہ یہیں پیش آیا تھا۔

یہ سب سے بڑا خونریز معرکہ تھا جو مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں پیش آیا اور یہی معرکہ عیسائی ممالک کی فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اس کا زمانۂ وقوع جمادی الاولیٰ ۸ھ مطابق اگست یا ستمبر ۶۲۹ء ہے۔

معرکہ کا سبب

اس معرکے کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حارث بن عُمَیر اَزْدِی رضی اللہ عنہ کو اپنا خط دے کر حاکم بُصریٰ کے پاس روانہ کیا تو انہیں قیصرِ روم کے گورنر شرحبیل بن عمرو غسانی نے جو بلقاء پر مامور تھا گرفتار کر لیا اور مضبوطی کے ساتھ باندھ کر ان کی گردن مار دی۔

یاد رہے کہ سفیروں اور قاصدوں کا قتل نہایت بدترین جرم تھا جو اعلانِ جنگ کے برابر بلکہ اس سے بھی بڑھ کر سمجھا جاتا تھا، اس لیے جب رسُول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع دی گئی تو آپؐ پر یہ بات سخت گراں گزری اور آپؐ نے اس علاقہ پر فوج کشی کے لیے تین ہزار کا لشکر تیار کیا[1]۔ اور یہ سب سے بڑا اسلامی لشکر تھا جو اس سے پہلے جنگ احزاب کے علاوہ کسی اور جنگ میں فراہم نہ ہو سکا تھا۔

لشکر کے امراء اور رسول اللہ ﷺ کی وصیّت

رسول اللہ ﷺ نے اس لشکر کا سپہ سالار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور فرمایا کہ اگر زیدؓ قتل کر دیے جائیں تو جعفرؓ اور جعفرؓ قتل کر دیے جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ سپہ سالار ہوں گے[2]۔ آپؐ نے لشکر کے لیے سفید پرچم باندھا اور اسے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا[3]۔ لشکر کو آپؐ نے یہ وصیت بھی فرمائی کہ جس مقام پر حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ قتل کئے گئے تھے وہاں پہنچ کر اس مقام کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو بہتر، ورنہ اللہ سے مدد مانگیں اور لڑائی کریں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کے نام سے، اللہ کی راہ میں، اللہ کے ساتھ کفر

---

[1] زاد المعاد ۲/۱۵۵ فتح الباری ۷/۵۱۱ [2] صحیح بخاری باب غزوہ موتہ من ارض الشام ۲/۶۱۱

کرنے والوں سے غزوہ کرو۔ اور دیکھو بدعہدی نہ کرنا، خیانت نہ کرنا، کسی بچے اور عورت اور انتہائی عمر رسیدہ بڈھے کو اور گرجے میں رہنے والے تارک الدنیا کو قتل نہ کرنا۔ کھجور اور کوئی اور درخت نہ کاٹنا اور کسی عمارت کو منہدم نہ کرنا۔[۳]

اسلامی لشکر کی روانگی اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کا گریہ

جب اسلامی لشکر روانگی کے لیے تیار ہو گیا تو لوگوں نے آ آ کر رسول اللہ ﷺ کے مقررہ سپہ سالاروں کو الوداع کہا اور سلام کیا۔ اس وقت ایک سپہ سالار حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ لوگوں نے کہا، آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: دیکھو، خدا کی قسم (اس کا سبب) دُنیا کی محبت یا تمہارے ساتھ میرا تعلق خاطر نہیں ہے بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کتاب اللہ کی ایک آیت پڑھتے ہوئے سُنا ہے جس میں جہنم کا ذکر ہے، آیت یہ ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ○ (۱۹: ۷۱)

"تم میں سے ہر شخص جہنم پر وارد ہونے والا ہے۔ یہ تمہارے رب پر ایک لازمی اور فیصلہ کی ہوئی بات ہے۔"

میں نہیں جانتا کہ جہنم پر وارد ہونے کے بعد کیسے پلٹ سکوں گا؟ مسلمانوں نے کہا، اللہ سلامتی کے ساتھ آپ لوگوں کا ساتھی ہو، آپ کی طرف سے دفاع کرے اور آپ کو ہماری طرف نیکی اور غنیمت کے ساتھ واپس لائے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا:

لکننی اسأل الرحمٰن مغفرة ۔۔۔ وضربة ذات فرع تقذف الزبدا

او طعنة بیدی حران مجهزة ۔۔۔ بحربة تنفذ الاحشاء والکبدا

حتی یقال اذا مروا علی جدثی ۔۔۔ یا ارشد الله من غاز وقد رشدا

"لیکن میں رحمٰن سے مغفرت کا، اور استخواں شکن، مغز پاش تلوار کی کاٹ کا، یا کسی نیزہ باز کے ہاتھوں، آنتوں اور جگر کے پار اُتر جانے والے نیزے کی ضرب کا سوال کرتا ہوں تاکہ جب لوگ میری قبر پر گزریں تو کہیں ہائے وہ غازی جسے اللہ نے ہدایت دی اور جو ہدایت یافتہ رہا۔"

اس کے بعد لشکر روانہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی مشایعت کرتے ہوئے ثنیۃ الوداع تک

---

[۳] مختصر السیرہ للشیخ عبداللہ ص ۳۲۷ [۴] ایضاً رحمۃ للعالمین ۲/۲۷۱

تشریف لے گئے اور وہیں سے اسے الوداع کہا۔[۵]

اسلامی لشکر کی پیش رفت اور خوفناک ناگہانی حالت سے سابقہ

اسلامی لشکر شمال کی طرف بڑھتا ہوا معان پہنچا۔ یہ مقام شمالی حجاز سے مُتّصل شامی (اردنی) علاقے میں واقع ہے۔ یہاں لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور یہیں جاسوسوں نے اطلاع پہنچائی کہ ہرقل قیصرِ روم بلقاء کے علاقے میں مآب کے مقام پر ایک لاکھ رومیوں کا لشکر لے کر خیمہ زن ہے اور اس کے جھنڈے تلے لخم و جذام، بلقین و بہرا اور بلی (قبائلِ عرب) کے مزید ایک لاکھ افراد بھی جمع ہو گئے ہیں۔

معان میں مجلسِ شوریٰ

مسلمانوں کے حساب میں سرے سے یہ بات تھی ہی نہیں کہ انہیں کسی ایسے لشکر جرّار سے سابقہ پیش آئے گا جس سے وہ اس دُور دراز سرزمین میں ایکدم اچانک دوچار ہو گئے تھے۔ اب ان کے سامنے سوال یہ تھا کہ آیا تین ہزار کا ذرا جتنا لشکر دو لاکھ کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر سے ٹکرا جائے یا کیا کرے؟ مسلمان حیران تھے اور اسی حیرانی میں معان کے اندر دو راتیں غور اور مشورہ کرتے ہوئے گزار دیں۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو لکھ کر دشمن کی تعداد کی اطلاع دیں۔ اس کے بعد یا تو آپ کی طرف سے مزید کمک ملے گی، یا اور کوئی حکم ملے گا اور اس کی تعمیل کی جائے گی۔

لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس رائے کی مخالفت کی اور یہ کہہ کر لوگوں کو گرما دیا کہ لوگو! خدا کی قسم، جس چیز سے آپ کترا رہے ہیں یہ تو وہی شہادت ہے جس کی طلب میں آپ نکلے ہیں۔ یاد رہے دشمن سے ہماری لڑائی تعداد، قوت اور کثرت کے بل پر نہیں ہے بلکہ ہم محض اس دین کے بل پر لڑتے ہیں جس سے اللہ نے ہمیں مشرف کیا ہے۔ اس لئے چلئے آگے بڑھئے! ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی حاصل ہو کر رہے گی۔ یا تو ہم غالب آئیں گے یا شہادت سے سرفراز ہوں گے۔ بالآخر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی پیش کی ہوئی بات طے پا گئی۔

دشمن کی طرف اسلامی لشکر کی پیش قدمی

غرض اسلامی لشکر نے معان میں دو راتیں گزارنے کے بعد دشمن کی جانب پیشقدمی کی اور بلقاء کی ایک بستی میں جس کا نام "مَشارِف" تھا ہرقل کی فوجوں سے اس کا سامنا ہوا۔ اس کے بعد دشمن

---

۵ ابن ہشام ۲/۳۷۳، ۳۷۴ زاد المعاد ۲/۱۵۶ مختصر السیرہ للشیخ عبداللہ ص ۳۲۷

مزید قریب آگیا اور مسلمان "موتہ" کی جانب سمٹ کر خیمہ زن ہو گئے۔ پھر لشکر کی جنگی ترتیب قائم کی گئی۔ میمنہ پر قطبہؓ بن قتادہ عذری مقرر کئے گئے اور میسرہ پر عبادہ بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ۔

جنگ کا آغاز اور سپہ سالاروں کی یکے بعد دیگرے شہادت

اس کے بعد موتہ ہی میں فریقین کے درمیان ٹکراؤ ہوا اور نہایت تلخ لڑائی شروع ہوئی۔ تین ہزار کی نفری دو لاکھ ٹڈی دل کے طوفانی حملوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ عجیب و غریب معرکہ تھا؛ دنیا پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی لیکن جب ایمان کی بادِ بہاری چلتی ہے تو اسی طرح کے عجائبات ظہور میں آتے ہیں۔

سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے چہیتے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے علم لیا اور ایسی بے جگری سے لڑے کہ اسلامی شہبازوں کے علاوہ کہیں اور اس کی نظیر نہیں ملتی۔ وہ لڑتے رہے، لڑتے رہے یہاں تک کہ دشمن کے نیزوں میں گتھ گئے اور جام شہادت نوش فرما کر زمین پر آرہے۔

اس کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی باری تھی۔ انہوں نے لپک کر جھنڈا اٹھایا اور بے نظیر جنگ شروع کر دی۔ جب لڑائی کی شدت شباب کو پہنچی تو اپنے سُرخ و سیاہ گھوڑے کی پُشت سے کود پڑے۔ کوچیں کاٹ دیں اور وار پر وار کرتے اور روکتے رہے یہاں تک کہ دشمن کی ضرب سے داہنا ہاتھ کٹ گیا۔ اس کے بعد انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا اور اسے مسلسل بلند رکھا یہاں تک کہ بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا۔ پھر دونوں باقیماندہ بازوؤں سے جھنڈا آغوش میں لے لیا اور اس وقت تک بلند رکھا جب تک کہ خلعتِ شہادت سے سرفراز نہ ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک رومی نے ان کو ایسی تلوار ماری کہ ان کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اللہ نے انہیں ان کے دونوں بازوؤں کے عوض جنّت میں دو بازو عطا کئے جن کے ذریعہ وہ جہاں چاہتے ہیں اُڑتے ہیں۔ اسی لیے ان کا لقب جعفر طَیَّار اور جعفر ذُوالجَنَاحَیْن پڑ گیا۔ (طَیَّار معنی اڑنے والا اور ذُوالجَنَاحَیْن معنی دو بازوؤں والا)

امام بخاری نے نافع کے واسطے سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان روایت کیا ہے کہ میں نے جنگ موتہ کے روز حضرت جعفر کے پاس جبکہ وہ شہید ہو چکے تھے، کھڑے ہو کر ان کے جسم پر نیزے اور تلوار کے پچاس زخم شمار کئے۔ ان میں سے کوئی بھی زخم پیچھے نہیں لگا تھا۔[۶]

ایک دوسری روایت میں ابن عُمر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان اس طرح مروی ہے کہ میں بھی اس غزوے

---

۶ صحیح بخاری، باب غزوۃ موتہ من ارض الشام ۶۱۱/۲

میں مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ ہم نے جعفر بن ابی طالب کو تلاش کیا تو انہیں مقتولین میں پایا اور ان کے جسم میں نیزے اور تیر کے نوّے سے زیادہ زخم پائے[۷]۔ نافع سے عمری کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ "ہم نے یہ سب زخم ان کے جسم کے اگلے حصّے میں پائے[۸]۔"

اس طرح کی شجاعت و بسالت سے بھرپور جنگ کے بعد جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی شہید کر دیے گئے تو اب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پرچم اٹھایا اور اپنے گھوڑے پر سوار آگے بڑھے اور اپنے آپ کو مقابلہ کے لیے آمادہ کرنے لگے، لیکن انہیں کسی قدر ہچکچاہٹ ہوئی، حتیٰ کہ تھوڑا سا گریز بھی کیا۔ لیکن اس کے بعد کہنے لگے :

اقسمت یا نفس لتنزلنه　　کارهة او لتطاوعنه

ان أجلب الناس وشدوا الرنه　　مالی اراك تكرهين الجنه

"اے نفس قسم ہے کہ تو ضرور مدِّ مقابل اُتر، خواہ ناگواری کے ساتھ خواہ خوشی خوشی، اگر لوگوں نے جنگ برپا کر رکھی ہے اور نیزے تان رکھے ہیں تو میں تجھے کیوں جنّت سے گریزاں دیکھ رہا ہوں۔"

اس کے بعد وہ مقابل میں اُتر آئے۔ اتنے میں ان کا چچیرا بھائی ایک گوشت لگی ہوئی ہڈی لے آیا اور بولا: "اس کے ذریعہ اپنی پیٹھ مضبوط کر لو کیونکہ ان دنوں تمہیں سخت حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔" انہوں نے ہڈی لے کر ایک بار نوچی پھر پھینک کر تلوار تھام لی اور آگے بڑھ کر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

جھنڈا، اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار کے ہاتھ میں

اس موقع پر قبیلہ بنو عجلان کے ثابتؓ بن ارقم نامی ایک صحابی نے لپک کر جھنڈا اُٹھا لیا اور فرمایا: "مسلمانو! اپنے کسی آدمی کو سپہ سالار بنا لو۔" صحابہؓ نے کہا: "آپ ہی یہ کام انجام دیں۔" انہوں نے کہا: "میں یہ کام نہیں کر سکوں گا۔" اس کے بعد صحابہؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو منتخب کیا اور انہوں نے جھنڈا لیتے ہی نہایت پُرزور جنگ کی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں خود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنگ موتہ کے روز میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹ گئیں۔ پھر میرے ہاتھ میں صرف ایک یمنی بانا (چھوٹی سی تلوار) باقی بچا[۹]۔ اور ایک دوسری روایت میں اُن کا بیان اس طرح مروی ہے کہ میرے ہاتھ میں جنگ موتہ کے روز نو تلواریں ٹوٹ گئیں اور ایک

---

[۷] ایضاً ۶۱۱/۲

[۸] فتح الباری ۵۱۲/۷ بظاہر دونوں حدیث میں تعداد کا اختلاف ہے۔ تطبیق یہ دی گئی ہے کہ تیروں کے زخم شامل کر کے تعداد بڑھ جاتی ہے۔ (دیکھیے فتح الباری)　[۹] صحیح بخاری، باب غزوہ موتہ من ارض الشام ۶۱۱/۲

یمنی بانا میرے ہاتھ میں چپک کر رہ گیا۔[10]

ادھر رسول اللہ ﷺ نے جنگ مُوتہ ہی کے روز جبکہ ابھی میدان جنگ سے کسی قسم کی اطلاع نہیں آئی تھی وحی کی بناء پر فرمایا کہ جھنڈا زیدؓ نے لیا، اور وہ شہید کر دیے گئے پھر جعفرؓ نے لیا، وہ بھی شہید کر دیے گئے پھر ابنِ رواحہؓ نے لیا، اور وہ بھی شہید کر دیے گئے ـــ اس دوران آپؐ کی آنکھیں اشکبار تھیں ـــ یہاں تک کہ جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے لیا (اور ایسی جنگ لڑی کہ) اللہ نے ان پر فتح عطا کی۔[11]

خاتمۂ جنگ

انتہائی شجاعت و بسالت اور زبردست جاں بازی و جاں سپاری کے باوجود یہ بات انتہائی تعجب انگیز تھی کہ مسلمانوں کا یہ چھوٹا سا لشکر رُومیوں کے اس لشکرِ جرار کی طوفانی لہروں کے سامنے ڈٹا رہ جاتے؛ لہٰذا اس نازک مرحلے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو اس گرداب سے نکالنے کے لیے جس میں وہ خود کود پڑے تھے، اپنی مہارت اور کمال ہنرمندی کا مظاہرہ کیا۔

روایات میں بڑا اختلاف ہے کہ اس معرکے کا آخری انجام کیا ہوا۔ تمام روایات پر نظر ڈالنے سے صورت حال یہ معلوم ہوتی ہے کہ جنگ کے پہلے روز حضرت خالدؓ بن ولید دن بھر رومیوں کے مدِمقابل ڈٹے رہے؛ لیکن وہ ایک ایسی جنگی چال کی ضرورت محسوس کر رہے تھے جس کے ذریعہ رُومیوں کو مرعوب کر کے اتنی کامیابی کے ساتھ مسلمانوں کو پیچھے ہٹا لیں کہ رومیوں کو تعاقب کی ہمت نہ ہو کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر مسلمان بھاگ کھڑے ہوتے اور رومیوں نے تعاقب شروع کر دیا تو مُسلمانوں کو ان کے پنجے سے بچانا سخت مشکل ہوگا۔

چنانچہ جب دُوسرے دن صبح ہوئی تو انہوں نے لشکر کی ہیئت اور وضع تبدیل کر دی اور اس کی ایک نئی ترتیب قائم کی۔ مقدمہ (اگلی لائن) کو ساقہ (پچھلی لائن) اور ساقہ کو مقدمہ کی جگہ رکھ دیا، اور میمنہ کو مَیسَرہ اور میسرہ کو میمنہ سے بدل دیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر دشمن چونک گیا اور کہنے لگا کہ انہیں کمک پہنچ گئی ہے۔ غرض رُومی ابتدا ہی میں مرعوب ہو گئے۔ ادھر جب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا اور کچھ دیر تک جھڑپ ہو چکی تو حضرت خالدؓ نے اپنے لشکر کا نظام محفوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو تھوڑا تھوڑا پیچھے ہٹانا شروع کیا لیکن رومیوں نے اس خوف سے ان کا پیچھا نہ کیا کہ مسلمان دھوکہ دے رہے ہیں اور کوئی چال چل کر انہیں صحرا کی پہنائیوں میں پھینک دینا چاہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن اپنے علاقے میں واپس چلا گیا اور مسلمانوں کے

---

[10] صحیح بخاری، باب غزوہ موتہ من ارض الشام ۶۱۱/۲ [11] ایضاً ۶۱۱/۲

تعاقب کی بات نہ سوچی۔ ادھر مسلمان کامیابی اور سلامتی کے ساتھ پیچھے ہٹے اور پھر مدینہ واپس آ گئے۔[۱۲]

فریقین کے مقتولین

اس جنگ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے۔ رومیوں کے مقتولین کی تعداد کا علم نہ ہو سکا۔ البتہ جنگ کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی تعداد میں مارے گئے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب تنہا حضرت خالدؓ کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹ گئیں تو مقتولین اور زخمیوں کی تعداد کتنی رہی ہوگی۔

اس معرکے کا اثر

اس معرکے کی سختیاں جس انتقام کے لیے جھیلی گئی تھیں مسلمان اگرچہ وہ انتقام نہ لے سکے، لیکن اس معرکے نے مسلمانوں کی ساکھ اور شہرت میں بڑا اضافہ کیا۔ اس کی وجہ سے سارے عرب انگشت بدنداں رہ گئے۔ کیونکہ رُومی اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑی قوت تھے۔ عرب سمجھتے تھے کہ ان سے ٹکرانا خودکشی کے مترادف ہے۔ اس لیے تین ہزار کی ذرا جتنی نفری کا دو لاکھ کے بھاری بھرکم لشکر سے ٹکرا کر کوئی قابل ذکر نقصان اُٹھائے بغیر واپس آ جانا عجوبۂ روزگار سے کم نہ تھا۔ اور اس سے یہ حقیقت بڑی پختگی کے ساتھ ثابت ہوتی تھی کہ عرب اب تک جس قسم کے لوگوں سے واقف اور آشنا تھے، مُسلمان ان سے الگ تھلگ ایک دوسری ہی طرز کے لوگ ہیں۔ وہ اللہ کی طرف سے مُؤیّد و منصور ہیں اور ان کے راہنما واقعۃً اللہ کے رسول ہیں۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ضدی قبائل جو مسلمانوں سے مسلسل برسرِ پیکار رہتے تھے، اس معرکے کے بعد اسلام کی طرف مائل ہو گئے چنانچہ بنو سُلَیم، اشجع، غطفان، ذبیان اور فزارہ وغیرہ قبائل نے اسلام قبول کر لیا۔

یہی معرکہ ہے جس سے رومیوں کے ساتھ خونریز ٹکر شروع ہوئی جو آگے چل کر رومی ممالک کی فتوحات اور دُور دراز علاقوں پر مُسلمانوں کے اقتدار کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

سریّۂ ذات السّلاسل

جب رسول اللہ ﷺ کو معرکۂ مُوتہ کے سلسلے میں مشارف شام کے اندر رہنے والے عرب قبائل کے موقف کا علم ہوا کہ وہ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے رومیوں کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے تو آپؐ نے ایک ایسی حکمتِ بالغہ کی ضرورت محسوس کی جس کے ذریعے ایک طرف تو ان عرب قبائل اور رومیوں کے درمیان تفرقہ پڑ جائے اور دوسری طرف خود مسلمانوں سے ان کی دوستی ہو جائے تاکہ اس علاقے میں دوبارہ آپ کے خلاف اتنی بڑی جمعیت فراہم

---

[۱۲] دیکھئے فتح الباری ۷/۵۱۳، ۵۱۴، زاد المعاد ۲/۱۵۶، معرکے کی تفصیل سابقہ مآخذ سمیت ان دونوں مآخذ سے لی گئی ہے۔

نہ ہو سکے۔

اس مقصد کے لیے آپؐ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا کیونکہ ان کی دادی قبیلہ بلی سے تعلق رکھتی تھیں۔ چنانچہ آپؐ نے جنگ موتہ کے بعد ہی یعنی جمادی الآخرہ ۸ھ میں ان کی تالیفِ قلب کے لیے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ان کی جانب روانہ فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ جاسوسوں نے یہ اطلاع بھی دی تھی کہ بنو قضاعہ نے اطرافِ مدینہ پر ہلّہ بولنے کے ارادہ سے ایک نفری فراہم کر رکھی ہے لہٰذا آپؐ نے حضرت عمروؓ بن عاص کو ان کی جانب روانہ کیا۔ ممکن ہے دونوں سبب اکٹھا ہو گئے ہوں۔

بہرحال رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمروؓ بن عاص کے لیے سفید جھنڈا باندھا اور اس کے ساتھ کالی جھنڈیاں بھی دیں اور ان کی کمان میں بڑے بڑے مہاجرین و انصار کی تین سو نفری دے کر انہیں رخصت فرمایا۔ ان کے ساتھ تیس گھوڑے بھی تھے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ بلی اور عذرہ اور بلقین کے جن لوگوں کے پاس سے گزریں ان سے مدد کے خواہاں ہوں۔ وہ رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے تھے۔ جب دشمن کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ ان کی جمعیت بہت بڑی ہے۔ اس لیے حضرت عمروؓ نے حضرت رافعؓ بن مکیث جہنی کو کمک طلب کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کو علم دے کر ان کی سرکردگی میں دو سو فوجیوں کی کمک روانہ فرمائی۔ جس میں رؤساء مہاجرین مثلاً ابوبکرؓ و عمرؓ اور سردارانِ انصار بھی تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو حکم دیا گیا تھا کہ عمروؓ بن عاص سے جا ملیں اور دونوں مل کر کام کریں، اختلاف نہ کریں۔ وہاں پہنچ کر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے امامت کرنی چاہی لیکن حضرت عمروؓ نے کہا آپ میرے پاس کمک کے طور پر آئے ہیں امیر میں ہوں۔ ابو عبیدہؓ نے ان کی بات مان لی اور نماز حضرت عمروؓ ہی پڑھاتے رہے۔

کمک آجانے کے بعد یہ فوج مزید آگے بڑھ کر قضاعہ کے علاقہ میں داخل ہوئی اور اس علاقہ کو روندتی ہوئی اس کے دُور دراز حدود تک جا پہنچی۔ آخیر میں ایک لشکر سے مڈبھیڑ ہوئی لیکن جب مسلمانوں نے اس پر حملہ کیا تو وہ اِدھر اُدھر بھاگ کر بکھر گیا۔

اس کے بعد عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کو ایلچی بنا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی بہ سلامت واپسی کی اطلاع دی اور غزوے کی تفصیل سنائی۔

ذات السلاسل (پہلی سین کو پیش اور زبر دونوں پڑھنا درست ہے۔) وادی القریٰ سے آگے ایک خطۂ زمین کا نام ہے۔ یہاں سے مدینہ کا فاصلہ دس دن ہے۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ مسلمان قبیلۂ جذام

کی سرزمین میں واقع سلسل نامی ایک چشمے پر اُترے تھے اسی لیے اس مہم کا نام ذات السلاسل پڑ گیا۔[۱۳]

سریّہ خضرہ (شعبان ۸ھ)

اس سریہ کا سبب یہ تھا کہ نجد کے اندر قبیلۂ محارب کے علاقہ میں خضرہ نامی ایک مقام پر بنو غطفان لشکر جمع کر رہے تھے لہٰذا ان کی سرکوبی کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو قتادہؓ کو پندرہ آدمیوں کی جمعیت دے کر روانہ کیا۔ انہوں نے دشمن کے متعدد آدمیوں کو قتل اور قید کیا اور مالِ غنیمت بھی حاصل کیا۔ اس مہم میں وہ پندرہ دن مدینہ سے باہر رہے۔[۱۴]

○

---

[۱۳] دیکھئے ابن ہشام ۲/۶۲۳ تا ۶۲۶ ، زاد المعاد ۲/۱۵۷

[۱۴] رحمۃ للعالمین ۲/۲۳۳ تلقیح الفہوم ص ۳۳

غزوۂ فتح مکّہ

امام ابنِ قیم لکھتے ہیں کہ یہ وہ فتح اعظم ہے جس کے ذریعہ اللہ نے اپنے دین کو، اپنے رسُول کو، اپنے لشکر کو اور اپنے امانت دار گروہ کو عزّت بخشی اور اپنے شہر کو اور اپنے گھر کو، جسے دُنیا والوں کے لیے ذریعۂ ہدایت بنایا ہے، کفار و مشرکین کے ہاتھوں سے چھٹکارا دلایا۔ اس فتح سے آسمان والوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اس کی عزّت کی طنابیں جوزاء کے شانوں پر تن گئیں، اور اس کی وجہ سے لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے اور رُوئے زمین کا چہرہ روشنی اور چمک دمک سے جگمگا اُٹھا۔[1]

اس غزوے کا سبب

صلح حدیبیہ کے ذکر میں ہم یہ بات بتا چکے ہیں کہ اس معاہدے کی ایک دفعہ یہ تھی کہ جو کوئی محمد ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکتا ہے اور جو کوئی قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکتا ہے اور جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ شامل ہوگا اس فریق کا ایک حصّہ سمجھا جائے گا۔ لہٰذا ایسا کوئی قبیلہ اگر کسی حملے یا زیادتی کا شکار ہوگا تو یہ خود اس فریق پر حملہ اور زیادتی تصوّر کی جائے گی۔

اس دفعہ کے تحت بنو خُزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے اور بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں۔ اس طرح دونوں قبیلے ایک دُوسرے سے مامون اور بے خطر ہو گئے۔ لیکن چونکہ ان دونوں قبیلوں میں دورِ جاہلیت سے عداوت اور کشاکش چلی آ رہی تھی، اس لیے جب اسلام کی آمد آمد ہوئی، اور صلح حدیبیہ ہو گئی، اور دونوں فریق ایک دوسرے سے مطمئن ہو گئے تو بنو بکر نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر چاہا کہ بنو خزاعہ سے پرانا بدلہ چکا لیں۔ چنانچہ نوفل بن معاویہ دیلی نے بنو بکر کی ایک جماعت ساتھ لے کر شعبان ۸ھ میں بنو خزاعہ پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا۔ اس وقت بنو خزاعہ وتیر نامی ایک چشمے پر خیمہ زن تھے۔ ان کے متعدد افراد مارے گئے۔ کچھ جھڑپ اور لڑائی بھی ہوئی۔ ادھر قریش نے اس حملے میں ہتھیاروں سے بنو بکر کی مدد کی، بلکہ ان کے کچھ آدمی بھی رات کی تاریکی کا فائدہ اُٹھا کر لڑائی میں شریک ہوئے۔ بہر حال حملہ آوروں نے بنو خزاعہ کو کھدیڑ کر حرم تک پہنچا دیا۔ حرم پہنچ کر بنو بکر نے کہا: "اے نوفل، اب تو ہم حرم میں داخل

---

[1] زاد المعاد ۲/۱۶۰

نقشۂ فتح مکہ

مرالظہران اور
مدینہ کا راستہ
اسلامی فوج
منیٰ، عرفات اور طائف کا راستہ
جنت المعلی
کدا کا راستہ
معلی
جبل ابو قبیس
جبل خندمہ
جبل قعیقعان
حجون
جدہ کا راستہ
مکہ کا راستہ
خالد بن ولید کی فوج
شمال
مشرق
مغرب
جنوب

ہو گئے۔ تمہارا الٰہ!... تمہارا الٰہ!..." اس کے جواب میں نوفل نے ایک بڑی بات کہی، بولا: "بنو بکر! آج کوئی الٰہ نہیں، اپنا بدلہ چکا لو۔ میری عمر کی قسم! تم لوگ حرم میں چوری کرتے ہو تو کیا حرم میں اپنا بدلہ نہیں لے سکتے۔"

ادھر بنو خزاعہ نے مکہ پہنچ کر بُدَیل بن وَرقاء خُزاعی اور اپنے ایک آزاد کردہ غلام رافع کے گھروں میں پناہ لی اور عَمرو بن سالم خزاعی نے وہاں سے نکل کر فوراً مدینہ کا رُخ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس وقت آپؐ مسجد نبوی میں صحابہ کرامؓ کے درمیان تشریف فرما تھے۔ عَمرو بن سالم نے کہا:

یارب انی ناشد محمدا — حلفنا وحلف ابیه الا تلدا

قد کنتم ولدا وکنا والدا — ثمة أسلمنا ولم ننزع یدا

فانصر هداك الله نصرا ایدا — وادع عباد الله یأتو امددا

فیهم رسول الله قد تجردا — ابیض مثل البدر یسمو صعدا

ان سیم خسفا وجهه تربدا — فی فیلق کالبحر یجری مزبدا

ان قریشا اخلفوك الموعدا — ونقضوا میثاقك المؤکدا

وجعلوا لی فی کداء رصدا — وزعموا ان لست ادعو احدا

وهم اذل واقل عددا — هم بیتونا بالوتیر هجدا

وقتلونا رکعا وسجدا

"اے پروردگار! میں محمد ﷺ سے انکے عہد اور ان کے والد کے قدیم عہد[2] کی دہائی دے رہا ہوں۔ آپ لوگ اولاد تھے اور ہم جننے[3] والے۔ پھر ہم نے تابعداری اختیار کی اور کبھی دست کش نہ ہوئے۔ اللہ آپ کو ہدایت دے، آپ پُر زور مدد کیجئے اور اللہ کے بندوں کو پکاریئے، وہ مدد کو آئیں گے۔ جن میں اللہ کے رسول ہوں گے ہتھیار پوش، اور چڑھے ہوئے چودھویں کے چاند کی طرح گورے اور خوبصورت۔ اگر ان پر ظلم اور ان کی توہین کی جائے تو چہرہ تمتما اُٹھتا ہے۔ آپ ایک ایسے لشکرِ جرار کے اندر تشریف لائیں گے جو جھاگ بھرے سمندر کی طرح تلاطم خیز ہوگا۔ یقیناً قریش نے آپ کے عہد کی

---

۲ اشارہ اس عہد کی طرف ہے جو بنو خزاعہ اور بنو ہاشم کے درمیان عبدالمطلب کے زمانے سے چلا آ رہا تھا۔ اس کا ذکر ابتداء کتاب میں کیا جا چکا ہے۔

خلاف ورزی کی ہے اور آپ کا پختہ پیمان توڑ دیا ہے۔ انہوں نے میرے لیے کداء میں گھات لگائی اور یہ سمجھا کہ میں کسی کو (مدد کے لیے) نہ پکاروں گا حالانکہ وہ بڑے ذلیل اور تعداد میں قلیل ہیں۔ انہوں نے وتیر پر رات میں حملہ کیا اور ہمیں رکوع و سجود کی حالت میں قتل کیا"۔ (یعنی ہم مسلمان تھے اور ہمیں قتل کیا گیا۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے عمرو بن سالم تیری مدد کی گئی"۔ اس کے بعد آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا دکھائی پڑا۔ آپؐ نے فرمایا یہ بادل بنو کعب کی مدد کی بشارت سے دمک رہا ہے۔

اس کے بعد بُدَیل بن وَرقاء خُزاعی کی سرکردگی میں بنو خُزاعہ کی ایک جماعت مدینہ آئی اور رسول اللہ ﷺ کو بتلایا کہ کون سے لوگ مارے گئے اور کس طرح قریش نے بنو بکر کی پشتیبانی کی۔ اس کے بعد یہ لوگ مکہ واپس چلے گئے۔

تجدیدِ صُلح کے لیے ابوسفیانؓ مدینہ میں

اس میں شُبہ نہیں کہ قریش اور ان کے حلیفوں نے جو کچھ کیا تھا وہ کھلی ہوئی بدعہدی اور صریح پیمان شکنی تھی جس کی کوئی وجہ جواز نہ تھی۔ اسی لیے خود قریش کو بھی اپنی بدعہدی کا بہت جلد احساس ہو گیا اور انہوں نے اس کے انجام کی سنگینی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مجلس مشاورت منعقد کی جس میں طے کیا کہ وہ اپنے سپہ سالار ابوسفیان کو اپنا نمائندہ بنا کر تجدیدِ صلح کے لیے مدینہ روانہ کریں۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو بتایا کہ قریش اپنی اس عہد شکنی کے بعد اب کیا کرنے والے ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ "گویا میں ابوسفیان کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ عہد کو پھر سے پختہ کرنے اور مدتِ صلح کو بڑھانے کے لیے آگیا ہے"۔

ادھر ابوسفیان طے شدہ قرارداد کے مطابق روانہ ہو کر عُسفان پہنچا تو بُدَیل بن وَرقاء سے ملاقات ہوئی۔ بُدَیل مدینہ سے مکہ واپس آرہا تھا۔ ابوسفیان سمجھ گیا کہ یہ نبی ﷺ کے پاس سے ہو کر آرہا ہے۔ پوچھا بُدَیل! کہاں سے آرہے ہو؟ بُدَیل نے کہا، میں خُزاعہ کے ہمراہ اس ساحل اور وادی میں گیا ہوا تھا۔ پوچھا، کیا تم محمدؐ کے پاس نہیں گئے تھے؟ بُدَیل نے کہا، نہیں۔

مگر جب بُدَیل مکہ کی جانب روانہ ہو گیا تو ابوسفیان نے کہا، اگر وہ مدینہ گیا تھا تو وہاں (اپنے اونٹ کو) گٹھلی کا چارہ کھلایا ہوگا۔ اس لیے ابوسفیان اس جگہ گیا جہاں بُدَیل نے اپنا اونٹ بٹھایا تھا اور اس کی

ؔ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ عبدِ مناف کی ماں یعنی قصی کی بیوی حبی بنو خزاعہ سے تھیں۔ اس لیے پورا خاندانِ نبوت بنو خزاعہ کی اولاد ٹھہرا۔

مینگنی لے کر توڑی تو اس میں کھجور کی گٹھلی نظر آئی۔ ابوسفیان نے کہا، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بُدیل، محمدؐ کے پاس گیا تھا۔

بہرحال ابوسفیان مدینہ پہنچا اور اپنی صاحبزادی اُمّ المومنین حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو انہوں نے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے کہا: "بیٹی! کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا یا مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا"؟ انہوں نے کہا: "یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک آدمی ہیں"۔ ابوسفیان کہنے لگا: "خدا کی قسم میرے بعد تمہیں شر پہنچ گیا ہے"۔

پھر ابوسفیان وہاں سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور آپؐ سے گفتگو کی۔ آپؐ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کریں۔ انہوں نے کہا، میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد وہ عُمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور اُن سے بات کی۔ انہوں نے کہا، بھلا میں تم لوگوں کے لیے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کروں گا خدا کی قسم اگر مجھے لکڑی کے ٹکڑے کے سوا کچھ دستیاب نہ ہو تو میں اسی کے ذریعے تم لوگوں سے جہاد کروں گا۔ اس کے بعد وہ حضرت علیؓ بن ابی طالب کے پاس پہنچا۔ وہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں اور حضرت حسن بھی تھے جو ابھی چھوٹے سے بچے تھے اور سامنے گھٹنوں گھٹنوں چل رہے تھے۔ ابوسفیان نے کہا: اے علیؓ! میرے ساتھ تمہارا سب سے گہرا نسبی تعلق ہے۔ میں ایک ضرورت سے آیا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ جس طرح میں نامراد آیا اسی طرح نامراد واپس جاؤں۔ تم میرے لیے محمدؐ سے سفارش کر دو۔ حضرت علیؓ نے کہا: ابوسفیان! تجھ پر افسوس، رسول اللہ ﷺ نے ایک بات کا عزم کر لیا ہے۔ ہم اس بارے میں آپؐ سے کوئی بات نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد وہ حضرت فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: کیا آپ ایسا کر سکتی ہیں کہ اپنے اس بیٹے کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کے درمیان پناہ دینے کا اعلان کر کے ہمیشہ کے لیے عرب کا سردار ہو جائے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "واللہ! میرا یہ بیٹا اس درجہ کو نہیں پہنچا ہے کہ لوگوں کے درمیان پناہ دینے کا اعلان کر سکے اور رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے کوئی پناہ دے بھی نہیں سکتا"۔

ان کوششوں اور ناکامیوں کے بعد ابوسفیان کی آنکھوں کے سامنے دنیا تاریک ہو گئی۔ اس نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سخت گھبراہٹ، کش مکش اور مایوسی و ناامیدی کی حالت میں کہا: "ابوالحسن! میں دیکھتا ہوں معاملات سنگین ہو گئے ہیں، لہٰذا مجھے کوئی راستہ بتاؤ"۔ حضرت علیؓ نے کہا: "خدا کی قسم! میں

تمہارے لیے کوئی کارآمد چیز نہیں جانتا۔ البتہ تم بنو کنانہ کے سردار ہو، لہٰذا کھڑے ہو کر لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر دو، اس کے بعد اپنی سرزمین میں واپس چلے جاؤ۔" ابوسفیان نے کہا: "کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ میرے لیے کچھ کارآمد ہوگا؟" حضرت علیؓ نے کہا: "نہیں خدا کی قسم میں اسے کارآمد تو نہیں سمجھتا، لیکن اس کے علاوہ کوئی صورت بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کے بعد ابوسفیان نے مسجد میں کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ لوگو! میں لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر رہا ہوں۔ پھر اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مکہ چلا گیا۔

قریش کے پاس پہنچا تو وہ پوچھنے لگے کہ پیچھے کا کیا حال ہے؟ ابوسفیان نے کہا: "میں محمدؐ کے پاس گیا۔ بات کی تو واللہ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ابو قحافہ کے بیٹے کے پاس گیا تو اس کے اندر کوئی بھلائی نہیں پائی۔ اس کے بعد عمر بن خطابؓ کے پاس گیا تو اُسے سب سے کڑ دشمن پایا۔ پھر علیؓ کے پاس گیا تو اسے سب سے نرم پایا۔ اس نے مجھے ایک رائے دی اور میں نے اس پر عمل بھی کیا لیکن پتا نہیں وہ کارآمد بھی ہے یا نہیں؟ لوگوں نے پوچھا: وہ کیا رائے تھی؟ ابوسفیان نے کہا: "وہ رائے یہ تھی کہ میں لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر دوں، اور میں نے ایسا ہی کیا۔"

قریش نے کہا، تو کیا محمد نے اسے نافذ قرار دیا۔ ابوسفیان نے کہا، نہیں۔ لوگوں نے کہا، تیری تباہی ہو، اس شخص (علی) نے تیرے ساتھ محض مذاق کیا۔ ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم اس کے علاوہ کوئی صورت نہ بن سکی۔

غزوے کی تیاری اور اخفاء کی کوشش

طبرانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عہد شکنی کی خبر آنے سے تین روز پہلے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دے دیا تھا کہ آپؐ کا سازوسامان تیار کر دیں لیکن کسی کو پتا نہ چلے۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو پوچھا، بیٹی! یہ کیسی تیاری ہے؟ انہوں نے کہا، واللہ مجھے نہیں معلوم۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا، یہ بنو اصفر یعنی رومیوں سے جنگ کا وقت نہیں پھر رسول اللہ ﷺ کا ارادہ کدھر کا ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا، واللہ مجھے علم نہیں۔ تیسرے روز علی الصباح عمرو بن سالم خزاعی چالیس سواروں کو لے کر پہنچ گیا اور یارب انی ناشد محمدا ... الخ والے اشعار کہے تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ قریش نے عہد شکنی کی ہے۔ اس کے بعد بدیل آیا، پھر ابوسفیان آیا تو لوگوں کو حالات کا ٹھیک ٹھیک علم ہو گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تیاری کا حکم دیتے ہوئے بتلایا کہ مکہ چلنا ہے اور ساتھ ہی یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ!

جاسوسوں اور خبروں کو قریش تک پہنچنے سے روک اور پکڑ لے تاکہ ہم ان کے علاقے میں ان کے سر پر ایک دم جا پہنچیں۔

پھر کمال اخفاء اور رازداری کی غرض سے رسول اللہ ﷺ نے شروع ماہ رمضان ۸ھ میں حضرت ابوقتادہ بن ربعی کی قیادت میں آٹھ آدمیوں کا ایک سریّہ بطن اضم کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ مقام ذی خشب اور ذی المروۃ کے درمیان مدینہ سے تقریباً ۳۶ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مقصد یہ تھا کہ سمجھنے والا سمجھے کہ آپ اسی علاقے کا رُخ کریں گے اور یہی خبریں اِدھر اُدھر پھیلیں لیکن یہ سریّہ جب اپنے مقررہ مقام پر پہنچ گیا تو اسے خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے لیے روانہ ہو چکے ہیں چنانچہ یہ بھی آپ سے جا ملا[1]۔

ادھر حاطب بن ابی بلتعہؓ نے قریش کو ایک رقعہ لکھ کر یہ اطلاع دے بھیجی کہ رسول اللہ ﷺ حملہ کرنے والے ہیں۔ انہوں نے یہ رقعہ ایک عورت کو دیا تھا اور اسے قریش تک پہنچانے پر معاوضہ رکھا تھا۔ عورت سر کی چوٹی میں رقعہ چھپا کر روانہ ہوئی لیکن رسول اللہ ﷺ کو وحی سے حاطب کی اس حرکت کی خبر دے دی گئی چنانچہ آپؐ نے حضرت علیؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت ابومرثد غنویؓ کو یہ کہہ کر بھیجا کہ جاؤ روضۂ خاخ پہنچو۔ وہاں ایک ہودج نشین عورت ملے گی جس کے پاس قریش کے نام ایک رقعہ ہوگا۔ یہ حضرات گھوڑوں پر سوار تیزی سے روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو عورت موجود تھی۔ اس سے کہا کہ وہ نیچے اُترے اور پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی خط ہے؟ اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں۔ انہوں نے اس کے کجاوے کی تلاشی لی لیکن کچھ نہ ملا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: "میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ کہا ہے نہ ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ تم یا تو خط نکالو یا ہم تمہیں ننگا کر دیں گے۔" جب اس نے یہ پختگی دیکھی تو بولی "اچھا منہ پھیرو۔ انہوں نے منہ پھیرا تو اس نے

---

[1] یہی سریہ ہے جس کی ملاقات عامر بن اضبط سے ہوئی تو عامر نے اسلامی دستور کے مطابق سلام کیا۔ لیکن محلم بن جثامہ نے کسی سابقہ رنجش کے سبب اسے قتل کر دیا اور اس کے اونٹ اور سامان پر قبضہ کر لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ولا تقولوا لمن القی الیکم السّلام لست مؤمنا (الآیہ) یعنی "جو تم سے سلام کرے اسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں"۔ اس کے بعد صحابہ کرام محلم کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے کہ آپ اس کے لیے دُعائے مغفرت کر دیں لیکن جب محلم آپ کے سامنے حاضر ہوا تو آپؐ نے تین بار فرمایا اے اللہ! محلم کو نہ بخش۔ اس کے بعد محلم اپنے کپڑے کے دامن سے اپنے آنسو پونچھتا ہوا اٹھا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کی قوم کے لوگ کہتے ہیں کہ بعد میں اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مغفرت کی دُعا کر دی تھی۔ دیکھئے زاد المعاد ۲/ ۱۵۰، ابن ہشام ۲/ ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸۔

چوٹی کھول کر خط نکالا اور ان کے حوالے کر دیا۔ یہ لوگ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے دیکھا تو اس میں تحریر تھا: (حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے قریش کی جانب) پھر قریش کو رسول اللہ ﷺ کی روانگی کی خبر دی تھی۔[۵] رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطبؓ کو بلا کر پوچھا کہ حاطبؓ! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اے رسولؐ! میرے خلاف جلدی نہ فرمائیں۔ خدا کی قسم! اللہ اور اس کے رسول پر میرا ایمان ہے۔ میں نہ تو مرتد ہوا ہوں اور نہ مجھ میں تبدیلی آئی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں خود قریش کا آدمی نہیں البتہ ان میں چپکا ہوا تھا اور میرے اہل و عیال اور بال بچے وہیں ہیں لیکن قریش سے میری کوئی قرابت نہیں کہ وہ میرے بال بچوں کی حفاظت کریں۔ اس کے برخلاف دوسرے لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں وہاں ان کے قرابت دار ہیں جو اُن کی حفاظت کریں گے۔ اس لیے جب مجھے یہ چیز حاصل نہ تھی تو میں نے چاہا کہ ان پر ایک احسان کر دوں جس کے عوض وہ میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں۔ اس پر حضرت عمرؓ بن خطاب نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! مجھے چھوڑیے میں اس کی گردن مار دوں کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ خیانت کی ہے اور یہ منافق ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دیکھو! یہ جنگِ بدر میں حاضر ہو چکا ہے۔ اور عمرؓ! تمہیں کیا پتہ؟ ہو سکتا ہے اللہ نے اہلِ بدر کو دیکھ کر کہا ہو کہ تم لوگ جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا۔ یہ سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔[۶]

اس طرح اللہ نے جاسوسوں کو پکڑ لیا اور مسلمانوں کی جنگی تیاریوں کی کوئی خبر قریش تک نہ پہنچ سکی۔

اسلامی لشکر مکہ کی راہ میں

۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ چھوڑ کر مکے کا رُخ کیا۔ آپؐ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرامؓ تھے۔ مدینہ پر ابورہم غفاری

---

۵ سہیلی نے بعض مغازی کے حوالے سے خط کا مضمون یہ بیان کیا ہے: امابعد! اے جماعتِ قریش! رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس رات جیسا سیلِ رواں کی طرح بڑھتا ہوا لشکر لے کر آ رہے ہیں اور بخدا اگر وہ تنہا بھی تمہارے پاس آجائیں تو اللہ ان کی مدد کریگا اور ان سے اپنا وعدہ پورا کرے گا لہٰذا تم لوگ اپنے متعلق سوچ لو۔ والسلام واقدی نے اپنی ایک مرسل سند سے روایت کی ہے کہ حضرت حاطبؓ نے سہیل بن عمرو، صفوان بن اُمیہ، اور عکرمہ کے پاس یہ لکھا تھا کہ "رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں غزوے کا اعلان کر دیا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ آپؐ کا ارادہ تم لوگوں کے سوا کسی اور کا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم لوگوں پر میرا ایک احسان رہے۔" (فتح الباری ۷/ ۵۲۱)

۶ صحیح بخاری ۱/ ۴۲۲، ۲/ ۶۱۲، حضرت زبیر اور حضرت ابومرثد کے ناموں کا اضافہ صحیح بخاری کی بعض دوسری روایات میں ہے۔

رضی اللہ عنہ کی تقرری ہوئی۔

جحفہ میں یا اس سے کچھ اوپر آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب ملے۔ وہ مسلمان ہو کر اپنے بال بچوں سمیت ہجرت کرتے ہوئے تشریف لا رہے تھے۔ پھر ابواء میں آپؐ کے چچیرے بھائی ابوسفیان بن حارث اور پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن اُمیہ ملے۔ آپؐ نے ان دونوں کو دیکھ کر منہ پھیر لیا کیونکہ یہ دونوں آپؐ کو سخت اذیت پہنچایا کرتے اور آپؐ کی ہجو کیا کرتے تھے۔ یہ صورت دیکھ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ آپؐ کے چچیرے بھائی اور پھوپھی زاد بھائی ہی آپ کے یہاں سب سے بدبخت ہوں۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن حارث کو سکھایا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے جاؤ، اور وہی کہو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے کہا تھا کہ: تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ۝ (۱۲:۹۱) "خدا کی قسم اللہ نے آپؐ کو ہم پر فضیلت بخشی اور یقیناً ہم ہی خطاکار تھے"۔ کیونکہ آپ ﷺ یہ پسند نہیں کریں گے کہ کسی اور کا جواب آپ سے عمدہ رہا ہو۔ چنانچہ ابوسفیان نے یہی کیا اور جواب میں فوراً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ (۱۲:۹۲) "آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔ اللہ تمہیں بخش دے اور وہ ارحم الرحمین ہے"۔ اس پر ابوسفیان نے آپ کو چند اشعار سنائے جن میں سے بعض یہ تھے:

لعمرك انی حین احمل رایـــة ۔۔۔ لتغلب خیل اللات خیل محمد

لکالمدلج الحیران اظلم لیله ۔۔۔ فهذا اوانی حین اهدی فاهتدی

هدانی هادغـیر نفسی ودلنی ۔۔۔ علی الله من طردته کل مطرد

"تیری عمر کی قسم! جس وقت میں نے اس لیے جھنڈا اٹھایا تھا کہ لات کے شہسوار محمد کے شہسوار پر غالب آجائیں تو میری کیفیت رات کے اس مسافر کی سی تھی جو تیرہ و تار رات میں حیران و سرگردان ہو، لیکن اب وقت آگیا ہے کہ مجھے ہدایت دی جائے اور میں ہدایت پاؤں۔ مجھے میرے نفس کی بجائے ایک ہادی نے ہدایت دی اور اللہ کا راستہ اسی شخص نے بتایا جسے میں نے ہر موقع پر دھتکار دیا تھا۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس کے سینے پر ضرب لگائی اور فرمایا: "تم نے مجھے ہر موقع پر دھتکارا تھا"۔

مَرّالظہران میں اسلامی لشکر کا پڑاؤ

رسول اللہ ﷺ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ آپؐ اور صحابہؓ روزے سے تھے لیکن عسفان اور قُدَید کے درمیان کدید نامی چشمے پر پہنچ کر آپؐ نے روزہ توڑ دیا اور آپؐ کے ساتھ صحابہ کرامؓ نے بھی روزہ توڑ دیا۔ اس کے

بعد پھر آپؐ نے سفر جاری رکھا یہاں تک کہ رات کے ابتدائی اوقات میں مرالظہران — وادی فاطمہ — پہنچ کر نزول فرمایا۔ وہاں آپؐ کے حکم سے لوگوں نے الگ الگ آگ جلائی۔ اس طرح دس ہزار (چولہوں میں) آگ جلائی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطابؓ کو پہرے پر مقرر فرمایا۔

ابوسفیان دربارِ نبوّت میں

مرالظہران میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر نکلے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ کوئی لکڑہارا یا کوئی بھی آدمی مل جائے تو اس سے قریش کے پاس خبر بھیج دیں تاکہ وہ مکّے میں رسُول اللہ ﷺ کے داخل ہونے سے پہلے آپؐ کے پاس حاضر ہو کر امان طلب کرلیں۔

ادھر اللہ تعالیٰ نے قریش پر ساری خبروں کی رسائی روک دی تھی اس لیے انہیں حالات کا کچھ علم نہ تھا؛ البتہ وہ خوف اور اندیشے سے دوچار تھے اور ابوسفیان باہر جا جا کر خبروں کا پتا لگاتا رہتا تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ اور حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء خبروں کا پتا لگانے کی غرض سے نکلے ہوئے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بخدا میں رسول اللہ ﷺ کے خچر پر سوار جا رہا تھا کہ مجھے ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کی گفتگو سنائی پڑی۔ وہ باہم رد و قدح کر رہے تھے۔ ابوسفیان کہہ رہا تھا کہ خُدا کی قسم! میں نے آج رات جیسی آگ اور ایسا لشکر تو کبھی دیکھا ہی نہیں، اور جواب میں بدیل کہہ رہا تھا۔ یہ خُدا کی قسم بنو خزاعہ ہیں۔ جنگ نے انہیں چھیل کر رکھ دیا ہے۔ اس پر ابوسفیان کہہ رہا تھا، خزاعہ اس سے کہیں کمتر اور ذلیل ہیں کہ یہ ان کی آگ اور ان کا لشکر ہو۔

حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے اس کی آواز پہچان لی اور کہا، ابوحنظلہ! اس نے بھی میری آواز پہچان لی اور بولا، ابوالفضل! میں نے کہا، ہاں۔ اس نے کہا، کیا بات ہے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔ میں نے کہا، یہ رسول اللہ ﷺ ہیں لوگوں سمیت ہائے قریش کی تباہی — واللہ!

اس نے کہا، اب کیا حیلہ ہے؟ میرے ماں باپ تم پر قربان۔ میں نے کہا: واللہ اگر وہ تمہیں پا گئے

ے بعد میں ابوسفیان کے اسلام میں بڑی خوبی آگئی۔ کہا جاتا ہے کہ جب سے انہوں نے اسلام قبول کیا حیاء کے سبب رسول اللہ ﷺ کی طرف سر اٹھا کر نہ دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی ان سے محبت کرتے تھے اور ان کے لیے جنت کی بشارت دیتے تھے اور فرماتے تھے مجھے توقع ہے کہ یہ حمزہؓ کا بدل ثابت ہوں گے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو کہنے لگے، مجھ پر نہ رونا کیونکہ اسلام لانے کے بعد میں نے کبھی کوئی گناہ کی بات نہیں کہی۔ زادالمعاد ۲/۱۶۲، ۱۶۳

ہ صحیح بخاری ۲/۶۱۳

تو تمہاری گردن مار دیں گے لہذا اس خچر پر پیچھے بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلتا ہوں اور تمہارے لیے امان طلب کئے دیتا ہوں۔ اس کے بعد ابوسفیان میرے پیچھے بیٹھ گیا اور اس کے دونوں ساتھی واپس چلے گئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ابوسفیان کو لے کر چلا۔ جب کسی آلاؤ کے پاس سے گزرتا تو لوگ کہتے کون ہے؟ مگر جب دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ کا خچر ہے اور میں اس پر سوار ہوں تو کہتے کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں اور آپؐ کے خچر پر ہیں۔ یہاں تک کہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے آلاؤ کے پاس سے گزرا۔ انہوں نے کہا، کون ہے؟ اور اُٹھ کر میری طرف آئے۔ جب پیچھے ابوسفیان کو دیکھا تو کہنے لگے، ابوسفیان؟ اللہ کا دشمن؟ اللہ کی حمد ہے کہ اس نے بغیر عہد و پیمان کے تجھے (ہمارے) قابو میں کر دیا۔ اس کے بعد وہ نکل کر رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑے اور میں نے بھی خچر کو ایڑ لگائی۔ میں آگے بڑھ گیا اور خچر سے کود کر رسول اللہ ﷺ کے پاس جا گھسا۔ اتنے میں عمرؓ بن خطاب بھی گھس آئے اور بولے کہ اے اللہ کے رسول! یہ ابوسفیان ہے۔ مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن مار دوں۔ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! میں نے اسے پناہ دے دی ہے۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر آپ کا سر پکڑ لیا اور کہا، خدا کی قسم آج رات میرے سوا کوئی اور آپؐ سے سرگوشی نہ کرے گا۔ جب ابوسفیان کے بارے میں حضرت عمرؓ نے بار بار کہا تو میں نے کہا، عمر! ٹھہر جاؤ۔ خدا کی قسم اگر یہ بنی عدی بن کعب کا آدمی ہوتا تو تم ایسی بات نہ کہتے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا عباس! ٹھہر جاؤ۔ خدا کی قسم تمہارا اسلام لانا میرے نزدیک خطّاب کے اسلام لانے سے — اگر وہ اسلام لاتے — زیادہ پسندیدہ ہے اور اس کی وجہ میرے لیے صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تمہارا اسلام لانا خطّاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عباس! اسے (یعنی ابوسفیان کو) اپنے ڈیرے میں لے جاؤ۔ صبح میرے پاس لے آنا۔ اس حکم کے مطابق میں اسے ڈیرے میں لے گیا اور صبح خدمت نبوی ﷺ میں حاضر کیا۔ آپؐ نے اسے دیکھ کر فرمایا، ابوسفیان! تم پر افسوس! کیا اب بھی تمہارے لیے وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں؟ ابوسفیان نے کہا، میرے ماں باپ آپ پر فدا، آپ کتنے بردبار، کتنے کریم اور کتنے خویش پرور ہیں۔ میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ اگر اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہوتا تو اب تک میرے کچھ کام آیا ہوتا۔

آپؐ نے فرمایا، ابوسفیان تم پر افسوس! کیا تمہارے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ میں

اللہ کا رسول ہوں۔ ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا۔ آپ کس قدر حلیم، کس قدر کریم اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں! اس بات کے متعلق تو اب بھی دل میں کچھ نہ کچھ کھٹک ہے۔ اس پر میں نے کہا،

اے! گردن مارے جانے کی نوبت آنے سے پہلے پہلے اسلام قبول کر لو اور یہ شہادت و اقرار کر لو کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا اور حق کی شہادت دی۔

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان اعزاز پسند ہے لہذا اسے کوئی اعزاز دے دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں گھس جائے اسے امان ہے اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے امان ہے اور جو مسجدِ حرام میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔

اسلامی لشکر مرّ الظہران سے مکّے کی جانب

اسی صبح — منگل ۱۷ رمضان ۸ھ کی صبح — رسول اللہ ﷺ مرالظہران سے مکہ روانہ ہوئے اور حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ ابوسفیانؓ کو وادی کی تنگنائے پر پہاڑ کے ناکے کے پاس روک رکھیں تاکہ وہاں سے گذرنے والی خدائی فوجوں کو ابوسفیانؓ دیکھ سکے۔ حضرت عباسؓ نے ایسا ہی کیا۔ ادھر قبائل اپنے اپنے پھریرے لیے گذر رہے تھے۔ جب وہاں سے کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیانؓ پوچھتا کہ عباسؓ! یہ کون لوگ ہیں؟ جواب میں حضرت عباسؓ — بطورِ مثال — کہتے کہ بنو سُلیم ہیں۔ تو ابوسفیان کہتا کہ مجھے سُلیم سے کیا واسطہ؟ پھر کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیانؓ پوچھتا کہ اے عباسؓ! یہ کون لوگ ہیں؟ وہ کہتے: مُزَینہ ہیں۔ ابوسفیانؓ کہتا: مجھے مُزَینہ سے کیا مطلب؟ یہاں تک کہ سارے قبیلے ایک ایک کر کے گزر گئے۔ جب بھی کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیانؓ حضرت عباسؓ سے اس کی بابت ضرور دریافت کرتا اور جب وہ اسے بتاتے تو وہ کہتا کہ مجھے بنی فلاں سے کیا واسطہ؟ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سبز دستے کے جلو میں تشریف لائے۔ آپؐ مہاجرینؓ انصار کے درمیان فروکش تھے۔ یہاں انسانوں کے بجائے صرف لوہے کی باڑھ دکھائی پڑ رہی تھی۔ ابوسفیانؓ نے کہا: سبحان اللہ! اے عباسؓ! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ انصار و مہاجرین کے جلو میں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: بھلا ان سے محاذ آرائی کی طاقت کسے ہے؟ اس کے بعد اس نے مزید کہا: ابوالفضل! تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو واللہ بڑی زبردست ہوگئی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوسفیان! یہ نبوت ہے۔ ابوسفیان نے کہا ہاں! اب تو یہی کہا جائے گا۔

اس موقع پر ایک واقعہ اور پیش آیا۔ انصار کا پھریرا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

وہ ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو بولے :

الیوم یوم الملحمۃ　　الیوم تستحل الحرمۃ

"آج خونریزی اور مار دھاڑ کا دن ہے۔ آج حرمت حلال کر لی جائے گی۔"

آج اللہ نے قریش کی ذلت مقدر کر دی ہے۔ اس کے بعد جب وہاں سے رسول اللہ ﷺ گذرے تو ابوسفیانؓ نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ نے وہ بات نہیں سنی جو سعدؓ نے کہی ہے؟ آپؐ نے فرمایا سعد نے کیا کہا ہے؟ ابوسفیانؓ نے کہا' یہ اور یہ بات کہی ہے۔ یہ سُن کر حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما نے عرض کیا' یارسول اللہ! ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں سعدؓ قریش کے اندر مار دھاڑ نہ مچا دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نہیں بلکہ آج کا دن وہ دن ہے جس میں کعبہ کی تعظیم کی جائیگی۔ آج کا دن وہ دن ہے جس میں اللہ قریش کو عزت بخشے گا۔" اس کے بعد آپؐ نے حضرت سعدؓ کے پاس آدمی بھیج کر جھنڈا ان سے لے لیا اور ان کے صاحبزادے قیسؓ کے حوالے کر دیا۔ گویا جھنڈا حضرت سعدؓ کے ہاتھ سے نہیں نکلا۔ اور کہا جاتا ہے کہ آپؐ نے جھنڈا حضرت زبیرؓ کے حوالے کر دیا تھا۔

اسلامی لشکر اچانک قریش کے سر پر

جب رسول اللہ ﷺ ابوسفیانؓ کے پاس سے گزر چکے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا' اب دوڑ کر اپنی قوم کے پاس جاؤ۔ ابوسفیانؓ تیزی سے مکہ پہنچا اور نہایت بلند آواز سے پکارا: "قریش کے لوگو! یہ محمد ﷺ ہیں۔ تمہارے پاس اتنا لشکر لے کر آئے ہیں کہ مقابلے کی تاب نہیں! لہٰذا جو ابوسفیان کے گھر گھس جائے اُسے امان ہے۔" یہ سُن کر اس کی بیوی ہند بنت عتبہ اٹھی اور اس کی مونچھ پکڑ کر بولی۔ مار ڈالو اس مشک کی طرح چربی سے بھرے ہوئے پتلی پنڈلیوں والے کو۔ بُرا ہو ایسے پیشرو خبر رساں کا۔

ابوسفیان نے کہا' تمہاری بربادی ہو۔ دیکھو تمہاری جانوں کے بارے میں یہ عورت تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے کیونکہ محمدؐ ایسا لشکر لے کر آئے ہیں جس سے مقابلے کی تاب نہیں۔ اس لیے جو ابوسفیان کے گھر میں گھس جائے اسے امان ہے۔ لوگوں نے کہا' اللہ تجھے مارے، تیرا گھر ہمارے کتنے آدمیوں کے کام آسکتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا' اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے بھی امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے۔ یہ سُن کر لوگ اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے۔ البتہ اپنے کچھ اوباشوں کو لگا دیا اور کہا کہ انہیں ہم آگے کئے دیتے ہیں۔ اگر قریش کو کچھ کامیابی ہوئی تو ہم ان کے ساتھ ہو رہیں گے اور اگر ان پر ضرب لگی تو ہم سے جو کچھ مطالبہ کیا جائے گا منظور کر لیں گے۔ قریش کے یہ احمق

اوباش مسلمانوں سے لڑنے کے لیے عِکْرِمَہ بن ابی جہل، صفوان بن اُمیّہ اور سُہَیل بن عَمْرو کی کمان میں خندمہ کے اندر جمع ہوئے۔ ان میں بنو بکر کا ایک آدمی حماس بن قیس بھی تھا جو اس سے پہلے ہتھیار ٹھیک ٹھاک کرتا رہتا تھا۔ جس پر اس کی بیوی نے (ایک روز) کہا "یہ کاہے کی تیاری ہے جو میں دیکھ رہی ہوں؟ اس نے کہا، محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں سے مقابلے کی تیاری ہے۔ اس پر بیوی نے کہا، خدا کی قسم، محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کے مقابل کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی۔ اس نے کہا: خدا کی قسم، مجھے امید ہے کہ میں ان کے بعض ساتھیوں کو تمہارا خادم بناؤں گا۔" اس کے بعد کہنے لگا،

ان یقبلوا الیوم فمالی علۃ　　هذا سلاح کامل و آلۃ

وذو غرارین سریع السلۃ

"اگر وہ آج مدمقابل آگئے تو میرے لیے کوئی عذر نہ ہوگا۔ یہ مکمل ہتھیار، درازاَنی والا نیزہ اور جھٹ سونتی جانے والی دو دھاری تلوار ہے۔"

خندمہ کی لڑائی میں یہ شخص بھی آیا ہوا تھا۔

اسلامی لشکر ذی طویٰ میں

ادھر رسول اللہ ﷺ مرالظہران سے روانہ ہو کر ذی طویٰ پہنچے ـــ اس دوران اللہ کے بخشے ہوئے اعزازِ فتح پر فرطِ تواضع سے آپؐ نے اپنا سر جھکا رکھا تھا یہاں تک کہ داڑھی کے بال کجاوے کی لکڑی سے جا لگ رہے تھے ـــ ذی طویٰ میں آپؐ نے لشکر کی ترتیب و تقسیم فرمائی۔ خالدؓ بن ولید کو داہنے پہلو پر رکھا ـــ اس میں اسلم، سُلَیم، غِفار، مُزَینہ، جُہَینہ اور کچھ دوسرے قبائلِ عرب تھے ـــ اور خالدؓ بن ولید کو حکم دیا کہ وہ مکہ میں زیریں حصے سے داخل ہوں اور اگر قریش میں سے کوئی آڑے آئے تو اُسے کاٹ کر رکھ دیں، یہاں تک کہ صفا پر آپ سے آملیں۔

حضرت زبیرؓ بن عوام بائیں پہلو پر تھے۔ ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا پھریرا تھا۔ آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ مکے میں بالائی حصے یعنی کداء سے داخل ہوں اور حجون میں آپؐ کا جھنڈا گاڑ کر آپؐ کی آمد تک وہیں ٹھہرے رہیں۔

حضرت ابو عبیدہ پیادے پر مقرر تھے۔ آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ وہ بطن وادی کا راستہ پکڑیں یہانتک کہ مکے میں رسول اللہ ﷺ کے آگے اُتریں۔

مکہ میں اسلامی لشکر کا داخلہ

ان ہدایات کے بعد تمام دستے اپنے اپنے مقررہ

راستوں سے چل پڑے۔

حضرت خالدؓ اور ان کے رُفقا کی راہ میں جو مشرک بھی آیا اسے مٹلا دیا گیا؛ البتہ ان کے رفقاء میں سے بھی کرز بنؓ جابر فہری اور خُنَیسؓ بن خالد بن ربیعہ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ یہ دونوں لشکر سے بچھڑ کر ایک دُوسرے راستے پر چل پڑے اور اسی دوران انہیں قتل کر دیا گیا۔ خندمہ پہنچ کر حضرت خالدؓ اور ان کے رفقا کی مڈبھیڑ قریش کے اوباشوں سے ہوئی۔ معمولی سی جھڑپ میں بارہ مشرک مارے گئے اور اس کے بعد مشرکین میں بھگدڑ مچ گئی۔ حماس بن قیس جو مسلمانوں سے جنگ کے لیے ہتھیار ٹھیک ٹھاک کرتا رہتا تھا بھاگ کر اپنے گھر میں جا گھسا اور اپنی بیوی سے بولا: دروازہ بند کر لو۔ اس نے کہا: وہ کہاں گیا جو تم کہا کرتے تھے؟ کہنے لگا:

انك لو شهدت يوم الخندمه　　اذ فر صفوان و فر عكرمه

و استقبلنا با لسيوف المسلمة　　يقطعن كل ساعد وجمجمه

ضربا فلا يسمع الا غمغمه　　لهم نهيت خلفنا وهمهمه

لم تنطقى فى اللوم ادنى كلمه

"اگر تم نے جنگ خندمہ کا حال دیکھا ہوتا جب کہ صفوان اور عکرمہ بھاگ کھڑے ہوتے اور سونتی ہوئی تلواروں سے ہمارا استقبال کیا گیا، جو کلائیاں اور کھوپڑیاں اس طرح کاٹتی جا رہی تھیں کہ پیچھے سوائے ان کے شور و غوغا اور ہمہمہ کے کچھ سُنائی نہیں پڑتا تھا، تو تم ملامت کی ادنیٰ بات نہ کہتیں۔"

اس کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ مکہ کے گلی کوچوں کو روندتے ہوئے کوہِ صفا پر رسول اللہ ﷺ سے جا ملے۔

ادھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر حجون میں مسجد فتح کے پاس رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا گاڑا اور آپؐ کے لیے ایک قُبّہ نصب کیا۔ پھر مسلسل وہیں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ رسُول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔

مسجد حرام میں رسول اللہ ﷺ کا داخلہ اور بُتوں سے تطہیر

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اُٹھے اور آگے پیچھے اور گرد و پیش موجود انصار و مہاجرین کے جلو میں مسجد حرام کے اندر تشریف لائے۔ آگے بڑھ کر حجرِ اسود کو چُوما اور اس کے بعد بیت اللہ کا طواف کیا۔ اس وقت آپؐ کے ہاتھ میں ایک کمان تھی

اور بیت اللہ کے گرد اور اس کی چھت پر تین سو ساٹھ بُت تھے۔ آپؐ اسی کمان سے ان بتوں کو ٹھوکر مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○ (۱۷: ۱۸)

"حق آگیا اور باطل چلا گیا۔ باطل جانے والی چیز ہے۔"

جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ○ (۳۴: ۴۹)

"حق آگیا اور باطل کی چلت پھرت ختم ہو گئی۔"

اور آپؐ کی ٹھوکر سے بُت چہروں کے بل گرتے جاتے تھے۔

آپؐ نے طواف اپنی اونٹنی پر بیٹھ کر فرمایا تھا اور حالتِ احرام میں نہ ہونے کی وجہ سے صرف طواف ہی پر اکتفا کیا۔ تکمیلِ طواف کے بعد حضرت عثمانؓ بن طلحہ کو بلا کر ان سے کعبہ کی کنجی لی۔ پھر آپؐ کے حکم سے خانہ کعبہ کھولا گیا۔ اندر داخل ہوئے تو تصویریں نظر آئیں جن میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں بھی تھیں اور ان کے ہاتھ میں فال گیری کے تیر تھے۔ آپؐ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا: "اللہ ان مشرکین کو ہلاک کرے۔ خدا کی قسم ان دونوں پیغمبروں نے کبھی بھی فال کے تیر استعمال نہیں کیے۔" آپؐ نے خانہ کعبہ کے اندر لکڑی کی بنی ہوئی ایک کبوتری بھی دیکھی۔ اسے اپنے دست مبارک سے توڑ دیا اور تصویریں آپؐ کے حکم سے مٹا دی گئیں۔

خانہ کعبہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز اور قریش سے خطاب

اس کے بعد آپؐ نے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ حضرت اسامہؓ اور بلالؓ بھی اندر ہی تھے۔ پھر دروازے کے مقابل کی دیوار کا رُخ کیا۔ جب دیوار صرف تین ہاتھ کے فاصلے پر رہ گئی تو وہیں ٹھہر گئے۔ دو کھمبے آپؐ کے بائیں جانب تھے، ایک کھمبا داہنے جانب اور تین کھمبے پیچھے — ان دنوں خانہ کعبہ میں چھ کھمبے تھے — پھر وہیں آپؐ نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد بیت اللہ کے اندرونی حصے کا چکر لگایا۔ تمام گوشوں میں تکبیر و توحید کے کلمات کہے۔ پھر دروازہ کھول دیا۔ قریش (سامنے) مسجد حرام میں صفیں لگائے کھچا کھچ بھرے تھے۔ انہیں انتظار تھا کہ آپ کیا کرتے ہیں! آپؐ نے دروازے کے دونوں بازو پکڑ لیے، قریش نیچے تھے انہیں یوں مخاطب فرمایا:

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا سارے جتھوں کو شکست دی۔ سنو! بیت اللہ کی کلید برداری اور حاجیوں کو

پانی پلانے کے علاوہ سارا اعزاز، یا کمال، یا خون میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے۔ یاد رکھو قتلِ خطا شبہ عمد میں ــ جو کوڑے اور ڈنڈے سے ہو ــ مغلظ دیت ہے، یعنی سو اونٹ جن میں سے چالیس اونٹنیوں کے شکم میں ان کے بچے ہوں۔

اے قریش کے لوگو! اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر کا خاتمہ کر دیا۔ سارے لوگ آدمؑ سے ہیں اور آدم مٹی سے۔" اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○ (۴۹:۱۳)

"اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ بیشک اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔"

آج کوئی سرزنش نہیں

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: "قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟" انہوں نے کہا: "اچھا ــ آپ کریم بھائی ہیں۔ اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "تو میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

کعبے کی کنجی (حق بحقدار رسید)

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں بیٹھ گئے حضرت علیؓ نے ــ جن کے ہاتھ میں کعبے کی کنجی تھی ــ حاضر خدمت ہو کر عرض کیا: "حضور ہمارے لیے حجاج کو پانی پلانے کے اعزاز کے ساتھ خانہ کعبہ کی کلید برداری کا اعزاز بھی جمع فرما دیجئے۔ اللہ آپ پر رحمت نازل کرے۔" ایک اور روایت کے بموجب یہ گذارش حضرت عباسؓ نے کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "عثمانؓ بن طلحہ کہاں ہیں؟ انہیں بلایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا: "عثمانؓ! یہ لو اپنی کنجی۔ آج کا دن نیکی اور وفاداری کا دن ہے۔" طبقات ابنِ سعد کی روایت ہے کہ آپؐ نے کنجی دیتے ہوئے فرمایا: "اسے ہمیشہ ہمیش کے لیے لو۔ تم لوگوں سے اسے وہی چھینے گا جو ظالم ہوگا۔" اے عثمانؓ! اللہ نے تم لوگوں کو اپنے گھر کا امین بنایا ہے؛ لہٰذا اس بیت اللہ سے تمہیں جو کچھ ملے اس سے معروف کے ساتھ کھانا۔"

کعبے کی چھت پر اذانِ بلالی

اب نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبے پر چڑھ کر اذان کہیں۔ اس وقت ابوسفیان بن حرب، عَتّاب بن اَسید اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے تھے۔ عتاب نے کہا، اللہ نے اسید (کو فوت کر کے اس) پر یہ کرم کیا کہ وہ یہ (اذان) نہ سن سکا ورنہ اسے ایک ناگوار چیز سننی پڑتی۔ اس پر حارث نے کہا، سنو! واللہ! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ برحق ہیں تو میں ان کا پیروکار بن جاؤں گا۔ اس پر ابوسفیان نے کہا، دیکھو! واللہ میں کچھ نہیں کہوں گا۔ کیونکہ اگر میں بولوں گا تو یہ کنکریاں بھی میرے متعلق خبر دے دیں گی۔ اس کے بعد نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، ابھی تم لوگوں نے جو باتیں کی ہیں، وہ مجھے معلوم ہو چکی ہیں۔ پھر آپؐ نے ان کی گفتگو دہرا دی۔ اس پر حارث اور عتاب بول اُٹھے، ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسُول ہیں۔ خُدا کی قسم! کوئی شخص ہمارے ساتھ تھا ہی نہیں کہ ہماری اس گفتگو سے آگاہ ہوتا اور ہم کہتے کہ اس نے آپؐ کو خبر دی ہوگی۔

فتح یا شُکرانے کی نماز

اسی روز رسول اللہ ﷺ اُمِّ ہانیؓ بنت ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں غسل فرمایا اور ان کے گھر میں ہی آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ اس لیے کسی نے اس کو چاشت کی نماز سمجھا اور کسی نے فتح کی نماز۔ اُمِّ ہانیؓ نے اپنے دو دیوروں کو پناہ دے رکھی تھی۔ آپؐ نے فرمایا، اے اُمِّ ہانیؓ جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔ اس ارشاد کی وجہ یہ تھی کہ اُمِّ ہانیؓ کے بھائی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان دونوں کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے اُمِّ ہانیؓ نے ان دونوں کو چھپا کر گھر کا دروازہ بند کر رکھا تھا۔ جب نبی ﷺ تشریف لے گئے تو ان کے بارے میں سوال کیا اور مذکورہ جواب سے بہرہ ور ہوئیں۔

اکابر مجرمین کا خُون رائیگاں قرار دیدیا گیا

فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے اکابر مجرمین میں سے نو آدمیوں کا خون رائیگاں قرار دیتے ہوئے حکم دیا کہ اگر وہ کعبے کے پردے کے نیچے بھی پائے جائیں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) عبدالعزیٰ بن خَطَل (۲) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (۳) عکرمہ بن ابی جہل (۴) حارث بن نُفَیل بن وہب (۵) مقیس بن صبابہ (۶) ہَبّار بن اسود (۷، ۸) ابنِ خطل کی دو لونڈیاں جو نبی ﷺ کی ہجو گایا کرتی تھیں (۹) سارہ، جو اولادِ عبدالمطلب میں سے کسی کی لونڈی تھی۔ اسی کے پاس حاطبؓ کا خط

پایا گیا تھا۔

ابنؓ ابی سرح کا معاملہ یہ ہوا کہ اسے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خدمتِ نبویؐ میں لے جاکر جان بخشی کی سفارش کر دی اور آپؐ نے اس کی جان بخشی فرماتے ہوئے اس کا اسلام قبول کر لیا۔ لیکن اس سے پہلے آپؐ کچھ دیر تک اس اُمید میں خاموش رہے کہ کوئی صحابی اُٹھ کر اسے قتل کر دیں گے۔ کیونکہ یہ شخص اس سے پہلے بھی ایک بار اسلام قبول کر چکا تھا اور ہجرت کر کے مدینہ آیا تھا لیکن پھر مرتد ہو کر بھاگ گیا تھا (تاہم اس کے بعد کا کردار ان کے حسنِ اسلام کا آئینہ دار ہے۔ رضی اللہ عنہ)

عکرمہ بن ابی جہل نے بھاگ کر یمن کی راہ لی لیکن اس کی بیوی خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر اس کے لیے امان کی طالب ہوئی اور آپؐ نے امان دے دی۔ اس کے بعد وہ عکرمہ کے پیچھے پیچھے گئی اور اسے ساتھ لے آئی۔ اس نے واپس آکر اسلام قبول کیا اور اس کے اسلام کی کیفیت بہت اچھی رہی۔

ابنِ خطل خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر لٹکا ہوا تھا۔ ایک صحابی نے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا اسے قتل کر دو۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

مقیس بن صبابہ کو حضرت نُمَیلہ بن عبداللہ نے قتل کیا۔ مقیس بھی پہلے مسلمان ہو چکا تھا لیکن پھر ایک انصاری کو قتل کر کے مرتد ہو گیا اور بھاگ کر مشرکین کے پاس چلا گیا تھا۔

حارث، مکہ میں رسول اللہ ﷺ کو سخت اذیت پہنچایا کرتا تھا۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

ہَبّار بن اسود وہی شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو ان کی ہجرت کے موقع پر ایسا کچوکا مارا تھا کہ وہ ہودج سے ایک چٹان پر جا گری تھیں اور اس کی وجہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا۔ یہ شخص فتح مکہ کے روز نکل بھاگا۔ پھر مسلمان ہو گیا اور اس کے اسلام کی کیفیت اچھی رہی۔

ابن خطل کی دونوں لونڈیوں میں سے ایک قتل کی گئی۔ دوسری کے لیے امان طلب کی گئی اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح سارہ کے لیے امان طلب کی گئی اور وہ بھی مسلمان ہو گئی۔ (خلاصہ یہ کہ نو میں سے چار قتل کیے گئے، پانچ کی جان بخشی ہوئی اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔)

حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں: جن لوگوں کا خون رائیگاں قرار دیا گیا ان کے ضمن میں ابو معشر نے حارث بن طلال خزاعی کا بھی ذکر کیا ہے۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ امام حاکم نے اسی فہرست میں کعب بن زہیر کا ذکر کیا ہے ——— کعب کا واقعہ مشہور ہے۔ اس نے بعد میں آکر اسلام قبول کیا اور

نبی ﷺ کی مدح کی۔ (اسی فہرست میں) وحشیؓ بن حرب اور ابوسفیان کی بیوی ہندؓ بنت عتبہ ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور ابن خطل کی لونڈی ارنب ہے جو قتل کی گئی اور اُمِّ سعد ہے۔ یہ بھی قتل کی گئی۔ جیسا کہ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے۔ اس طرح مردوں کی تعداد آٹھ اور عورتوں کی تعداد چھ ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں لونڈیاں ارنب اور اُمِّ سعد ہوں اور اختلاف محض نام کا ہو یا کنیت اور لقب کے اعتبار سے اختلاف ہو گیا ہو۔[۹]

صفوان بن اُمیّہ اور فضالہ بن عُمیر کا قبولِ اسلام

صفوان کا خون اگرچہ رائیگاں نہیں قرار دیا گیا تھا لیکن قریش کا ایک بڑا لیڈر ہونے کی حیثیت سے اُسے اپنی جان کا خطرہ تھا؛ اسی لیے وہ بھی بھاگ گیا۔ عُمیرؓ بن وہب جُمحی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے لیے امان طلب کی۔ آپؐ نے امان دے دی اور علامت کے طور پر عُمیرؓ کو اپنی وہ پگڑی بھی دے دی جو مکہ میں داخلے کے وقت آپؐ نے سر پر باندھ رکھی تھی۔ عُمیرؓ، صفوان کے پاس پہنچے تو وہ جدہ سے یمن جانے کے لیے سمندر پر سوار ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ عُمیرؓ اسے واپس لے آئے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: مجھے دو مہینے کا اختیار دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا: تمہیں چار مہینے کا اختیار ہے۔ اس کے بعد صفوان نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کی بیوی پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی۔ آپؐ نے دونوں کو پہلے ہی نکاح پر برقرار رکھا۔

فضالہ ایک جری آدمی تھا۔ جس وقت رسول اللہ ﷺ طواف کر رہے تھے وہ قتل کی نیت سے آپؐ کے پاس آیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے بتا دیا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اس پر وہ مسلمان ہو گیا۔

فتح کے دُوسرے دن رسُول اللہ ﷺ کا خُطبہ

فتح کے دُوسرے دن خطبہ دینے کیلئے رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان پھر کھڑے ہوئے۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کی اور اس کے شایانِ شان اس کی تمجید کی پھر فرمایا:

"لوگو! اللہ نے جس دن آسمان کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام (حرمت والا شہر) ٹھہرایا۔ اس لیے وہ اللہ کی حرمت کے سبب قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ کوئی آدمی جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ اس میں خُون بہائے یا یہاں کا کوئی درخت کاٹے۔ اگر کوئی شخص اس بنا پر رخصت اختیار کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں قتال کیا تو اس سے کہدو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی لیکن تمہیں اجازت نہیں دی ہے۔ اور میرے لیے بھی اسے صرف دن کی ایک ساعت میں حلال کیا گیا۔ پھر آج اس کی

---

[۹] فتح الباری ۸/۱۱، ۱۲

حرمت اسی طرح پلٹ آئی جس طرح کل اس کی حرمت تھی۔ اب چاہیئے کہ جو حاضر ہے وہ غائب کو یہ بات پہنچا دے۔"

ایک روایت میں اتنا مزید اضافہ ہے کہ یہاں کا کانٹا نہ کاٹا جائے، شکار نہ بھگایا جائے اور گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے۔ البتہ وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو اس کا تعارف کرائے اور یہاں کی گھاس نہ اکھاڑی جائے۔ حضرت عباسؓ نے کہا" یا رسول اللہ ﷺ! مگر اِذخر (عرب کی مشہور گھاس جو موج کی ہم شکل ہوتی ہے اور چائے اور دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہے) کیونکہ یہ لوہار اور گھر کی (ضروریات) کی چیز ہے! آپؐ نے فرمایا: مگر اِذخر۔

بنو خزاعہ نے اس روز بنو لیث کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا کیونکہ بنو لیث کے ہاتھوں اُن کا ایک آدمی جاہلیت میں مارا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا" خزاعہ کے لوگو! اپنا ہاتھ قتل سے روک لو، کیونکہ قتل اگر نافع ہوتا تو بہت قتل ہو چکا۔ تم نے ایک ایسا آدمی قتل کیا ہے کہ میں اس کی دیت لازماً ادا کروں گا۔ پھر میرے اس مقام کے بعد اگر کسی نے کسی کو قتل کیا تو مقتول کے اولیاء کو دو باتوں کا اختیار ہوگا، چاہیں تو قاتل کا خون بہائیں اور چاہیں تو اس سے دیت لیں۔

ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد یمن کے ایک آدمی نے جس کا نام ابو شاہ تھا اُٹھ کر عرض کیا" یا رسول اللہ! (اسے) میرے لیے لکھوا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا: ابو شاہ کے لیے لکھ دو۔[1]

انصار کے اندیشے

جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کی تکمیل فرما چکے — اور معلوم ہے کہ یہی آپؐ کا شہر، آپؐ کی جائے پیدائش اور وطن تھا — تو انصار نے آپس میں کہا" کیا خیال ہے اب اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو آپؐ کی اپنی سرزمین اور آپؐ کا شہر فتح کرا دیا ہے تو آپؐ یہیں قیام فرمائیں گے؟ اس وقت آپؐ صفا پر ہاتھ اٹھائے دعا فرما رہے تھے۔ دُعا سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا تم لوگوں نے کیا بات کی ہے؟ انہوں نے کہا" کچھ نہیں یا رسول اللہ۔ مگر آپ نے اصرار فرمایا تو بالآخر ان لوگوں نے بتلا دیا۔ آپؐ نے فرمایا" خدا کی پناہ اب زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے۔

بیعت

جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو مکہ کی فتح عطا فرما دی تو اہلِ مکہ پر حق واضح ہو گیا اور وہ جان گئے کہ اسلام کے سوا کامیابی کی کوئی راہ نہیں اس لیے وہ اسلام کے تابعدار بنتے ہوئے بیعت کے لیے جمع ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے صفا پر بیٹھ کر لوگوں سے

---

[1] ان روایات کے لیے دیکھیے صحیح بخاری ۱/۲۲، ۲۱۶، ۲۴۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۲/۶۱۵، ۶۱۷، صحیح مسلم ۱/۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ابنِ ہشام ۲/۴۱۵، ۴۱۶، سنن ابی داؤد ۱/۲۷۶

بیعت لینی شروع کی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ سے نیچے تھے اور لوگوں سے عہد و پیمان لے رہے تھے۔ لوگوں نے حضور ﷺ سے بیعت کی کہ جہاں تک ہو سکے گا آپؐ کی بات سنیں گے اور مانیں گے۔

اس موقع پر تفسیر مدارک میں یہ روایت مذکور ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مردوں کی بیعت سے فارغ ہو چکے تو وہیں صفا ہی پر عورتوں سے بیعت لینی شروع کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپؐ سے نیچے بیٹھے تھے اور آپؐ کے حکم پر عورتوں سے بیعت لے رہے تھے' اور انہیں آپ کی باتیں پہنچا رہے تھے۔ اسی دوران ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بھیس بدل کر آئی۔ دراصل حضرت حمزہؓ کی لاش کے ساتھ اس نے جو حرکت کی تھی اس کی وجہ سے وہ خوف زدہ تھی کہ کہیں رسول اللہ ﷺ اسے پہچان نہ لیں۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے (بیعت شروع کی) تو فرمایا' میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (یہی بات دہراتے ہوئے) عورتوں سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اور چوری نہ کرو گی۔ اس پر ہندہ بول اٹھی' ابوسفیان بخیل آدمی ہے۔ اگر میں اس کے مال سے کچھ لے لوں تو؟ ابوسفیان نے (جو وہیں موجود تھے) کہا' تم جو کچھ لے لو وہ تمہارے لیے حلال ہے۔ رسول اللہ ﷺ مسکرانے لگے۔ آپؐ نے ہندہ کو پہچان لیا۔ فرمایا' اچھا..... تو تم ہو ہندہ! وہ بولی' ہاں، اے اللہ کے نبیؐ جو کچھ گذر چکا ہے اسے معاف فرما دیجئے۔ اللہ آپؐ کو معاف فرمائے۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا' اور زنا نہ کرو گی۔ اس پر ہندہ نے کہا' بھلا کہیں حُرّہ (آزاد عورت) بھی زنا کرتی ہے! پھر آپؐ نے فرمایا' اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی۔ ہندہ نے کہا' ہم نے تو بچپن میں انہیں پالا پوسا لیکن بڑے ہونے پر آپؐ لوگوں نے انہیں قتل کر دیا۔ اس لیے آپؐ اور وہ ہی بہتر جانیں۔ یاد رہے کہ ہندہ کا بیٹا حنظلہ بن ابی سفیان بدر کے دن قتل کیا گیا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ ہنستے ہنستے چت لیٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی تبسم فرمایا۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا' اور کوئی بہتان نہ گھڑو گی۔ ہندہ نے کہا' واللہ بہتان بڑی بُری بات ہے اور آپؐ ہمیں واقعی رشد اور مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا' اور کسی معروف بات میں رسول کی نافرمانی نہ کرو گی۔ ہندہ نے کہا' خدا کی قسم ہم اپنی اس مجلس میں اپنے دلوں کے اندر یہ بات لے کر نہیں بیٹھی ہیں کہ آپؐ کی نافرمانی بھی کریں گی۔

پھر واپس ہو کر ہندہؓ نے اپنا بُت توڑ دیا۔ وہ اسے توڑتی جا رہی تھی اور کہتی جا رہی تھی۔ ہم تیرے متعلق

دھوکے میں تھے۔[11]

مکہ میں نبی ﷺ کا قیام اور کام

مکہ میں رسول اللہ ﷺ نے اُنیس[19] روز قیام فرمایا۔ اس دوران آپؐ شعائر اسلام کی تجدید کرتے رہے اور لوگوں کو ہدایت و تقویٰ کی تلقین فرماتے رہے۔ انہی دنوں آپؐ کے حکم سے حضرت ابو اسیدؓ خزاعی نے نئے سرے سے حدودِ حرم کے کھمبے نصب کئے۔ آپؐ نے اسلام کی دعوت اور مکہ کے آس پاس بتوں کو توڑنے کے لیے متعدد سرایا بھی روانہ کئے اور اس طرح سارے بُت توڑ ڈالے گئے۔ آپؐ کے مُنادی نے مکّے میں اعلان کیا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے گھر میں کوئی بُت نہ چھوڑے بلکہ اسے توڑ ڈالے۔

سرایا اور وفود

۱۔ فتح مکہ سے یک سو ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ۲۵ رمضان ۸ھ کو حضرت خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں عُزّیٰ کے انہدام کے لیے ایک سریہ روانہ فرمایا۔ عُزّیٰ نخلہ میں تھا۔ قریش اور سارے بنو کنانہ اس کی پوجا کرتے تھے اور یہ ان کا سب سے بڑا بُت تھا۔ بنو شیبان اس کے مجاور تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تیس سواروں کی معیت میں نخلہ جا کر اسے ڈھا دیا۔ واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم نے کچھ دیکھا بھی تھا؟ حضرت خالدؓ نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا، تب تو درحقیقت تم نے اسے ڈھایا ہی نہیں۔ پھر سے جاؤ اور اسے ڈھا دو۔ حضرت خالدؓ پھر سے اور تلوار سونتے ہوئے دوبارہ تشریف لے گئے۔ اب کی بار ان کی جانب ایک ننگی، کالی، پراگندہ سر عورت نکلی۔ مجاور اسے چیخ چیخ کر پکارنے لگا لیکن اتنے میں حضرت خالدؓ نے اس زور کی تلوار ماری کہ اس عورت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آکر خبر دی۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں! وہی عُزّیٰ تھی۔ اب وہ مایوس ہو چکی ہے کہ تمہارے ملک میں کبھی بھی اس کی پوجا کی جائے۔

۲۔ اس کے بعد آپؐ نے عمروؓ بن عاص رضی اللہ عنہ کو اسی مہینے سُواع نامی بُت ڈھانے کے لیے روانہ کیا۔ یہ مکّہ سے تین میل کے فاصلے پر رہاط میں بنو ہُذَیل کا ایک بُت تھا۔ جب حضرت عمروؓ وہاں پہنچے تو مجاور نے پوچھا، تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا، مجھے رسول اللہ ﷺ نے اسے ڈھانے کا حکم دیا ہے۔ اس نے کہا: تم اس پر قادر نہیں ہو سکتے۔ حضرت عمروؓ نے کہا، کیوں؟ اس نے کہا، (قدرۃً) روک دیے جاؤ گے۔ حضرت عمروؓ نے کہا، تم اب تک باطل پر ہو؟ تم پر افسوس! کیا یہ سنتا یا دیکھتا ہے؟ اس کے بعد بُت کے

---

[11] دیکھئے مدارک التنزیل للنسفی تفسیر آیت بیعۃ

پاس جاکر اسے توڑ ڈالا اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے خزانہ والا مکان ڈھا دیں۔ لیکن اس میں کچھ نہ ملا۔ پھر مجاور سے فرمایا" کہو کیسا رہا؟ اس نے کہا" میں اللہ کے لیے اسلام لایا۔

۳۔ اسی ماہ حضرت سعدؓ بن زید اشہلی کو بیس سوار دے کر مَنَاۃ کی جانب روانہ کیا گیا۔ یہ قُدَید کے پاس مشلل میں اوس و خزرج اور غسان وغیرہ کا بُت تھا۔ جب حضرت سعدؓ وہاں پہنچے تو اس کے مجاور نے ان سے کہا تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا مَناۃ کو ڈھانا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا" تم جانو اور تمہارا کام جانے۔ حضرت سعدؓ مناۃ کی طرف بڑھے تو ایک کالی ننگی، پراگندہ سر عورت نکلی۔ وہ اپنا سینہ پیٹ پیٹ کر ہائے ہائے کر رہی تھی۔ اس سے مجاور نے کہا" مناۃ! اپنے کچھ نافرمانوں کو پکڑ لے۔ لیکن اتنے میں حضرت سعدؓ نے تلوار مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر لپک کر بُت ڈھا دیا اور اسے توڑ پھوڑ ڈالا۔ خزانے میں کچھ نہ ملا۔

۴۔ عُزّیٰ کو ڈھا کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ واپس آئے تو انہیں رسول اللہ ﷺ نے اسی ماہ شعبان ۸ھ میں بنو جَذِیمہ کے پاس روانہ فرمایا، لیکن مقصود حملہ نہیں بلکہ اسلام کی تبلیغ تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ مہاجرین و انصار اور بنو سُلَیم کے ساڑھے تین سو افراد لے کر روانہ ہوئے اور بنو جذیمہ کے پاس پہنچ کر اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اَسْلَمْنَا (ہم اسلام لائے) کے بجائے صَبَأْنَا صَبَأْنَا (ہم نے اپنا دین چھوڑا، ہم نے اپنا دین چھوڑا) کہا۔ اس پر حضرت خالدؓ نے ان کا قتل اور ان کی گرفتاری شروع کر دی اور ایک ایک قیدی اپنے ہر ہر ساتھی کے حوالے کیا۔ پھر ایک دن حکم دیا کہ ہر آدمی اپنے قیدی کو قتل کر دے؛ لیکن حضرت ابن عمرؓ اور ان کے ساتھیوں نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا اور جب نبی ﷺ کے پاس آئے تو آپؐ سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دو بار فرمایا:" اے اللہ خالدؓ نے جو کچھ کیا میں اس سے تیری طرف براءت اختیار کرتا ہوں[۱۲]۔"

اس موقع پر صرف بنو سُلَیم کے لوگوں نے اپنے قیدیوں کو قتل کیا تھا۔ انصار و مہاجرین نے قتل نہیں کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر ان کے مقتولین کی دیت اور ان کے نقصانات کا معاوضہ ادا فرمایا۔ اس معاملے میں حضرت خالد اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ سخت کلامی اور کشیدگی ہو گئی تھی۔ اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: خالد! ٹھہر جاؤ۔ میرے رفقاء کو کچھ کہنے سے باز رہو۔ خدا کی قسم اگر اُحد پہاڑ سونا ہو جائے اور وہ سارا کا سارا تم اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تب بھی میرے رفقاء میں سے کسی ایک آدمی کی ایک صبح کی عبادت یا ایک

---

[۱۲] صحیح بخاری ۱/۴۵۰، ۲/۶۲۲

شام کی عبادت کو نہیں پہنچ سکتے۔[۱۳]

یہ ہے غزوۂ فتح مکہ ـــ یہی وہ فیصلہ کن معرکہ اور فتحِ عظیم ہے جس نے بُت پرستی کی قوت مکمل طور پر توڑ کر رکھ دی اور اس کا کام اس طرح تمام کر دیا کہ جزیرۃ العرب میں اس کے باقی رہنے کی کوئی گنجائش اور کوئی وجہ جواز نہ رہ گئی، کیونکہ عام قبائل منتظر تھے کہ مسلمانوں اور بُت پرستوں میں جو معرکہ آرائی چل رہی ہے دیکھیں اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ ان قبائل کو یہ بات بھی اچھی طرح معلوم تھی کہ حرم پر وہی مسلّط ہو سکتا ہے جو حق پر ہو۔ ان کے اس یقینِ کامل میں مزید حد درجہ پختگی نصف صدی پہلے اصحابِ فیل اَبرَہَہ اور اس کے ساتھیوں کے واقعہ سے آگئی تھی کیونکہ اہلِ عرب نے دیکھ لیا تھا کہ ابرہہ اور اس کے ساتھیوں نے بیت اللہ کا رُخ کیا تو اللہ نے انہیں ہلاک کر کے بھُس بنا دیا۔

یاد رہے کہ صلح حدیبیہ اس فتح عظیم کا پیش خیمہ اور تمہید تھی۔ اس کی وجہ سے امن و امان کا دَور دَورہ ہو گیا تھا۔ لوگ کھل کر ایک دوسرے سے باتیں کرتے تھے۔ اسلام کے متعلق تبادلۂ خیال اور بحثیں ہوتی تھیں۔ مکہ کے جو لوگ در پردہ مسلمان تھے انہیں بھی اس صلح کے بعد اپنے دین کے اظہار و تبلیغ اور اس پر بحث و مناظرہ کا موقع ملا۔ ان حالات کے نتیجے میں بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے یہاں تک کہ اسلامی لشکر کی جو تعداد گزشتہ کسی غزوے میں تین ہزار سے زیادہ نہ ہو سکی تھی اس غزوۂ فتح مکہ میں دس ہزار تک جا پہنچی۔

اس فیصلہ کن غزوے نے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں اور ان پر پڑا ہوا وہ آخری پردہ ہٹا دیا جو قبول اسلام کی راہ میں روک بنا ہوا تھا۔ اس فتح کے بعد پورے جزیرۃ العرب کے سیاسی اور دینی اُفق پر مسلمانوں کا سورج چمک رہا تھا اور اب دینی سربراہی اور دنیوی قیادت کی زمام ان کے ہاتھ آچکی تھی۔

گویا صلح حدیبیہ کے بعد جو مُسلمانوں کے حق میں مفید تغیر شروع ہوا تھا اس فتح کے ذریعے مکمل اور تمام ہو گیا اور اس کے بعد ایک دوسرا دَور شروع ہوا جو پورے طور پر مسلمانوں کے حق میں تھا اور جس میں پوری صورت حال مسلمانوں کے قابو میں تھی؛ اور عرب اقوام کے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ وفود کی شکل میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیں اور آپؐ کی دعوت لے کر چار دانگ عالم میں پھیل جائیں۔ اگلے دو برسوں میں اسی کی تیاری کی گئی۔

---

[۱۳] اس غزوے کی تفصیلات ذیل کے مآخذ سے لی گئی ہیں۔ ابنِ ہشام ۲/۳۸۹ تا ۴۳۷، صحیح بخاری ۱/کتاب الجہاد اور کتاب المناسک، ۲/۶۱۲ تا ۶۱۵، ۶۲۲ فتح الباری ۸/۳ تا ۲۷، صحیح مسلم ۱/۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۲/۱۰۲، ۱۰۳، ۱۳۰، زاد المعاد ۲/۱۶۰ تا ۱۶۸، مختصر السیرہ للشیخ عبداللہ ص ۳۲۲ تا ۳۵۱

تیسرا مرحلہ:

یہ رسول اللہ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کا آخری مرحلہ ہے جو آپؐ کی اسلامی دعوت کے ان نتائج کی نمائندگی کرتا ہے جنہیں آپؐ نے تقریباً ۲۳ سال کی طویل جدوجہد، مشکلات و مشقت، ہنگاموں اور فتنوں، فسادات اور جنگوں اور خونریز معرکوں کے بعد حاصل کیا تھا۔

ان طویل برسوں میں فتح مکہ سب سے اہم ترین کامیابی تھی جو مسلمانوں نے حاصل کی۔ اس کی وجہ سے حالات کا دھارا بدل گیا اور عرب کی فضا میں تغیّر آ گیا۔ یہ فتح درحقیقت اپنے ماقبل اور مابعد کے دونوں زمانوں کے درمیان حدِّ فاصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ چونکہ قریش اہل عرب کی نظر میں دین کے محافظ اور انصار تھے اور پورا عرب اس بارے میں انکے تابع تھا اس لیے قریش کی سپراندازی کے معنی یہ تھے کہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں بت پرستانہ دین کا کام تمام ہو گیا۔

یہ آخری مرحلہ دو حصوں میں تقسیم ہے۔

۱۔ مجاہدہ اور قتال۔

۲۔ قبولِ اسلام کے لیے قوموں اور قبیلوں کی دوڑ۔

یہ دونوں صورتیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں اور اس مرحلے میں آگے پیچھے بھی اور ایک دوسرے کے دوران بھی پیش آتی رہی ہیں۔ البتہ ہم نے کتابی ترتیب یہ اختیار کی ہے کہ ایک کو دوسرے سے الگ ذکر کریں۔ چونکہ پچھلے صفحات میں معرکہ جنگ کا تذکرہ چل رہا تھا اور اگلی جنگ اسی کی ایک شاخ کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے یہاں جنگوں ہی کا ذکر پہلے کیا جا رہا ہے۔

غزوۂ حُنَین

مکہ کی فتح ایک اچانک ضرب کے بعد حاصل ہوئی تھی جس پر عرب ششدر تھے اور ہمسایہ قبائل میں اتنی سکت نہ تھی کہ اس ناگہانی امر واقعہ کو دفع کر سکیں۔ اس لیے بعض اڑیل، طاقتور اور متکبر قبائل کو چھوڑ کر بقیہ سارے قبیلوں نے سپر ڈال دی تھی۔ اڑیل قبیلوں میں ہوازن اور ثقیف سرِفہرست تھے۔ ان کے ساتھ مُضَر، جُشَم اور سعد بن بکر کے قبائل اور بنو ہلال کے کچھ لوگ بھی شامل ہو گئے تھے۔ ان سب قبیلوں کا تعلق قیسِ عیلان سے تھا۔ انہیں یہ بات اپنی خودی اور عزتِ نفس کے خلاف معلوم ہو رہی تھی کہ مسلمانوں کے سامنے سپر انداز ہو جائیں۔ اس لیے ان قبائل نے مالک بن عوف نصری کے پاس جمع ہو کر طے کیا کہ مسلمانوں پر یلغار کی جائے۔

دشمن کی روانگی اور اَوْطَاس میں پڑاؤ

اس فیصلے کے بعد مسلمانوں سے جنگ کے لئے ان کی روانگی عمل میں آئی تو جنرل کمانڈر ـــــ مالک بن عوف ـــ لوگوں کے ساتھ ان کے مال مویشی اور بال بچے بھی کھینچ لایا اور آگے بڑھ کر وادی اوطاس میں خیمہ زن ہوا۔ یہ حنین کے قریب بنو ہوازن کے علاقے میں ایک وادی ہے، لیکن یہ وادی حنین سے علیحدہ ہے۔ حنین ایک دوسری وادی ہے جو ذوالمجاز کے بازو میں واقع ہے۔ وہاں سے عرفات ہوتے ہوئے مکے کا فاصلہ دس میل سے زیادہ ہے۔[1]

ماہر جنگ کی زبانی سپہ سالار کی تغلیط

اوطاس میں اُترنے کے بعد لوگ کمانڈر کے پاس جمع ہوئے۔ ان میں دُرَید بن صِمّہ بھی تھا ـــــ یہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور اب اپنی جنگی واقفیت اور مشورہ کے سوا کچھ کرنے کے لائق نہ تھا۔ لیکن وہ اصلاً بڑا بہادر اور ماہر جنگجو رہ چکا تھا ـــــ اس نے دریافت کیا، تم لوگ کس وادی میں ہو؟ جواب دیا، اوطاس میں۔ اس نے کہا، یہ سواروں کی بہترین جولان گاہ ہے؛ نہ پتھریلی اور کھائی دار ہے نہ بھربھری نشیب۔ لیکن کیا بات ہے کہ میں اونٹوں کی بلبلاہٹ، گدھوں کی ڈھینچ، بچوں کا گریہ اور بکریوں کی میاہٹ سن رہا ہوں؟ لوگوں نے کہا، مالک بن عوف، فوج کے ساتھ ان کی عورتیں، بچے اور مال مویشی بھی کھینچ لایا ہے۔ اس

---

[1] فتح الباری ۸/ ۲۷، ۴۲

پر دُرَید نے مالک کو بلایا اور پوچھا "تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ اس نے کہا" میں نے سوچا کہ ہر آدمی کے پیچھے اس کے اہل اور مال کو لگا دوں، تاکہ وہ ان کی حفاظت کے جذبے کے ساتھ جنگ کرے۔ دُرید نے کہا: "واللہ! تم نرے بھیڑوں کے چرواہے ہو۔ بھلا شکست کھانے والے کو بھی کوئی چیز روک سکتی ہے؟ دیکھو اگر جنگ میں تم غالب رہتے ہو تو بھی تمہارے لیے شمشیر و سناں سے مسلح آدمی ہی مفید ہے۔ اور اگر شکست کھا گئے تو پھر تمہیں اپنے اہل اور مال کے سلسلے میں رُسوا ہونا پڑے گا۔" پھر دُرَید نے بعض قبائل اور سرداروں کے متعلق سوال کیا اور اس کے بعد کہا: "اے مالک تم نے بنو ہوازن کی عورتوں اور بچوں کو سواروں کے مدِمقابل لا کر کوئی صحیح کام نہیں کیا ہے۔ انہیں ان کے علاقے کے محفوظ مقامات اور ان کی قوم کی بالائی جگہوں میں بھیج دو۔ اس کے بعد گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھ کر بددینوں سے ٹکر لو۔ اگر تم نے فتح حاصل کی تو پیچھے والے تم سے آن ملیں گے اور اگر تمہیں شکست سے دوچار ہونا پڑا تو تمہارے اہل و عیال اور مال مویشی بہرحال محفوظ رہیں گے۔"

لیکن جنرل کمانڈر، مالک نے یہ مشورہ مسترد کر دیا اور کہا: "خدا کی قسم میں ایسا نہیں کر سکتا۔ تم بوڑھے ہو چکے ہو اور تمہاری عقل بھی بوڑھی ہو چکی ہے۔ واللہ یا تو ہوازن میری اطاعت کریں یا میں اس تلوار پر ٹیک لگا دوں گا اور یہ میری پیٹھ کے آر پار نکل جائے گی۔" درحقیقت مالک کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اس جنگ میں درید کا بھی نام یا مشورہ شامل ہو۔ ہوازن نے کہا، ہم نے تمہاری اطاعت کی۔ اس پر درید نے کہا، یہ ایسی جنگ ہے جس میں میں نہ (صحیح طور پر) شریک ہوں اور نہ (بالکل) الگ ہوں:

یالیتنی فیها جذع　　أخب فیها واضع

اقود وطفاء الدمع　　کأنها شاة صدع

"کاش میں اس میں جوان ہوتا۔ تگ و تاز اور بھاگ دوڑ کرتا۔ ٹانگ کے لمبے بالوں والے اور میانہ قسم کی بکری جیسے گھوڑے کی قیادت کرتا۔"

دشمن کے جاسوس

اس کے بعد مالک کے وہ جاسوس آئے جو مسلمانوں کے حالات کا پتا لگانے پر مامور کئے گئے تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ ان کا جوڑ جوڑ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ مالک نے کہا، تمہاری تباہی ہو تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے کہا، ہم نے کچھ چتکبرے گھوڑوں پر سفید انسان دیکھے، اور اتنے میں واللہ ہماری وہ حالت ہو گئی جسے تم دیکھ رہے ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے جاسوس

ادھر رسول اللہ ﷺ کو بھی دشمن کی روانگی کی خبریں مل چکی تھیں، چنانچہ آپ نے ابوحَدْرَد اسلمی رضی اللہ عنہ

کو یہ حکم دے کر روانہ فرمایا کہ لوگوں کے درمیان گھس کر قیام کریں اور ان کے حالات کا ٹھیک ٹھیک پتا لگا کر واپس آئیں اور آپؐ کو اطلاع دیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

رسول اللہ ﷺ مکہ سے حُنَین کی طرف

سنیچر ۶ شوال ۸ھ کو رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے کوچ فرمایا۔ آج آپؐ کو مکہ میں آئے ہوئے انیسواں دن تھا۔ بارہ ہزار کی فوج آپ کے ہمرکاب تھی۔ دس ہزار وہ جو فتح مکہ کے لیے آپؐ کے ہمراہ تشریف لائی تھی اور دو ہزار باشندگان مکہ سے، جن میں اکثریت نومسلموں کی تھی۔ نبی ﷺ نے صفوان بن امیہ سے سو زرہیں مع آلات و اوزار ادھار لیں اور عَتّاب بن اَسِید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا گورنر مقرر فرمایا۔

دوپہر بعد ایک سوار نے آکر بتایا کہ میں نے فلاں اور فلاں پہاڑ پر چڑھ کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بنو ہوازن سب کے سب ہی آگئے ہیں۔ ان کی عورتیں، چوپائے اور بکریاں سب ساتھ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا" یہ سب ان شاء اللہ کل مسلمانوں کا مالِ غنیمت ہوگا۔ رات آئی تو حضرت انس بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ نے رضاکارانہ طور پر سنتری کے فرائض انجام دیئے۔[۲]

حنین جاتے ہوئے لوگوں نے بیر کا ایک بڑا سا ہرا درخت دیکھا جس کو ذات اَنْوَاط کہا جاتا تھا ــــ (مشرکین) عرب اس پر اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے، اس کے پاس جانور ذبح کرتے تھے اور وہاں درگاہ اور میلہ لگاتے تھے۔ بعض فوجیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا" آپؐ ہمارے لیے بھی ذات انواط بنا دیجئے جیسے ان کے لیے ذات انواط ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ اکبر اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، تم نے ویسی ہی بات کہی جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی کہ اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ("ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دیجئے جس طرح ان کے لیے معبود ہیں") یہ طور طریقے ہیں۔ تم لوگ بھی یقیناً پہلوں کے طور طریقوں پر سوار ہوگے۔[۳]

(اثناء راہ میں) بعض لوگوں نے لشکر کی کثرت کے پیش نظر کہا تھا کہ ہم آج ہرگز مغلوب نہیں ہو سکتے اور یہ بات رسول اللہ ﷺ پر گراں گزری تھی۔

اسلامی لشکر پر تیراندازوں کا اچانک حملہ

اسلامی لشکر منگل اور بدھ کی درمیانی رات ۱۰ شوال کو حنین پہنچا لیکن مالک بن عوف

---

[۲] دیکھئے سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۲/۳۱۷ باب فضل الحرس فی سبیل اللہ

[۳] ترمذی فتن، باب لترکبن سنن من کان قبلکم ۲/۴۱ مسند احمد ۵/۲۸۱

یہاں پہلے ہی پہنچ کر اور اپنا لشکر رات کی تاریکی میں اس وادی کے اندر اُتار کر اسے راستوں، گذرگاہوں گھاٹیوں، پوشیدہ جگہوں اور درّوں میں پھیلا اور چھپا چکا تھا اور اسے یہ حکم دے چکا تھا کہ مسلمان جونہی نمودار ہوں انہیں تیروں سے چھلنی کر دینا، پھر ان پر یک دم اکٹھے ٹوٹ پڑنا۔

ادھر سحر کے وقت رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی ترتیب و تنظیم فرمائی اور پرچم باندھ باندھ کر لوگوں میں تقسیم کیے۔ پھر صبح کے جھٹپٹے میں مسلمانوں نے آگے بڑھ کر وادی حنین میں قدم رکھا۔ وہ دشمن کے وجود سے قطعی بے خبر تھے۔ انہیں مطلق علم نہ تھا کہ اس وادی کے تنگ دروں کے اندر ثقیف و ہوازن کے جیالے ان کی گھات میں بیٹھے ہیں، اس لیے وہ بے خبری کے عالم میں پورے اطمینان کے ساتھ اُتر رہے تھے کہ اچانک ان پر تیروں کی بارش شروع ہوگئی۔ پھر فوراً ہی ان پر دشمن کے پرے کے پرے یک دم اکٹھے ٹوٹ پڑے۔ اس اچانک حملے سے مسلمان سنبھل نہ سکے اور ان میں ایسی بھگدڑ مچی کہ کوئی کسی کی طرف دیکھ نہ رہا تھا، بالکل فاش شکست تھی، یہاں تک کہ ابوسفیان بن حرب نے ـــــ جو ابھی نیا نیا مسلمان تھا ـــــ کہا، اب ان کی بھگدڑ سمندر سے پہلے نہ رُکے گی۔ اور جبلہ یا کلدہ بن جنید نے چیخ کر کہا، دیکھو آج جادو باطل ہوگیا۔

یہ ابنِ اسحاق کا بیان ہے۔ بَرَاء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان جو صحیح بخاری میں مروی ہے اس سے مختلف ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ ہوازن تیرانداز تھے۔ ہم نے حملہ کیا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد ہم غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو تیروں سے ہمارا استقبال کیا گیا۔[۴]

اور حضرت انسؓ کا بیان جو صحیح مسلم میں مروی ہے وہ بظاہر اس سے بھی قدرے مختلف ہے مگر بڑی حد تک اس کا مؤید ہے۔ حضرت انس کا ارشاد ہے کہ ہم نے مکہ فتح کیا۔ پھر حنین پر چڑھائی کی۔ مشرکین اتنی عمدہ صفیں بنا کر آئے جو میں نے کبھی نہیں دیکھیں۔ سواروں کی صف، پھر پیادوں کی صف، پھر ان کے پیچھے عورتیں، پھر بھیڑ بکریاں، پھر دوسرے چوپائے۔ ہم لوگ بڑی تعداد میں تھے۔ ہمارے سواروں کے میمنہ پر خالدؓ بن ولید تھے؛ مگر ہمارے سوار (دشمن کی تیراندازی کی وجہ سے) ہماری پیٹھ کے پیچھے پناہ گیر ہونے لگے اور ذرا سی دیر میں ہمارے سوار بھاگ کھڑے ہوئے۔ اعراب بھی بھاگے اور وہ لوگ بھی جنہیں تم جانتے ہو۔[۵]

بہرحال جب بھگدڑ مچی تو رسول اللہ ﷺ نے دائیں طرف ہو کر پکارا: "لوگو! میری طرف آؤ میں

---

[۴] صحیح بخاری: باب ویوم حنین اذ اعجبتکم الخ

[۵] فتح الباری ۸/۲۹

عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں"۔ اس وقت اس جگہ آپؐ کے ساتھ چند مہاجرین اور اہلِ خاندان کے سوا کوئی نہ تھا۔[۶]

ان نازک ترین لمحات میں رسول اللہ ﷺ کی بے نظیر شجاعت کا ظہور ہوا، یعنی اس شدید بھگدڑ کے باوجود آپؐ کا رُخ کفار کی طرف تھا اور آپؐ پیش قدمی کیلیے اپنے خچر کو ایڑ لگا رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ　　اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

"مَیں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں　　مَیں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں"

لیکن اس وقت ابوسفیان بن حارثؓ نے آپؐ کے خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی اور حضرت عباسؓ نے رکاب تھام لی تھی۔ دونوں خچر کو روک رہے تھے کہ کہیں تیزی سے آگے نہ بڑھ جائے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ـــ جن کی آواز خاصی بلند تھی ـــ حکم دیا کہ صحابہؓ کرام کو پکاریں۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے نہایت بلند آواز سے پکارا "درخت والو....! (بیعت رضوان والو.....!) کہاں ہو؟ واللہ وہ لوگ میری آواز سن کر اس طرح مڑے جیسے گائے اپنے بچوں پر مڑتی ہے اور جواباً کہا، ہاں ہاں آئے آئے"۔[۷] حالت یہ تھی کہ آدمی اپنے اونٹ کو موڑنے کی کوشش کرتا اور نہ موڑ پاتا تو اپنی زرہ اس کی گردن میں ڈال پھینکتا اور اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال کر اونٹ سے کود جاتا اور اونٹ کو چھوڑ چھاڑ کر آواز کی جانب دوڑتا۔ اس طرح جب آپ کے پاس سو آدمی جمع ہو گئے تو انہوں نے دشمن کا استقبال کیا اور لڑائی شروع کر دی۔

اس کے بعد انصار کی پکار شروع ہوئی۔ او..... انصاریو! او..... انصاریو! پھر یہ پکار بنو حارث بن خزرج کے اندر محدود ہو گئی۔ ادھر مسلمان دستوں نے جس رفتار سے میدان چھوڑا تھا اسی رفتار سے ایک کے پیچھے ایک آتے چلے گئے اور دیکھتے دیکھتے فریقین میں دھواں دھار جنگ شروع ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے میدانِ جنگ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو گھمسان کا رن پڑ رہا تھا۔ فرمایا: "اب چولھا گرم ہو گیا ہے"۔ پھر آپ نے زمین سے ایک مٹھی مٹی لے کر دشمن کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا: "شَاهَتِ الْوُجُوْهُ چہرے بگڑ جائیں" یہ مٹھی بھر مٹی اس طرح پھیلی کہ دشمن کا کوئی آدمی ایسا نہ تھا جس کی

---

[۶] ابنِ اسحاق کے بقول ان کی تعداد نو یا دس تھی۔ نووی کا ارشاد ہے کہ آپ کے ساتھ بارہ آدمی ثابت قدم رہے۔ امام احمد اور حاکم نے ابنِ مسعود سے روایت کی ہے کہ میں حنین کے روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے مگر آپ کے ساتھ اسی مہاجرین و انصار ثابت قدم رہے۔ ہم اپنے قدموں پر (پیدل) تھے اور ہم نے پیٹھ نہیں پھیری۔ ترمذی نے بہ سندِ حسن، ابن عمر کی حدیث روایت کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے لوگوں کو حنین کے روز دیکھا کہ انہوں نے پیٹھ پھیر لی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سو آدمی بھی نہیں۔ (فتح الباری ۸/۲۹، ۳۰)　[۷] صحیح مسلم ۲/۱۰۰

آنکھ اس سے بھر نہ گئی ہو۔ اس کے بعد ان کی قوت ٹوٹتی چلی گئی اور ان کا کام زوال پذیر ہوتا چلا گیا

دشمن کی شکستِ فاش

مٹی پھینکنے کے بعد چند ہی ساعتیں گزری تھیں کہ دشمن کو فاش شکست ہو گئی۔ ثقیف کے تقریباً ستر آدمی قتل کئے گئے اور ان کے پاس جو کچھ مال، ہتھیار، عورتیں اور بچے تھے مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

یہی وہ تغیّر ہے جس کی طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ○ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ○ (۹:۲۵/۲۶)

"اور (اللہ نے) حنین کے دن (تمہاری مدد کی) جب تمہیں تمہاری کثرت نے غرور میں ڈال دیا تھا۔ پس وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین کشادگی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر اپنی سکینت نازل کی اور ایسا لشکر نازل کیا جسے تم نے نہیں دیکھا، اور کفر کرنے والوں کو سزا دی اور یہی کافروں کا بدلہ ہے۔"

تعاقب

شکست کھانے کے بعد دشمن کے ایک گروہ نے طائف کا رُخ کیا، ایک نخلہ کی طرف بھاگا اور ایک نے اوطاس کی راہ لی۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں تعاقب کرنے والوں کی ایک جماعت اوطاس کی طرف روانہ کی۔ فریقین میں تھوڑی سی جھڑپ ہوئی اس کے بعد مشرکین بھاگ کھڑے ہوئے۔ البتہ اسی جھڑپ میں اس دستے کے کمانڈر ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

مسلمان شہسواروں کی ایک دوسری جماعت نے نخلہ کی طرف پسپا ہونے والے مشرکین کا تعاقب کیا اور دُرید بن صمہ کو جا پکڑا جسے ربیعہؓ بن رفیع نے قتل کر دیا۔

شکست خوردہ مشرکین کے تیسرے اور سب سے بڑے گروہ کے تعاقب میں جس نے طائف کی راہ لی تھی، خود رسول اللہ ﷺ مال غنیمت جمع فرمانے کے بعد روانہ ہوئے۔

غنیمت

مالِ غنیمت یہ تھا: قیدی چھ ہزار، اونٹ چوبیس ہزار، بکری چالیس ہزار سے زیادہ، چاندی چار ہزار اُوقیہ (یعنی ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم جس کی مقدار چھ کوئنٹل سے چند ہی کیلو کم ہوتی ہے) رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ پھر اسے جِعرّانہ میں روک کر حضرت مسعود بن عمرو غفاریؓ کی نگرانی میں دے دیا اور جب تک غزوۂ طائف سے فارغ نہ ہو گئے اسے تقسیم نہ فرمایا۔

قیدیوں میں شیماء بنت حارث سعدیہ بھی تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن تھیں۔ جب انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا اور انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو انہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک علامت کے ذریعہ پہچان لیا۔ پھر ان کی بڑی قدر و عزّت کی۔ اپنی چادر بچھا کر بٹھایا اور احسان فرماتے ہوئے انہیں ان کی قوم میں واپس کر دیا۔

غزوۂ طائف

یہ غزوہ درحقیقت غزوہ حنین کا پھیلاؤ ہے۔ چونکہ ہوازن و ثقیف کے بیشتر شکست خوردہ افراد اپنے جنرل کمانڈر مالک بن عوف نصری کے ساتھ بھاگ کر طائف ہی آئے تھے اور یہیں قلعہ بند ہو گئے تھے لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے حنین سے فارغ ہو کر اور جعرانہ میں مال غنیمت جمع فرما کر اسی ماہ شوال ۸ھ میں طائف کا قصد فرمایا۔

اس مقصد کے لیے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک ہزار فوج کا ہراول دستہ روانہ کیا گیا؛ پھر آپؐ نے خود طائف کا رُخ فرمایا۔ راستہ میں نخلۂ یمانیہ، پھر قرن منازل پھر لیہ سے گزر ہوا۔ لیہ میں مالک بن عوف کا ایک قلعہ تھا۔ آپؐ نے اسے منہدم کروا دیا۔ پھر سفر جاری رکھتے ہوئے طائف پہنچے اور قلعہ طائف کے قریب خیمہ زن ہو کر اس کا محاصرہ کر لیا۔

محاصرہ نے قدرے طول پکڑا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ یہ چالیس دن تک جاری رہا۔ اہلِ سیر میں سے بعض نے اس کی مدت بیس دن بتائی ہے، بعض نے دس دن سے زیادہ، بعض نے اٹھارہ دن اور بعض نے پندرہ دن۔[۵]

دورانِ محاصرہ دونوں طرف سے تیر اندازی اور پتھر بازی کے واقعات بھی پیش آتے رہے، بلکہ پہلے پہل جب مسلمانوں نے محاصرہ کیا تو قلعہ کے اندر سے ان پر اس شدّت سے تیر اندازی کی گئی کہ معلوم ہوتا تھا ٹڈی دَل چھایا ہوا ہے۔ اس سے متعدد مُسلمان زخمی ہوئے، بارہ شہید ہوئے اور انہیں اپنا کیمپ اٹھا کر موجودہ مسجد طائف کے پاس لے جانا پڑا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے اہلِ طائف پر منجنیق نصب کی اور متعدد گولے پھینکے جس سے قلعہ کی دیوار میں شگاف پڑ گیا اور مُسلمانوں کی ایک جماعت دبابہ کے اندر گھس

---

[۵] فتح الباری ۸ / ۴۵

کر آگ لگانے کے لیے دیوار تک پہنچ گئی۔ لیکن دشمن نے ان پر لوہے کے جلتے ٹکڑے پھینکے جس سے مجبور ہو کر مسلمان دبابہ کے نیچے سے باہر نکل آئے۔ مگر باہر نکلے تو دشمن نے ان پر تیروں کی بارش کر دی جس سے بعض مسلمان شہید ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے دشمن کو زیر کرنے کے لیے ایک اور جنگی حکمتِ عملی کے طور پر حکم دیا کہ انگور کے درخت کاٹ کر جلا دیئے جائیں۔ مسلمانوں نے ذرا بڑھ چڑھ کر ہی کٹائی کر دی۔ اس پر ثقیف نے اللہ اور قرابت کا واسطہ دے کر گزارش کی کہ درختوں کو کاٹنا بند کر دیں۔ آپ نے اللہ کے واسطے اور قرابت کیخاطر ہاتھ روک لیا۔

دورانِ محاصرہ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا: جو غلام قلعہ سے اُتر کر ہمارے پاس آ جائے وہ آزاد ہے۔ اس اعلان پر تئیس آدمی قلعہ سے نکل کر مسلمانوں میں آ شامل ہوئے[۹]۔ انہیں میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر ایک چرخی یا گراری کی مدد سے (جس کے ذریعہ رہٹ سے پانی کھینچا جاتا ہے) لٹک کر نیچے آئے تھے۔ (چونکہ گراری کو عربی میں بکرہ کہتے ہیں) اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی کنیت ابوبکرہ رکھ دی۔ ان سب غلاموں کو رسول اللہ ﷺ نے آزاد کر دیا اور ہر ایک کو ایک ایک مسلمان کے حوالے کر دیا کہ اسے سامان بہم پہنچائے۔ یہ حادثہ قلعہ والوں کے لیے بڑا جانکاہ تھا۔

جب محاصرہ طول پکڑ گیا اور قلعہ قابو میں آتا نظر نہ آیا اور مسلمانوں پر تیروں کی بارش اور گرم لوہوں کی زد پڑی اور ادھر اہلِ قلعہ نے سال بھر کا سامانِ خورد و نوش بھی جمع کر لیا ——— تو رسول اللہ ﷺ نے نوفل بن معاویہ دیلی سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے کہا "لومڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے۔ اگر آپ اس پر ڈٹے رہے تو پکڑ لیں گے اور اگر چھوڑ کر چلے گئے تو وہ آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ یہ سُن کر رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ ختم کرنے کا فیصلہ فرما لیا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ذریعہ لوگوں میں اعلان کروا دیا کہ ہم ان شاء اللہ کل واپس ہوں گے لیکن یہ اعلان صحابہ کرام پر گراں گزرا۔ وہ کہنے لگے: ہو تہہ طائف فتح کیے بغیر واپس ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا تو کل صبح لڑائی پر چلنا ہے۔ چنانچہ دوسرے دن لوگ لڑائی پر گئے لیکن چوٹ کھانے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا تو اس کے بعد آپ نے پھر فرمایا کہ ہم ان شاء اللہ کل واپس ہوں گے۔ اس پر لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے بے چون و چرا رختِ سفر باندھنا شروع کر دیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ مسکراتے رہے۔

---

۹ صحیح بخاری ۲/۲۶۰

اس کے بعد جب لوگوں نے ڈیرہ ڈنڈا اٹھا کر کوچ کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یوں کہو:

اٰئِبُوْنَ ، تَائِبُوْنَ ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ

"ہم پلٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت گزار ہیں، اور اپنے رب کی حمد کرتے ہیں"۔

کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول! آپؐ ثقیف پر بد دعا کریں۔ آپؐ نے فرمایا: "اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں لے آ۔"

جعرانہ میں اموالِ غنیمت کی تقسیم

رسول اللہ ﷺ طائف سے محاصرہ ختم کر کے واپس آئے تو جعرانہ میں کئی روز مالِ غنیمت تقسیم کیے بغیر ٹھہرے رہے۔ اس تاخیر کا مقصد یہ تھا کہ ہوازن کا وفد تائب ہو کر آپؐ کی خدمت میں آجائے اور اس نے جو کچھ کھویا ہے سب لے جائے۔ لیکن تاخیر کے باوجود جب آپؐ کے پاس کوئی نہ آیا تو آپؐ نے مال کی تقسیم شروع کر دی تاکہ قبائل کے سردار اور مکہ کے اشراف جو بڑی حرص سے جھانک رہے تھے ان کی زبان خاموش ہو جائے۔ مولفۃ القلوب[10] کی قسمت نے سب سے پہلے یاوری کی اور انہیں بڑے بڑے حصے دیئے گئے۔

ابوسفیان بن حرب کو چالیس اوقیہ (کچھ کم چھ کیلو چاندی) اور ایک سو اونٹ عطا کئے گئے۔ اس نے کہا، میرا بیٹا یزید؟ آپؐ نے اتنا ہی یزید کو بھی دیا۔ اس نے کہا، اور میرا بیٹا معاویہ؟ آپؐ نے اتنا ہی معاویہ کو بھی دیا۔ (یعنی تنہا ابوسفیان کو اس کے بیٹوں سمیت تقریباً ۱۸ کیلو چاندی اور تین سو اونٹ حاصل ہو گئے)

حکیمؓ بن حزام کو ایک سو اونٹ دیے گئے۔ اس نے مزید سو اونٹوں کا سوال کیا تو اسے پھر ایک سو اونٹ دیے گئے۔ اسی طرح صفوان بن اُمیہ کو سو اُونٹ، پھر سو اُونٹ اور پھر سو اُونٹ (یعنی تین سو اُونٹ) دیے گئے۔

حارثؓ بن کلدہ کو بھی سو اونٹ دیے گئے اور کچھ مزید قرشی و غیر قرشی رؤساء کو سو سو اونٹ دیے گئے۔ کچھ دوسروں کو پچاس پچاس اور چالیس چالیس اونٹ دیے گئے یہاں تک کہ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ محمدؐ ﷺ اس طرح بے دریغ عطیہ دیتے ہیں کہ انہیں فقر کا اندیشہ ہی نہیں۔ چنانچہ مال کی طلب میں بدو آپ پر ٹوٹ پڑے اور آپؐ کو ایک درخت کی جانب سمٹنے پر مجبور کر دیا۔ اتفاق سے آپؐ کی چادر درخت میں پھنس کر رہ گئی۔ آپؐ نے فرمایا: "لوگو! میری چادر دے دو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کی تعداد میں بھی چوپائے ہوں تو انہیں بھی تم پر تقسیم کر دوں گا۔ پھر تم

---

[10] وہ لوگ جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہوں اور ان کا دل جوڑنے کے لیے انہیں مالی مدد دی جائے تاکہ وہ اسلام پر مضبوطی سے جم جائیں۔

[11] الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ قاضی عیاض ۱/۸۶

مجھے نہ بخیل پاؤ گے، نہ بزدل، نہ جھوٹا۔"

اس کے بعد آپؐ نے اپنے اونٹ کے بازو میں کھڑے ہو کر اس کی کوہان سے کچھ بال لیے اور چٹکی میں رکھ کر بلند کرتے ہوئے فرمایا: "لوگو! واللہ میرے لیے تمہارے مالِ فے میں سے کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ اتنا بال بھی نہیں۔ صرف خُمس ہے اور خُمس بھی تم پر ہی پلٹا دیا جاتا ہے۔"

مؤلفۃ القلوب کو دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مالِ غنیمت اور فوج کو یکجا کر کے لوگوں پر غنیمت کی تقسیم کا حساب لگائیں۔ انہوں نے ایسا کیا تو ایک ایک فوجی کے حصے میں چار چار اونٹ اور چالیس چالیس بکریاں آئیں۔ جو شہسوار تھا اسے بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں ملیں۔

یہ تقسیم ایک حکیمانہ سیاست پر مبنی تھی کیونکہ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنی عقل کے راستے سے نہیں بلکہ پیٹ کے راستے سے حق پر لائے جاتے ہیں۔ یعنی جس طرح جانوروں کو ایک مٹھی ہری گھاس دکھلا دیجیے اور وہ اس کی طرف بڑھتے لپکتے اپنے محفوظ ٹھکانے تک جا پہنچتے ہیں اسی طرح مذکورہ قسم کے انسانوں کے لیے بھی مختلف ڈھنگ کے اسبابِ کشش کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ وہ ایمان سے مانوس ہو کر اس کے لیے پُرجوش بن جائیں۔[۱۲]

انصار کا حزن و اضطراب

یہ سیاست پہلے پہل سمجھی نہ جا سکی اسی لیے کچھ زبانوں پر حرفِ اعتراض آ گیا۔ انصار پر خصوصاً اس سیاست کی زد پڑی تھی — کیونکہ وہ سب کے سب حنین کے ان عطایا سے بالکلیہ محروم رکھے گئے۔ حالانکہ مشکل کے وقت انہیں کو پکارا گیا تھا اور وہی اڑ کر آئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر اس طرح جنگ کی تھی کہ فاش شکست شاندار فتح میں تبدیل ہو گئی تھی لیکن اب وہ دیکھ رہے تھے کہ بھاگنے والوں کے ہاتھ پُر ہیں اور وہ خود محروم و تہی دست۔[۱۳]

ابنِ اسحاق نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش اور قبائل عرب کو وہ عطیے دیے اور انصار کو کچھ نہ دیا تو انصار نے جی ہی جی میں پیچ و تاب کھایا اور ان میں بہت چہ میگوئی ہوئی یہاں تک کہ ایک کہنے والے نے کہا، خدا کی قسم رسول اللہؐ اپنی قوم سے جا ملے ہیں۔ اس کے بعد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ!

۱۲-۱۳ محمد غزالی فقہ السیرہ ص ۲۹۸-۲۹۹

آپؐ نے اس حاصل شدہ مالِ فے میں جو کچھ کیا ہے اس پر انصار اپنے جی ہی جی میں آپ پر پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ آپؐ نے اسے اپنی قوم میں تقسیم فرمایا، قبائلِ عرب کو بڑے بڑے عطیے دیے لیکن انصار کو کچھ نہ دیا۔ آپؐ نے فرمایا: "اے سعدؓ! اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" انہوں نے کہا "یا رسول اللہ! میں بھی تو اپنی قوم ہی کا ایک آدمی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: "اچھا تو اپنی قوم کو اس چھولداری میں جمع کرو۔ سعدؓ نے نکل کر انصار کو اس چھولداری میں جمع کیا۔ کچھ مہاجرین بھی آگئے تو انہیں داخل ہونے دیا۔ پھر کچھ دُوسرے لوگ بھی آگئے تو انہیں واپس کر دیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت سعدؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ قبیلۂ انصار آپ کے لیے جمع ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے" اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا:

"انصار کے لوگو! تمہاری یہ کیا چہ میگوئی ہے جو میرے علم میں آئی ہے! اور یہ کیا ناراضگی ہے جو جی ہی جی میں تم نے مجھ پر محسوس کی ہے! کیا ایسا نہیں کہ میں تمہارے پاس اس حالت میں آیا کہ تم گمراہ تھے، اللہ نے تمہیں ہدایت دی اور محتاج تھے، اللہ نے تمہیں غنی بنا دیا۔ اور باہم دشمن تھے، اللہ نے تمہارے دل جوڑ دیے؟" لوگوں نے کہا: کیوں نہیں! اللہ اور اس کے رسول کا بڑا فضل و کرم ہے۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: "انصار کے لوگو! مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟" انصار نے عرض کیا "یا رسول اللہ! بھلا ہم آپ کو کیا جواب دیں؟ اللہ اور اس کے رسول کا فضل و کرم ہے۔ آپ نے فرمایا: "دیکھو! خدا کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو — اور سچ ہی کہو گے اور تمہاری بات سچ ہی مانی جائے گی — کہ آپؐ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ آپؐ کو جھٹلایا گیا تھا، ہم نے آپؐ کی تصدیق کی، آپؐ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا تھا، ہم نے آپؐ کی مدد کی، آپؐ کو دھتکار دیا گیا تھا، ہم نے آپؐ کو ٹھکانا دیا، آپؐ محتاج تھے، ہم نے آپؐ کی غمخواری و غمگساری کی؛

اے انصار کے لوگو! تم اپنے جی میں دُنیا کی اس عارضی دولت کے لیے ناراض ہو گئے جس کے ذریعہ میں نے لوگوں کا دل جوڑا تھا تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں اور تم کو تمہارے اسلام کے حوالے کر دیا تھا؟ اے انصار! کیا تم اس سے راضی نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے ڈیروں میں پلٹو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر سارے لوگ ایک راہ چلیں اور انصار دوسری راہ چلیں تو میں بھی انصار ہی کی راہ چلوں گا۔ اے اللہ رحم فرما انصار پر اور ان کے بیٹوں پر اور ان کے بیٹوں کے بیٹوں (پوتوں) پر۔"

رسول اللہ ﷺ کا یہ خطاب سن کر لوگ اس قدر روئے کہ ڈاڑھیاں تر ہوگئیں اور کہنے لگے: "ہم راضی ہیں کہ ہمارے حصے اور نصیب میں رسول اللہ ﷺ ہوں"۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس ہوگئے اور لوگ بھی بکھر گئے۔[۱۴]

وفد ہوازن کی آمد

غنیمت تقسیم ہو جانے کے بعد ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر آگیا۔ یہ کل چودہ آدمی تھے۔ ان کا سربراہ زُہَیر بن صُرَد تھا اور ان میں رسول اللہ ﷺ کا رضاعی چچا ابو برقان بھی تھا۔ وفد نے سوال کیا کہ آپ مہربانی کر کے قیدی اور مال واپس کر دیں۔ اور اس انداز کی بات کی کہ دل پسیج جائے۔[۱۵] آپؐ نے فرمایا میرے ساتھ جو لوگ ہیں انہیں دیکھ ہی رہے ہو۔ اور مجھے سچ بات زیادہ پسند ہے اس لیے بتاؤ کہ تمہیں اپنے بال بچے زیادہ محبوب ہیں یا مال؟ انہوں نے کہا "ہمارے نزدیک خاندانی شرف کے برابر کوئی چیز نہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا تو جب میں ظہر کی نماز پڑھ لوں تو تم لوگ اُٹھ کر کہنا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو مومنین کی جانب سفارشی بناتے ہیں اور مومنین کو رسول اللہؐ کی جانب سفارشی بناتے ہیں کہ آپؐ ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیں۔ اس کے بعد جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ان لوگوں نے یہی کہا۔ جواباً آپؐ نے فرمایا "جہاں تک اس حصّے کا تعلق ہے جو میرا ہے اور بنی عبدالمطلب کا ہے تو وہ تمہارے لیے ہے، اور میں ابھی لوگوں سے پوچھے لیتا ہوں۔ اس پر انصار اور مہاجرین نے اٹھ کر کہا "جو کچھ ہمارا ہے وہ سب بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ اس کے بعد اَقرع بن حابس نے کہا "لیکن جو کچھ میرا اور بنو تمیم کا ہے وہ آپؐ کے لیے نہیں"؛ اور عُیَینہ بن حصن نے کہا کہ جو کچھ میرا اور بنو فزارہ کا وہ بھی آپؐ کے لیے نہیں ہے"؛ اور عباس بن مرداس نے کہا "جو کچھ میرا اور بنو سُلَیم کا ہے وہ بھی آپ کے لیے نہیں۔ اس پر بنو سُلَیم نے کہا: جی نہیں، جو کچھ ہمارا ہے وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ عباس بن مرداس نے کہا: تم لوگوں نے میری توہین کر دی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دیکھو یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے ہیں (اور اسی غرض سے) میں نے ان

---

[۱۴] ابن ہشام ۲/۴۹۹، ۵۰۰۔ ایسی ہی روایت صحیح بخاری میں بھی ہے۔ ۲/۶۲۰، ۶۲۱

[۱۵] ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ان میں انکے نو اشراف تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ بیعت کی۔ اس کے بعد آپ سے گفتگو کی۔ اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے جنہیں قید فرمایا ہے، ان میں مائیں اور بہنیں ہیں۔ اور پھوپھیاں اور خالائیں ہیں۔ اور یہی قوم کے لیے رسوائی کا سبب ہوتی ہیں۔ (فتح الباری ۸/۳۳) واضح رہے کہ مادّں وغیرہ سے مراد رسول اللہ ﷺ کی رضاعی مائیں، خالائیں، پھوپھیاں اور بہنیں ہیں۔ ان کے خطیب زہیر بن صرد تھے۔ ابو برقان کے ضبط میں اختلاف ہے۔ چنانچہ انہیں ابو مروان اور ابو ثروان بھی کہا گیا ہے۔

کے قیدیوں کی تقسیم میں تاخیر کی تھی۔ اور اب میں نے انہیں اختیار دیا تو انہوں نے بال بچوں کے برابر کسی چیز کو نہیں سمجھا لہٰذا جس کسی کے پاس کوئی قیدی ہو، اور وہ بخوشی واپس کر دے تو یہ بہت اچھی راہ ہے اور جو کوئی اپنے حق کو روکنا ہی چاہتا ہو تو وہ بھی ان کے قیدی تو انہیں واپس ہی کر دے۔ البتہ آئندہ جو سب سے پہلا مالِ فے حاصل ہوگا اس سے ہم اس شخص کو ایک کے بدلے چھ دیں گے"۔ لوگوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے لیے بخوشی دینے کو تیار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہم جان نہ سکے کہ آپ میں سے کون راضی ہے اور کون نہیں؛ لہٰذا آپ لوگ واپس جائیں اور آپ کے چودھری حضرات آپ کے معاملے کو ہمارے سامنے پیش کریں۔ اس کے بعد سارے لوگوں نے ان کے بال بچے واپس کر دیے۔ صرف عیینہ بن حصن رہ گیا جس کے حصے میں ایک بڑھیا آئی تھی۔ اس نے واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن آخر میں اس نے بھی واپس کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سارے قیدیوں کو ایک ایک قبطی چادر عطا فرما کر واپس کر دیا۔

عُمرہ اور مدینہ کو واپسی

رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہو کر جعرانہ ہی سے عمرہ کا احرام باندھا اور عمرہ ادا کیا۔ اس کے بعد عتّابؓ بن اَسید کو مکہ کا والی بنا کر مدینہ روانہ ہو گئے۔ مدینہ واپسی ۲۴ ذیقعدہ ۸ھ کو ہوئی۔

محمد غزالی کہتے ہیں: ان فاتحانہ اوقات میں جبکہ اللہ نے آپؐ کے سر پر فتح مبین کا تاج رکھا اور اس وقت میں جبکہ آپؐ اسی شہرِ عظیم میں آٹھ سال پہلے تشریف لائے تھے کتنا لمبا چوڑا فاصلہ ہے۔

آپؐ یہاں اس حالت میں آئے تھے کہ آپؐ کو کھدیڑ دیا گیا تھا' اور آپؐ امان کے طالب تھے۔ اجنبی اور وحشت زدہ تھے اور آپؐ کو انس و الفت کی تلاش تھی۔ وہاں کے باشندوں نے آپؐ کی خوب قدر و منزلت کی' آپؐ کو جگہ دی، اور آپؐ کی مدد کی، اور جو نور آپؐ کے ساتھ نازل کیا گیا تھا اس کی پیروی کی' اور آپؐ کی خاطر ساری دنیا کی عداوت' ہیچ سمجھی۔ اب وہی آپؐ ہیں کہ جس شہر نے ایک خوف زدہ مہاجر کی حیثیت سے آپؐ کا استقبال کیا تھا آج آٹھ سال بعد وہی شہر آپؐ کا اس حیثیت سے استقبال کر رہا ہے کہ مکہ آپؐ کے زیرِ نگیں ہے اور اس نے اپنی کبریائی اور جاہلیت کو آپؐ کے پیروں تلے ڈال دیا ہے اور آپ اس کی پچھلی خطا معاف کر کے اسے اسلام کے ذریعے سرفرازی بخش رہے ہیں۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (۱۲:۹۰)

"یقیناً جو شخص راستبازی اور صبر اختیار کرے تو بلاشبہ اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔" [۱۶]

---

[۱۶] فقہ السیرہ ص ۳۰۳، فتح مکہ اور غزوہ طائف کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو زاد المعاد ۲/۱۶۰ تا ۲۰۱، ابنِ ہشام ۲/۳۸۹ تا ۵۰۱۔ صحیح بخاری ۲/۶۱۲ تا ۶۲۲، فتح الباری ۸/۳ تا ۸۵

فتح مکّہ کے بعد کے سرایا اور عمّال کی روانگی

اس طویل اور کامیاب سفر سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں قدرے طویل قیام فرمایا۔ اس دوران آپ وفود کا استقبال فرماتے رہے، حکومت کے عُمّال بھیجتے رہے، داعیانِ دین کو روانہ فرماتے رہے اور جنہیں اللہ کے دین میں داخلے اور عرب کے اندر اُبھرنے والی قوت کو تسلیم کرنے میں تکبّر مانع تھا انہیں سرنگوں فرماتے رہے۔ ان اُمور کا مختصر سا خاکہ پیشِ خدمت ہے۔

تحصیلدارانِ زکوٰۃ

گذشتہ مباحث سے معلوم ہو چکا ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ ۸ھ کے اواخر میں تشریف لائے تھے۔ ۹ھ کا ہلالِ محرم طلوع ہوتے ہی آپ نے قبائل کے پاس صدقات کی وصولی کے لیے عمال روانہ فرمائے جن کی فہرست یہ ہے:

عُمّال کے نام	وہ قبیلہ جس سے زکوٰۃ وصول کرنی تھی
۱۔ عُیَینہؓ بن حصن	بنو تمیم
۲۔ یزیدؓ بن الحصین	اسلم اور غفار
۳۔ عبّادؓ بن بشیر اشہلی	سُلیم اور مُزینہ
۴۔ رافعؓ بن مکیث	جُہَینہ
۵۔ عَمرؓو بن العاص	بنو فزارہ
۶۔ ضحاکؓ بن سفیان	بنو کلاب
۷۔ بشیرؓ بن سفیان	بنو کعب
۸۔ ابنؓ اللُّتبِیّہ ازدی	بنو ذبیان
۹۔ مہاجرؓ بن ابی اُمیّہ	شہر صنعاء (ان کی موجودگی میں ان کے خلاف اسود عنسی نے صنعاء میں خروج کیا تھا)
۱۰۔ زیادؓ بن لبید	علاقہ حضرموت
۱۱۔ عدیؓ بن حاتم	طی اور بنو اسد
۱۲۔ مالکؓ بن نُویرہ	بنو حنظلہ

۱۳۔ زبرقان بن بدر	بنو سعد (کی ایک شاخ)
۱۴۔ قیس بن عاصم	بنو سعد (کی دوسری شاخ)
۱۵۔ علاء بن الحضرمی	علاقہ بحرین
۱۶۔ علی بن ابی طالب	علاقہ نجران (زکوٰۃ اور جزیہ دونوں وصول کرنے کے لیے)

واضح رہے کہ یہ سارے عُمّال محرّم ۹ھ ہی میں روانہ نہیں کر دیے گئے تھے بلکہ بعض بعض کی روانگی خاصی تاخیر سے اس وقت عمل میں آئی تھی جب متعلقہ قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ البتہ اس اہتمام کے ساتھ ان عمال کی روانگی کی ابتداء محرّم ۹ھ میں ہوئی تھی اور اسی سے صلح حدیبیہ کے بعد اسلامی دعوت کی کامیابی کی وسعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ باقی رہا فتح مکہ کے بعد کا دَور تو اس میں تو لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے۔

سرایا

جس طرح قبائل کی طرف زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عُمّال بھیجے گئے اسی طرح جزیرۃ العرب کے عام علاقوں میں امن و امان قائم ہو چکنے کے باوجود بعض مقامات پر متعدد فوجی مہمات بھی بھیجنی پڑیں۔ فہرست یہ ہے:

۱۔ سَرِیّۂ عُیَیْنَہ بن حصن فزاری (محرّم ۹ھ)

عُیَیْنہ کو پچاس سواروں کی کمان دے کر بنو تمیم کے پاس بھیجا گیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ بنو تمیم نے قبائل کو بھڑکا کر جزیہ کی ادائیگی سے روک دیا تھا۔ اس مہم میں کوئی مہاجر یا انصاری نہ تھا۔

عُیَیْنہ بن حصن رات کو چلتے اور دن کو چھپتے ہوئے آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ صحرا میں بنو تمیم پر ہلہ بول دیا۔ وہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور ان کے گیارہ آدمی، اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار ہوئے جنہیں مدینہ لا کر رملہ بنت حارث کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔

پھر ان کے سلسلے میں بنو تمیم کے دس سردار آئے اور نبی ﷺ کے دروازے پر جا کر یوں آواز لگائی، اے محمدؐ! ہمارے پاس آؤ۔ آپؐ باہر تشریف لائے تو یہ لوگ آپؐ سے چمٹ کر باتیں کرنے لگے۔ پھر آپؐ ان کے ساتھ ٹھہرے رہے یہاں تک کہ ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد مسجد نبوی کے صحن میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے فخر و مباہات میں مقابلہ کی خواہش ظاہر کی اور اپنے خطیب عطارد بن حاجب کو پیش کیا۔ اس نے تقریر کی۔ رسول اللہ ﷺ نے خطیبِ اسلام حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماس کو حکم دیا، اور انہوں نے جوابی تقریر کی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے شاعر زبرقان بن بدر کو آگے بڑھایا اور اس نے کچھ فخریہ اشعار کہے۔ اس کا جواب

شاعرِ اسلام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے دیا۔

جب دونوں خطیب اور دونوں شاعر فارغ ہو چکے تو اقرع بن حابس نے کہا: ان کا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ پُرزور اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ پُرگو ہے۔ ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے زیادہ اُونچی ہیں اور ان کی باتیں ہماری باتوں سے زیادہ بلند پایہ ہیں۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بہترین تحائف سے نوازا اور ان کی عورتیں اور بچے انہیں واپس کر دیے۔[1]

۲۔ سریّہ قطبہ بن عامر (صفر ۹ھ)

یہ سریّہ تربہ کے قریب تبالہ کے علاقے میں قبیلہ خثعم کی ایک شاخ کی جانب روانہ کیا گیا۔ قطبہ بیس آدمیوں کے درمیان روانہ ہوئے۔ دس اونٹ تھے جن پر یہ لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔ مسلمانوں نے شبخون مارا جس پر سخت لڑائی بھڑک اُٹھی اور فریقین کے خاصے افراد زخمی ہوئے۔ قطبہ کچھ دوسرے افراد سمیت مارے گئے تاہم مسلمان بھیڑ بکریوں اور بال بچوں کو مدینہ ہانک لائے۔

۳۔ سریّہ ضحّاک بن سفیان کلابی (ربیع الاوّل ۹ھ)

یہ سریّہ بنو کلاب کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے روانہ کیا گیا تھا لیکن انہوں نے انکار کرتے ہوئے جنگ چھیڑ دی۔ مسلمانوں نے انہیں شکست دی اور ان کا ایک آدمی تہ تیغ کیا۔

۴۔ سریّہ علقمہ بن مجزز مدلجی (ربیع الآخر ۹ھ)

انہیں تین سو آدمی کی کمان دے کر ساحل جدہ کی جانب روانہ کیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ کچھ حبشی ساحل جدہ کے قریب جمع ہو گئے تھے اور وہ اہلِ مکہ کے خلاف ڈاکہ زنی کرنا چاہتے تھے۔ علقمہؓ نے سمندر میں اتر کر ایک جزیرہ تک پیش قدمی کی۔ حبشیوں کو مسلمانوں کی آمد کا علم ہوا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔[2]

۵۔ سریّہ علیؓ بن ابی طالب (ربیع الاول ۹ھ)

انہیں قبیلہ طی کے ایک بُت کو۔ جس کا نام فلس (کلیسا) تھا۔ ڈھانے کیلئے بھیجا گیا تھا۔ آپ کی سرکردگی میں ایک سو اونٹ اور پچاس گھوڑوں سمیت ڈیڑھ سو آدمی تھے۔ جھنڈیاں کالی اور پھریرا سفید تھا۔ مسلمانوں نے فجر کے وقت حاتم طائی کے محلہ پر چھاپہ مار کر فلس کو ڈھا دیا اور قیدیوں، چوپایوں اور

---

[1] اہل مغازی کا بیان یہی ہے کہ یہ واقعہ محرّم ۹ھ میں پیش آیا لیکن یہ بات یقینی طور پر محلِ نظر ہے کیونکہ واقعہ کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اقرع بن حابس اس سے پہلے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ حالانکہ خود اہلِ سیر ہی کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنو ہوازن کے قیدیوں کو واپس کرنے کے لیے کہا تو اسی اقرع بن حابس نے کہا کہ میں اور بنو تمیم واپس نہ کریں گے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اقرعؓ بن حابس اس محرّم ۹ھ والے واقعہ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ [2] فتح الباری ۸/۵۹

بھیڑ بکریوں پر قبضہ کر لیا۔ انہیں قیدیوں میں حاتم طائی کی صاحبزادی بھی تھیں۔ البتہ حاتم کے صاحبزادے عدی ملک شام بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے قلس کے خزانے میں تین تلواریں اور تین زرہیں پائیں اور راستے میں مال غنیمت تقسیم کر لیا۔ البتہ منتخب مال رسول اللہ ﷺ کے لیے علیحدہ کر دیا اور آلِ حاتم کو تقسیم نہیں کیا۔

مدینہ پہنچے تو حاتم کی صاحبزادی نے رسول اللہ ﷺ سے رحم کی درخواست کرتے ہوئے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! یہاں جو آسکتا تھا لاپتہ ہے۔ والد گزر چکے ہیں اور میں بڑھیا ہوں۔ خدمت کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ آپؐ مجھ پر احسان کیجیے، اللہ آپؐ پر احسان کرے گا۔" آپؐ نے دریافت فرمایا "تمہارے لیے کون آسکتا تھا۔ بولیں؟ عدی بن حاتم۔ فرمایا" وہی جو اللہ اور رسول سے بھاگا ہے۔ پھر آپؐ آگے بڑھ گئے۔ دوسرے دن اس نے پھر یہی بات دہرائی۔ اور آپؐ نے پھر وہی فرمایا جو کل فرمایا تھا۔ تیسرے دن پھر اس نے وہی بات کہی تو آپؐ نے احسان فرماتے ہوئے اُسے آزاد کر دیا۔ اس وقت آپؐ کے بازو میں ایک صحابی تھے غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ ـــــ انہوں نے کہا، آپؐ ﷺ سے سواری کا بھی سوال کرو۔ اس نے سواری کا سوال کیا۔ آپؐ نے سواری فراہم کرنے کا بھی حکم صادر فرمایا۔

حاتم کی صاحبزادی لوٹ کر اپنے بھائی عدی کے پاس ملک شام گئیں۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہیں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتلایا کہ آپؐ نے ایسا کارنامہ انجام دیا ہے کہ تمہارے باپ بھی ویسا نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے پاس رغبت یا خوف کے ساتھ جاؤ۔ چنانچہ عدی کسی امان یا تحریر کے بغیر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپؐ انہیں اپنے گھر لے گئے اور جب وہ سامنے بیٹھے تو آپؐ نے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا: "تم کس چیز سے بھاگ رہے ہو؟ کیا لا الٰہ الا اللہ کہنے سے بھاگ رہے ہو؟ اگر ایسا ہے تو بتاؤ کیا تمہیں اللہ کے سوا کسی اور معبود کا علم ہے؟" انہوں نے کہا، نہیں۔ پھر آپؐ نے کچھ دیر گفتگو کی اس کے بعد فرمایا: "اچھا تم اس سے بھاگتے ہو کہ اللہ اکبر کہا جائے تو کیا تم اللہ سے بڑی کوئی چیز جانتے ہو؟" انہوں نے کہا، نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "سنو! یہود پر اللہ کے غضب کی مار ہے اور نصاریٰ گمراہ ہیں۔" انہوں نے کہا تو میں یک رُخا مسلمان ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ فرطِ مسرت سے دمک اٹھا۔ اس کے بعد آپؐ کے حکم سے انہیں ایک انصاری کے ہاں ٹھہرا دیا گیا اور وہ صبح و شام آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔[۳]

ابنِ اسحاق نے حضرت عدی سے یہ بھی روایت کی ہے کہ جب نبی ﷺ نے انہیں اپنے سامنے

---

[۳] زاد المعاد ۲/۲۰۵

اپنے گھر میں بٹھایا تو فرمایا، او۔۔۔۔۔! عدی بن حاتم! کیا تم مذہباً رکوسی نہ تھے؟ عدی کہتے ہیں کہ میں نے کہا، کیوں نہیں! آپؐ نے فرمایا، کیا تم اپنی قوم میں مال غنیمت کا چوتھائی لینے پر عمل پیرا نہیں تھے؟ میں نے کہا، کیوں نہیں! آپؐ نے فرمایا حالانکہ یہ تمہارے دین میں حلال نہیں۔ میں نے کہا، ہاں قسم بخدا۔ اور اسی سے میں نے جان لیا کہ واقعی آپؐ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں، کیونکہ آپؐ وہ بات جانتے ہیں جو جانی نہیں جاتی۔[۴]

مسند احمد کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، اے عدی! اسلام لاؤ سلامت رہو گے۔ میں نے کہا: میں تو خود ایک دین کا ماننے والا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا، میں تمہارا دین تم سے بہتر طور پر جانتا ہوں۔ میں نے کہا، آپؐ میرا دین مجھ سے بہتر طور پر جانتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں! کیا ایسا نہیں کہ تم مذہباً رکوسی[۵] ہو، اور پھر بھی اپنی قوم کے مال غنیمت کا چوتھائی کھاتے ہو؟ میں نے کہا، کیوں نہیں! آپؐ نے فرمایا کہ یہ تمہارے دین کی رو سے حلال نہیں۔ آپؐ کی اس بات پر مجھے سرنگوں ہو جانا پڑا۔[۶]

صحیح بخاری میں حضرت عدی سے مروی ہے کہ میں خدمتِ نبوی میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی نے آکر فاقہ کی شکایت کی، پھر دوسرے آدمی نے آکر رہزنی کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا عدی: "تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھ لوگے کہ ہودج نشین عورت حیرہ سے چل کر آئے گی، خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کروگے۔ اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھوگے کہ آدمی چلو بھر کر سونا یا چاندی نکالے گا اور ایسے آدمی کو تلاش کرے گا جو اسے قبول کرلے تو کوئی اسے قبول کرنے والا نہ ملے گا ——"

اسی روایت کے اخیر میں حضرت عدی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ ہودج نشین عورت حیرہ سے چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرتی ہے اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں۔ اور میں خود ان لوگوں میں تھا جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کئے۔ اور اگر تم لوگوں کی زندگی دراز ہوئی تو تم لوگ وہ چیز بھی دیکھ لوگے جو نبی ابوالقاسم ﷺ نے فرمائی تھی کہ آدمی چلو بھر سونا یا چاندی نکالے گا۔ الخ[۷]

○

---

[۴] ابن ہشام ۲/۵۸۱ [۵] رکوسی مذہب، عیسائی اور صابی مذہب کے درمیان ایک تیسرا مذہب ہے۔
[۶] مسند احمد ۴/۲۰۷، ۳۷۸ [۷] صحیح بخاری

غزوۂ تبوک

غزوۂ فتح مکہ، حق و باطل کے درمیان ایک فیصلہ کن معرکہ تھا۔ اس معرکے کے بعد اہلِ عرب کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی رسالت میں کوئی شک باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اسی لیے حالات کی رفتار یکسر بدل گئی اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو گئے۔ اس کا کچھ اندازہ ان تفصیلات سے لگ سکے گا جنہیں ہم وفود کے باب میں پیش کریں گے اور کچھ اندازہ اس تعداد سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو حجۃ الوداع میں حاضر ہوئی تھی ـــــ بہرحال اب اندرونی مشکلات کا تقریباً خاتمہ ہو چکا تھا اور مسلمان شریعتِ الٰہی کی تعلیم عام کرنے اور اسلام کی دعوت پھیلانے کے لیے یکسو ہو گئے تھے۔

غزوہ کا سبب

مگر اب ایک ایسی طاقت کا رُخ مدینہ کی طرف ہو چکا تھا جو کسی وجہ جواز کے بغیر مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔ یہ طاقت رومیوں کی تھی جو اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑی فوجی قوت کی حیثیت رکھتی تھی۔ پچھلے اوراق میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس چھیڑ چھاڑ کی ابتداء شُرحبیل بن عمرو غسانی کے ہاتھوں رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت حارث بن عُمیر ازدی رضی اللہ عنہ کے قتل سے ہوئی جبکہ وہ رسول اللہ ﷺ کا پیغام لے کر بصریٰ کے حکمران کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ نبی ﷺ نے اس کے بعد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا تھا جس نے رُومیوں سے سرزمین موتہ میں خوفناک ٹکر لی مگر یہ لشکر ان متکبر ظالموں سے انتقام لینے میں کامیاب نہ ہُوا۔ البتہ اس نے دُور و نزدیک کے عرب باشندوں پر نہایت بہترین اثرات چھوڑے۔

قیصرِ روم ان اثرات کو اور ان کے نتیجے میں عرب قبائل کے اندر روم سے آزادی اور مسلمانوں کی ہم نوائی کے لیے پیدا ہونے والے جذبات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے لیے یقیناً یہ ایک "خطرہ" تھا، جو قدم بہ قدم اس کی سرحد کی طرف بڑھ رہا تھا اور عرب سے ملی ہوئی سرحد شام کے لیے چیلنج بنتا جا رہا تھا اس لیے قیصر نے سوچا کہ مسلمانوں کی قوت کو ایک عظیم اور ناقابلِ شکست خطرے کی صورت اختیار کرنے سے پہلے پہلے کچل دینا ضروری ہے تاکہ روم سے متصل عرب علاقوں میں "فتنے" اور "ہنگامے" سر نہ اٹھا سکیں۔

ان مصلحتوں کے پیشِ نظر ابھی جنگِ مُوتہ پر ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ قیصر نے رومی باشندوں اور

اپنے ماتحت عربوں یعنی آلِ غسان وغیرہ پر مشتمل فوج کی فراہمی شروع کر دی اور ایک خونریز اور فیصلہ کن معرکے کی تیاری میں لگ گیا۔

روم و غسّان کی تیاریوں کی عام خبریں

ادھر مدینہ میں پے در پے خبریں پہنچ رہی تھیں کہ رُومی مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کُن معرکے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں کو ہمہ وقت کھٹکا لگا رہتا تھا اور ان کے کان کسی بھی غیر مانوس آواز کو سن کر فوراً کھڑے ہو جاتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ رومیوں کا ریلا آگیا۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے کہ اسی ۹ھ میں نبی ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر ایک مہینہ کے لیے ایلاء[1] کر لیا تھا اور انہیں چھوڑ کر ایک بالاخانہ میں علیحدہ ہو گئے تھے۔ صحابہ کرام کو ابتداءً حقیقتِ حال معلوم نہ ہو سکی تھی۔ انہوں نے سمجھا کہ نبی ﷺ نے طلاق دے دی ہے اور اس کی وجہ سے صحابہ کرام میں شدید رنج و غم پھیل گیا تھا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرا ایک انصاری ساتھی تھا۔ جب میں (خدمت نبویؐ میں) موجود نہ رہتا تو وہ میرے پاس خبر لاتا؛ اور جب وہ موجود نہ ہوتا تو میں اس کے پاس خبر لے جاتا ـــــ یہ دونوں ہی عوالی مدینہ میں رہتے تھے، ایک دوسرے کے پڑوسی تھے اور باری باری خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوتے تھے ـــ اس زمانے میں ہمیں شاہ غسّان کا خطرہ لگا ہوا تھا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ وہ ہم پر یورش کرنا چاہتا ہے اور اس کے ڈر سے ہمارے سینے بھرے ہوئے تھے۔ ایک روز اچانک میرا انصاری ساتھی دروازہ پیٹنے لگا اور کہنے لگا' کھولو کھولو۔ میں نے کہا' کیا غسانی آگئے ؟ اس نے کہا نہیں بلکہ اس سے بھی بڑی بات ہو گئی، رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں سے علیحدہ ہو گئے ہیں[2]۔

ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا' ہم میں چرچا تھا کہ آلِ غسان ہم پر چڑھائی کرنے کے لیے گھوڑوں کو نعل لگوا رہے ہیں۔ ایک روز میرا ساتھی اپنی باری پر گیا اور عشاء کے وقت واپس آکر میرا دروازہ بڑے زور سے پیٹا اور کہا' کیا وہ (عمرؓ) سویا ہوا ہے؟ میں گھبرا کر باہر آیا۔ اس نے کہا کہ بڑا حادثہ ہو گیا۔ میں نے کہا' کیا ہوا ؟ کیا غسانی آگئے ؟ اس نے کہا نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑا اور لمبا حادثہ، رسول اللہ

---

[1] عورت کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لینا۔ اگر یہ قسم چار ماہ یا اس سے کم مدت کے لیے ہے تو اس پر شرعاً کوئی حکم لاگو نہ ہوگا اور اگر یہ ایلاء چار مہینے سے زیادہ مدت کے لیے ہے تو پھر چار ماہ پورے ہوتے ہی شرعی عدالت دخیل ہوگی کہ شوہر یا تو بیوی کو بیوی کی طرح رکھے یا اسے طلاق دے۔ بعض صحابہؓ کے بقول فقط چار ماہ کی مدت گزر جانے سے طلاق پڑ جائے گی۔ [2] صحیح بخاری ۲/ ۷۳۰

ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔[۳] الخ

اس سے اس صورت حال کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو اس وقت رُومیوں کی جانب سے مسلمانوں کو درپیش تھی۔ اس میں مزید اضافہ منافقین کی ان ریشہ دوانیوں سے ہوا جو انہوں نے رومیوں کی تیاری کی خبریں مدینہ پہنچنے کے بعد شروع کیں۔ چنانچہ اس کے باوجود کہ یہ منافقین دیکھ چکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہر میدان میں کامیاب ہیں اور روئے زمین کی کسی طاقت سے نہیں ڈرتے بلکہ جو رکاوٹیں آپ کی راہ میں حائل ہوتی ہیں وہ پاش پاش ہو جاتی ہیں اس کے باوجود ان منافقین نے یہ امید باندھ لی کہ مسلمانوں کے خلاف انہوں نے اپنے سینوں میں جو دیرینہ آرزو چھپا رکھی ہے اور جس گردشِ دوراں کا وہ عرصہ سے انتظار کر رہے ہیں اب اس کی تکمیل کا وقت قریب آگیا ہے۔ اپنے اسی تصوّر کی بناء پر انہوں نے ایک مسجد کی شکل میں (جو مسجدِ ضرار کے نام سے مشہور ہوئی) دسیسہ کاری اور سازش کا ایک بھٹ تیار کیا جس کی بنیاد اہلِ ایمان کے درمیان تفرقہ اندازی اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر اور ان سے لڑنے والوں کے لیے گھات کی جگہ فراہم کرنے کے ناپاک مقصد پر رکھی اور رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی کہ آپؐ اس میں نماز پڑھا دیں۔ اس سے منافقین کا مقصد یہ تھا کہ وہ اہل ایمان کو فریب میں رکھیں اور انہیں پتہ نہ لگنے دیں کہ اس مسجد میں ان کے خلاف سازش اور دسیسہ کاری کی کارروائیاں انجام دی جا رہی ہیں اور مسلمان اس مسجد میں آنے جانے والوں پر نظر نہ رکھیں۔ اس طرح یہ مسجد، منافقین اور ان کے بیرونی دوستوں کے لیے ایک پُرامن گھونسلے اور بھٹ کا کام دے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس "مسجد" میں نماز کی ادائیگی کو جنگ سے واپسی تک کے لیے مؤخر کر دیا کیونکہ آپؐ تیاری میں مشغول تھے۔ اس طرح منافقین اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور اللہ نے ان کا پردہ واپسی سے پہلے ہی چاک کر دیا۔ چنانچہ آپؐ نے غزوے سے واپس آکر اس مسجد میں نماز پڑھنے کے بجائے اسے منہدم کرا دیا۔

رُوم و غسّان کی تیاریوں کی خاص خبریں

ان حالات اور خبروں کا مسلمان سامنا کر ہی رہے تھے کہ انہیں اچانک ملک شام سے تیل لے کر آنے والے بنطیوں[۴] سے معلوم ہوا کہ ہرقل نے چالیس ہزار سپاہیوں کا ایک لشکرِ جرّار تیار کیا ہے اور روم کے ایک عظیم کمانڈر کو اس کی کمان سونپی ہے۔ اپنے جھنڈے تلے عیسائی قبائل لخم و جذام وغیرہ کو بھی

---

[۴] نابت بن اسماعیل علیہ السلام کی نسل، جنہیں کسی وقت شمالی حجاز میں بڑا عروج حاصل تھا۔ زوال کے بعد رفتہ رفتہ یہ لوگ معمولی کسانوں اور تاجروں کے درجہ میں آگئے۔ [۳] ایضاً صحیح بخاری ۱/۳۳۴

جمع کر لیا ہے اور ان کا ہراول دستہ بلقاء پہنچ چکا ہے۔ اس طرح ایک بڑا خطرہ مجسم ہو کر مسلمانوں کے سامنے آگیا۔

حالات کی نزاکت میں اضافہ

پھر جس بات سے صورت حال کی نزاکت میں مزید اضافہ ہو رہا تھا وہ یہ تھی کہ زمانہ سخت گرمی کا تھا۔ لوگ تنگی اور قحط سالی کی آزمائش سے دوچار تھے۔ سواریاں کم تھیں، پھل پک چکے تھے، اس لیے لوگ پھل اور سائے میں رہنا چاہتے تھے۔ وہ فی الفور روانگی نہ چاہتے تھے۔ ان سب پر مستزاد مسافت کی دُوری اور راستے کی پیچیدگی اور دشواری تھی۔

رسُول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک قطعی اقدام کا فیصلہ

لیکن رسول اللہ ﷺ حالات و تغیرات کا مطالعہ کہیں زیادہ دقّتِ نظر سے فرما رہے تھے۔ آپؐ سمجھ رہے تھے کہ اگر آپؐ نے ان فیصلہ کن لمحات میں رُومیوں سے جنگ لڑنے میں کاہلی اور سُستی سے کام لیا، رومیوں کو مسلمانوں کے زیر اثر علاقوں میں گھسنے دیا، اور وہ مدینہ تک بڑھ اور چڑھ آئے تو اسلامی دعوت پر اس کے نہایت بُرے اثرات مرتب ہونگے۔ مسلمانوں کی فوجی ساکھ اکھڑ جائے گی اور وہ جاہلیت جو جنگِ حنین میں کاری ضرب لگنے کے بعد آخری دم توڑ رہی ہے دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔ اور منافقین جو مسلمانوں پر گردشِ زمانہ کا انتظار کر رہے ہیں اور ابو عامر فاسق کے ذریعہ شاہ روم سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں، پیچھے سے عین اس وقت مسلمانوں کے شکم میں خنجر گھونپ دیں گے جب آگے سے رومیوں کا ریلا ان پر خونخوار حملے کر رہا ہوگا۔ اس طرح وہ بہت ساری کوششیں رائیگاں چلی جائیں گی جو آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہؓ کرام نے اسلام کی نشر و اشاعت میں صرف کی تھیں اور بہت ساری کامیابیاں ناکامی میں تبدیل ہو جائیں گی جو طویل اور خونریز جنگوں اور مسلسل فوجی دوڑ دھوپ کے بعد حاصل کی گئی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ ان نتائج کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے اس لیے عُسرت و شدّت کے باوجود آپؐ نے طے کیا کہ رومیوں کو دارالاسلام کی طرف پیش قدمی کی مہلت دیے بغیر خود ان کے علاقے اور حدود میں گھس کر ان کے خلاف ایک فیصلہ کُن جنگ لڑی جائے۔

رُومیوں سے جنگ کی تیاری کا اعلان

یہ معاملہ طے کر لینے کے بعد آپؐ نے صحابہ کرامؓ میں اعلان فرما دیا کہ لڑائی کی تیاری کریں قبائلِ عرب اور اہلِ مکہ کو بھی پیغام دیا کہ لڑائی کے لیے نکل پڑیں۔ آپ کا دستور تھا کہ جب کسی غزوے کا ارادہ فرماتے تو کسی اور ہی جانب روانہ ہوتے۔ لیکن صورت حال کی نزاکت اور تنگی کی شدت کے سبب اب کی بار آپؐ نے صاف صاف اعلان فرما دیا کہ رومیوں سے جنگ کا ارادہ ہے تاکہ لوگ مکمل تیاری کر لیں۔ آپؐ نے

اس موقع پر لوگوں کو جہاد کی ترغیب بھی دی اور جنگ ہی پر ابھارنے کے لیے سورہ توبہ کا بھی ایک ٹکڑا نازل ہوا۔ ساتھ ہی آپؐ نے صدقہ و خیرات کرنے کی فضیلت بیان کی اور اللہ کی راہ میں اپنا نفیس مال خرچ کرنے کی رغبت دلائی۔

غزوے کی تیاری کے لیے مسلمانوں کی دوڑ دھوپ

صحابہ کرامؓ نے جونہی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنا کہ آپؐ رومیوں سے جنگ کی دعوت دے رہے ہیں جھٹ اس کی تعمیل کے لیے دوڑ پڑے اور پوری تیز رفتاری سے لڑائی کی تیاری شروع کر دی۔ قبیلے اور برادریاں ہر چہار جانب سے مدینہ میں اترنا شروع ہو گئیں اور سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری تھی، کسی مسلمان نے اس غزوے سے پیچھے رہنا گوارا نہ کیا۔ البتہ تین مسلمان اس سے مستثنیٰ ہیں کہ صحیح الایمان ہونے کے باوجود انہوں نے غزوے میں شرکت نہ کی۔ حالت یہ تھی کہ حاجت مند اور فاقہ مست لوگ آتے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کرتے کہ ان کے لیے سواری فراہم کر دیں تاکہ وہ بھی رومیوں سے ہونے والی اس جنگ میں شرکت کر سکیں۔ اور جب آپ ان سے معذرت کرتے کہ :

لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ○ (۹ : ۹۲)

"میں تمہیں سوار کرنے کے لیے کچھ نہیں پاتا تو وہ اس حالت میں واپس ہوتے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے کہ وہ خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں پا رہے ہیں۔"

اسی طرح مسلمانوں نے صدقہ و خیرات کرنے میں بھی ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کی۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے لیے ایک قافلہ تیار کیا تھا جس میں پالان اور کجاوے سمیت دو سو اونٹ تھے اور دو سو اوقیہ (تقریباً ساڑھے انتیس کیلو) چاندی تھی۔ آپ نے یہ سب صدقہ کر دیا۔ اس کے بعد پھر ایک سو اونٹ پالان اور کجاوے سمیت صدقہ کیا۔ اس کے بعد ایک ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کیلو سونے کے سکے) لے آئے اور انہیں نبی ﷺ کی آغوش میں بکھیر دیا۔ رسول اللہ ﷺ انہیں اُلٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے "آج کے بعد عثمانؓ جو بھی کریں انہیں ضرر نہ ہوگا۔"[۵] اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر صدقہ کیا، اور صدقہ کیا، یہاں تک کہ ان کے صدقے کی مقدار نقدی کے علاوہ نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔

---

۵ جامع ترمذی : مناقب عثمان بن عفان ۲/۲۱۱

ادھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ دو سو اوقیہ (تقریباً ساڑھے ۲۹ کیلو) چاندی لے آئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال حاضرِ خدمت کر دیا اور بال بچوں کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ ان کے صدقے کی مقدار چار ہزار درہم تھی اور سب سے پہلے یہی اپنا صدقہ لے کر تشریف لائے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنا آدھا مال خیرات کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت سا مال لائے حضرت طلحہؓ، سعد بن عبادہؓ اور محمد بن مسلمہؓ بھی کافی مال لائے۔ حضرت عاصم بن عدیؓ نوّے وسق (یعنی ساڑھے تیرہ ہزار کیلو، ۱۳½ ٹن) کھجور لے کر آئے۔ بقیہ صحابہؓ بھی پے در پے اپنے تھوڑے زیادہ صدقات لے آئے۔ یہاں تک کہ کسی کسی نے ایک مُد یا دو مُد صدقہ کیا کہ وہ اس سے زیادہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ عورتوں نے بھی ہار، بازو بند، پازیب، بالی اور انگوٹھی وغیرہ جو کچھ ہو سکا آپؐ کی خدمت میں بھیجا۔ کسی نے بھی اپنا ہاتھ نہ روکا اور بخل سے کام نہ لیا۔ صرف منافقین تھے جو صدقات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں پر طعنہ زنی کرتے تھے، کہ یہ ریاکار ہے اور جن کے پاس اپنی مشقت کے سوا کچھ نہ تھا، ان کا مذاق اڑاتے تھے کہ یہ ایک دو کھجور سے قیصر کی مملکت فتح کرنے اُٹھے ہیں۔ (۹:۷۹)

اسلامی لشکر تبوک کی راہ میں

اس دھوم دھام جوش و خروش اور بھاگ دوڑ کے نتیجے میں لشکر تیار ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو اور کہا جاتا ہے کہ سباعؓ بن عرفطہ کو مدینہ کا گورنر بنایا اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کو اپنے اہل و عیال کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا۔ لیکن منافقین نے ان پر طعنہ زنی کی اس لیے وہ مدینہ سے نکل پڑے اور رسول اللہ ﷺ سے جا لاحق ہوئے۔ لیکن آپ نے انہیں پھر مدینہ واپس کر دیا اور فرمایا: "کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ مجھ سے تمہیں وہی نسبت ہو جو حضرت موسیٰؑ سے حضرت ہارونؑ کو تھی۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔"

بہرحال رسول اللہ ﷺ نے اس انتظام کے بعد شمال کی جانب کوچ فرمایا (نسائی کی روایت کے مطابق یہ جمعرات کا دن تھا) منزل تبوک تھی لیکن لشکر بڑا تھا۔ تیس ہزار مردانِ جنگی تھے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کا اتنا بڑا لشکر کبھی فراہم نہ ہوا تھا اس لیے مسلمان ہر چند مال خرچ کرنے کے باوجود لشکر کو پوری طرح تیار نہ کر سکے تھے، بلکہ سواری اور توشے کی سخت کمی تھی۔ چنانچہ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں پر ایک ایک اونٹ تھا جس پر یہ لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔ اسی طرح کھانے کے لیے بسا اوقات درختوں کی پتیاں استعمال کرنی پڑتی تھیں جس سے ہونٹوں میں ورم آگیا تھا۔ مجبوراً اونٹوں کو ــــ قلت کے باوجود ــــ ذبح کرنا

پڑا تاکہ اس کے معدے اور آنتوں کے اندر جمع شدہ پانی اور تری پی جا سکے۔ اسی لیے اس کا نام جیشِ عُسرت (تنگی کا لشکر) پڑ گیا۔

تبوک کی راہ میں لشکر کا گزر حِجر یعنی دیارِ ثمود سے ہوا۔ ثمود وہ قوم تھی جس نے وادی القریٰ کے اندر چٹانیں تراش تراش کر مکانات بنائے تھے۔ صحابہ کرام نے وہاں کے کنویں سے پانی لے لیا تھا لیکن جب چلنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم یہاں کا پانی نہ پینا اور اس سے نماز کے لیے وضو نہ کرنا اور جو آٹا تم لوگوں نے گوندھ رکھا ہے اسے جانوروں کو کھلا دو، خود نہ کھاؤ۔" آپؐ نے یہ بھی حکم دیا کہ لوگ اس کنویں سے پانی لیں جس سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔

صحیحین میں ابنِ عُمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ حِجر (دیارِ ثمود) سے گزرے تو فرمایا: "ان ظالموں کی جائے سکونت میں داخل نہ ہونا کہ کہیں تم پر بھی وہی مصیبت نہ آن پڑے جو اُن پر آئی تھی، ہاں مگر روتے ہوئے۔" پھر آپؐ نے اپنا سر ڈھکا اور تیزی سے چل کر وادی پار کر گئے۔[۶]

راستے میں لشکر کو پانی کی سخت ضرورت پڑی حتیٰ کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکوہ کیا۔ آپؐ نے اللہ سے دُعا کی۔ اللہ نے بادل بھیج دیا، بارش ہوئی۔ لوگوں نے سیر ہو کر پانی پیا اور ضرورت کا پانی لاد بھی لیا۔

پھر جب تبوک کے قریب پہنچے تو آپؐ نے فرمایا: "کل انشاء اللہ تم لوگ تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے لیکن چاشت سے پہلے نہیں پہنچو گے۔ لہٰذا جو شخص وہاں پہنچے اس کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے، یہاں تک کہ میں آجاؤں۔" حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ پہنچے تو وہاں دو آدمی پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ چشمے سے تھوڑا تھوڑا پانی آ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا تم دونوں نے اس کے پانی کو ہاتھ لگایا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپؐ نے ان دونوں سے جو کچھ اللہ نے چاہا، فرمایا۔ پھر چشمے سے چلّو کے ذریعہ تھوڑا تھوڑا پانی نکالا یہاں تک کہ قدرے جمع ہو گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس میں اپنا چہرہ اور ہاتھ دھویا، اور اسے چشمے میں انڈیل دیا۔ اس کے بعد چشمے سے خوب پانی آیا۔ صحابہ کرام نے سیر ہو کر پانی پیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے معاذ! اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم اس مقام کو باغات سے ہرا بھرا دیکھو گے۔"[۷]

راستے ہی میں یا تبوک پہنچ کر — روایات میں اختلاف ہے — رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آج رات تم پر سخت آندھی چلے گی لہٰذا کوئی نہ اُٹھے اور جس کے پاس اونٹ ہو وہ اس کی رسی مضبوطی سے

---

۶ صحیح بخاری باب نزول النبی ﷺ الحجر ۲/۶۳۷ ۷ مسلم عن معاذ بن جبل ۲/۲۴۶

باندھ دیے" چنانچہ سخت آندھی چلی۔ ایک شخص کھڑا ہوگیا تو آندھی نے اسے اُڑا کر طی کی دو پہاڑیوں کے پاس پھینک دیا۔[۵]

راستے میں رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپؐ ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی اور مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھتے تھے۔ جمع تقدیم بھی کرتے تھے اور جمع تاخیر بھی۔ (جمع تقدیم کا مطلب یہ ہے کہ ظہر اور عصر دونوں ظہر کے وقت میں اور مغرب اور عشاء دونوں مغرب کے وقت میں پڑھی جائیں۔ اور جمع تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ ظہر اور عصر دونوں عصر کے وقت میں اور مغرب و عشاء دونوں عشاء کے وقت میں پڑھی جائیں۔

اسلامی لشکر تبوک میں

اسلامی لشکر تبوک میں اُتر کر خیمہ زن ہوا۔ وہ رُومیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے تیار تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اہلِ لشکر کو مخاطب کرکے نہایت بلیغ خطبہ دیا۔ آپؐ نے جوامع الکلم ارشاد فرمائے دُنیا اور آخرت کی بھلائی کی رغبت دلائی، اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور اس کے انعامات کی خوشخبری دی۔ اس طرح فوج کا حوصلہ بلند ہوگیا۔ ان میں توشے، ضروریات اور سامان کی کمی کے سبب جو نقص اور خلل تھا وہ اس کا بھی ازالہ ہوگیا۔ دوسری طرف رومیوں اور ان کے حلیفوں کا یہ حال ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خبر سُن کر ان کے اندر خوف کی لہر دوڑ گئی۔ انہیں آگے بڑھنے اور ٹکر لینے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ اندرونِ مُلک مختلف شہروں میں بکھر گئے۔ ان کے اس طرزِ عمل کا اثر جزیرہ عرب کے اندر اور باہر مسلمانوں کی فوجی ساکھ پر بہت عمدہ مرتب ہوا اور مسلمانوں نے ایسے ایسے اہم سیاسی فوائد حاصل کئے کہ جنگ کی صورت میں اس کا حاصل کرنا آسان نہ ہوتا۔ تفصیل یہ ہے:

اَیلہ کے حاکم یحنہ بن روبہ نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر جزیہ کی ادائیگی منظور کی اور صُلح کا معاہدہ کیا۔ جَرْبَا اور اَذرُح کے باشندوں نے بھی خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوکر جزیہ دینا منظور کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ایک تحریر لکھدی جو ان کے پاس محفوظ تھی۔ آپؐ نے حاکمِ اَیلہ کو بھی ایک تحریر لکھ کر دی جو یہ تھی۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: یہ پروانۂ امن ہے اللہ کی جانب سے اور نبی محمدؐ رسول اللہ کی جانب سے یحنہ بن روبہ اور باشندگانِ ایلہ کے لیے۔ خشکی اور سمندر میں ان کی کشتیوں اور قافلوں کے لیے اللہ کا ذمہ ہے اور محمدؐ نبی کا ذمہ ہے اور یہی ذمہ ان شامی اور سمندری باشندوں کے لیے ہے جو یحنہ کے ساتھ ہوں۔ ہاں! اگر ان کا کوئی آدمی کوئی گڑبڑ کرے گا تو اس کا مال اس کی جان کے آگے روک نہ بن سکے گا اور جو آدمی

---

[۵] مسلم عن معاذ بن جبل ۲/۲۴۶

اس کا مال لے لے گا اس کے لیے وہ حلال ہو گا۔ انہیں کسی چشمے پر اُترنے اور خشکی یا سمندر کے کسی راستے پر چلنے سے منع نہیں کیا جا سکتا۔"

اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو بیس سواروں کا رسالہ دے کر دُومۃ الجندل کے حاکم اُکیدر کے پاس بھیجا اور فرمایا "تم اسے نیل گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لے گئے۔ جب اتنے فاصلے پر رہ گئے کہ قلعہ صاف نظر آ رہا تھا تو اچانک ایک نیل گائے نکلی اور قلعہ کے دروازے پر سینگ رگڑنے لگی۔ اُکیدر اس کے شکار کو نکلا۔ چاندنی رات تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے سواروں نے اُسے جا لیا اور گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپؐ نے اس کی جان بخشی کی اور دو ہزار اونٹ، آٹھ سو غلام، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دینے کی شرط پر مصالحت فرمائی۔ اس نے جزیہ بھی دینے کا اقرار کیا۔ چنانچہ آپؐ نے اس سے یحنہ سمیت دُومہ، تبوک، ایلہ اور تیماء کے شرائط کے مطابق معاملہ طے کیا۔

ان حالات کو دیکھ کر وہ قبائل جو اب تک رُومیوں کے آلۂ کار بنے ہوئے تھے، سمجھ گئے کہ اب اپنے ان پُرانے سرپرستوں پر اعتماد کرنے کا وقت ختم ہو چکا ہے اس لیے وہ بھی مسلمانوں کے حمایتی بن گئے۔ اس طرح اسلامی حکومت کی سرحدیں وسیع ہو کر براہِ راست رُومی سرحد سے جا ملیں اور رومیوں کے آلہ کاروں کا بڑی حد تک خاتمہ ہو گیا۔

مدینہ کو واپسی

اسلامی لشکر تبوک سے مظفر و منصور واپس آیا۔ کوئی ٹکر نہ ہوئی۔ اللہ جنگ کے معاملے میں مومنین کے لیے کافی ہوا۔ البتہ راستے میں ایک جگہ ایک گھاٹی کے پاس بارہ منافقین نے نبی ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت آپؐ اس گھاٹی سے گزر رہے تھے اور آپؐ کے ساتھ صرف حضرت عمارؓ تھے جو اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ تھے جو اونٹنی ہانک رہے تھے۔ باقی صحابہ کرام دُور وادی کے نشیب سے گزر رہے تھے اس لیے منافقین نے اس موقع کو اپنے ناپاک مقصد کے لیے غنیمت سمجھا اور آپؐ کی طرف قدم بڑھایا۔ ادھر آپؐ اور آپؐ کے دونوں ساتھی حسبِ معمول راستہ طے کر رہے تھے کہ پیچھے سے ان منافقین کے قدموں کی چاپیں سُنائی دیں۔ یہ سب چہروں پر ڈھاٹا باندھے ہوئے تھے اور اب آپؐ پر تقریباً چڑھ ہی آئے تھے کہ آپؐ نے حضرت حذیفہؓ کو ان کی جانب بھیجا۔ انہوں نے ان کی سواریوں کے چہروں پر اپنی ایک ڈھال سے ضرب لگانی شروع کی، جس سے اللہ نے انہیں مرعوب کر دیا اور وہ تیزی سے بھاگ کر لوگوں میں جا ملے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کے نام بتائے اور ان کے ارادے سے باخبر کیا۔ اسی لیے حضرت حذیفہؓ کو

رسول اللہ ﷺ کا "رازداں" کہا جاتا ہے۔ اسی واقعہ سے متعلق اللہ کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ "وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا (۹:۷۴) انہوں نے اس کام کا قصد کیا جسے وہ نہ پا سکے"۔

خاتمۂ سفر پر جب دُور سے نبی ﷺ کو مدینہ کے نقوش دکھائی پڑے تو آپؐ نے فرمایا: "یہ رہا طابہ، اور یہ رہا اُحد، یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبّت کرتا ہے اور جس سے ہم محبت کرتے ہیں"۔ ادھر مدینہ میں آپؐ کی آمد کی خبر پہنچی تو عورتیں بچّے اور بچیاں باہر نکل پڑیں اور زبردست اعزاز کے ساتھ لشکر کا استقبال کرتے ہوئے یہ نغمہ گنگنایا:[۹]

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

"ہم پر ثنیۃ الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ جب تک پکارنے والا اللہ کو پکارے ہم پر شکر واجب ہے"۔

رسول اللہ ﷺ تبوک کے لیے رجب میں روانہ ہوئے تھے اور واپس آئے تو رمضان کا مہینہ تھا۔ اس سفر میں پورے پچاس روز صرف ہوئے۔ بیس دن تبوک میں اور تیس دن آمد و رفت میں۔ یہ آپؐ کی حیاتِ مبارکہ کا آخری غزوہ تھا جس میں آپؐ نے بہ نفسِ نفیس شرکت فرمائی۔

مخلفین

یہ غزوہ اپنے مخصوص حالات کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سخت آزمائش بھی تھا جس سے اہلِ ایمان اور دوسرے لوگوں میں تمیز ہوگئی۔ اور اس قسم کے موقع پر اللہ تعالیٰ کا دستور بھی یہی ہے، ارشاد ہے:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (۳:۱۷۹)

"اللہ مومنین کو اسی حالت پر چھوڑ نہیں سکتا جس پر تم لوگ ہو یہاں تک کہ خبیث کو پاکیزہ سے علیحدہ کر دے"۔

چنانچہ اس غزوہ میں سارے کے سارے مومنین صادقین نے شرکت کی اور اس سے غیر حاضری نفاق کی علامت قرار پائی۔ چنانچہ کیفیت یہ تھی کہ اگر کوئی پیچھے رہ گیا تھا اور اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا جاتا تو آپؐ فرماتے کہ اسے چھوڑ دو۔ اگر اس میں خیر ہے تو اللہ اسے جلد ہی تمہارے پاس پہنچا دے گا اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اللہ نے تمہیں اس سے راحت دے دی ہے۔ غرض اس غزوے سے یا تو وہ لوگ پیچھے رہے جو معذور تھے یا وہ لوگ جو منافق تھے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے ایمان کا جھوٹا

---

[۹] یہ ابنِ قیم کا ارشاد ہے اور اس پر بحث گزر چکی ہے۔

دعویٰ کیا تھا اور اب جھوٹا عذر پیش کر کے غزوہ میں شریک نہ ہونے کی اجازت لے لی تھی اور پیچھے بیٹھ رہے تھے یا سرے سے اجازت لیے بغیر ہی بیٹھے رہ گئے تھے۔ ہاں تین آدمی ایسے تھے جو سچے اور پکے مومن تھے اور کسی وجہ جواز کے بغیر پیچھے رہ گئے تھے۔ انہیں اللہ نے آزمائش میں ڈالا اور پھر ان کی توبہ قبول کی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ واپسی پر رسول اللہ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے تو حسبِ معمول سب سے پہلے مسجد نبوی میں تشریف لے گئے وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر لوگوں کی خاطر بیٹھ گئے۔ ادھر منافقین نے جن کی تعداد اسّی سے کچھ زیادہ تھی[1]، آکر عذر پیش کرنے شروع کر دیئے اور قسمیں کھانے لگے۔ آپؐ نے ان سے ان کا ظاہر قبول کرتے ہوئے بیعت کر لی اور دُعائے مغفرت کی اور ان کا باطن اللہ کے حوالے کر دیا۔

باقی رہے تینوں مومنین صادقین ـــ یعنی حضرت کعبؓ بن مالک، مرارہؓ بن ربیع اور ہلالؓ بن اُمیہ ـــ تو انہوں نے سچائی اختیار کرتے ہوئے اقرار کیا کہ ہم نے کسی مجبوری کے بغیر غزوے میں شرکت نہیں کی تھی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ ان تینوں سے بات چیت نہ کریں۔ چنانچہ ان کے خلاف سخت بائیکاٹ شروع ہو گیا۔ لوگ بدل گئے، زمین بھیانک بن گئی اور کشادگی کے باوجود تنگ ہو گئی۔ خود ان کی اپنی جان پر بن آئی۔ سختی یہاں تک بڑھی کہ چالیس روز گزرنے کے بعد حکم دیا گیا کہ اپنی عورتوں سے بھی الگ رہیں جب بائیکاٹ پر پچاس روز پورے ہو گئے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کئے جانے کا مژدہ نازل کیا۔ ارشاد ہوا :

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ (۹ : ۱۱۸)

"اور اللہ نے ان تین آدمیوں کی بھی توبہ قبول کی جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور انکی جان بھی ان پر تنگ ہو گئی اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ سے (بھاگ کر) کوئی جائے پناہ نہیں ہے مگر اسی کی طرف۔ پھر اللہ ان پر رجوع ہوا تاکہ وہ توبہ کریں یقیناً اللہ توبہ قبول کرنیوالا رحیم ہے"

اس فیصلے کے نزول پر مسلمان عموماً اور یہ تینوں صحابہ کرام خصوصاً بے حد و حساب خوش ہوئے۔ لوگوں نے دوڑ دوڑ کر بشارت دی۔ خوشی سے چہرے کھل اُٹھے اور انعامات اور صدقے دیئے۔ درحقیقت یہ ان کی زندگی کا

---

[1] واقدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ تعداد منافقینِ انصار کی تھی۔ ان کے علاوہ بنی غفار وغیرہ اعراب میں سے معذرت کرنے والوں کی تعداد بھی بیاسی تھی؛ پھر عبداللہ بن اُبیّ اور اس کے پیروکاران کے علاوہ تھے اور ان کی بھی خاصی بڑی تعداد تھی۔ (دیکھئے فتح الباری ۸/۱۱۹)

سب سے باسعادت دن تھا۔

اسی طرح جو لوگ معذوری کی وجہ سے شریکِ غزوہ نہ ہو سکے تھے ان کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ (۹: ۹۱)

"کمزوروں پر، مریضوں پر اور جو لوگ خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ پائیں ان پر کوئی حرج نہیں جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ ہوں۔"

ان کے متعلق نبی ﷺ نے بھی مدینہ کے قریب پہنچ کر فرمایا تھا: "مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم نے جس جگہ بھی سفر کیا اور جو وادی بھی طے کی وہ تمہارے ساتھ رہے، انہیں عذر نے روک رکھا تھا۔" لوگوں نے کہا "یا رسول اللہ ﷺ! وہ مدینہ میں رہتے ہوئے بھی (ہمارے ساتھ تھے)؟ آپؐ نے فرمایا" (ہاں) مدینہ میں رہتے ہوئے بھی۔

اس غزوے کا اثر

یہ غزوہ جزیرۃ العرب پر مسلمانوں کا اثر پھیلانے اور اسے تقویت پہنچانے میں بڑا مؤثر ثابت ہوا۔ لوگوں پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ اب جزیرۃ العرب میں اسلام کی طاقت کے سوا اور کوئی طاقت زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس طرح جاہلین اور منافقین کی وہ بچی کھچی آرزوئیں اور اُمیدیں بھی ختم ہو گئیں جو مسلمانوں کے خلاف گردشِ زمانہ کے انتظار میں ان کے نہاں خانۂ دل میں پنہاں تھیں، کیونکہ ان کی ساری امیدوں اور آرزوؤں کا محور رُومی طاقت تھی اور اس غزوے میں اس کا بھی بھرم کھل گیا تھا اس لیے ان حضرات کے حوصلے ٹوٹ گئے اور انہوں نے امرِ واقعہ کے سامنے سپر ڈال دی کہ اب اس سے بھاگنے اور چھٹکارا پانے کی کوئی راہ ہی نہیں رہ گئی تھی۔

اور اسی صورتِ حال کی بناء پر اب اس کی بھی ضرورت نہیں رہ گئی تھی کہ مسلمان، منافقین کے ساتھ رفق و نرمی کا معاملہ کریں؛ لہٰذا اللہ نے ان کے خلاف سخت رویہ اختیار کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ یہاں تک کہ ان کے صدقے قبول کرنے، ان کی نمازِ جنازہ پڑھنے، ان کے لیے دُعائے مغفرت کرنے اور ان کی ——— قبروں پر کھڑے ہونے سے روک دیا اور انہوں نے مسجد کے نام پر سازش اور دسیسہ کاری کا جو گھونسلہ تعمیر کیا تھا اسے ڈھا دینے کا حکم دیا۔ پھر ان کے بارے میں ایسی ایسی آیات نازل فرمائیں کہ وہ بالکل ننگے ہو گئے اور انہیں پہچاننے میں کوئی ابہام نہ رہا۔ گویا اہلِ مدینہ کے لیے ان آیات نے ان منافقین پر انگلیاں رکھ دیں۔

اس غزوے کے اثرات کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد (بلکہ اس سے پہلے بھی)

عرب کے وفود اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آنا شروع ہو گئے تھے، لیکن ان کی بھرمار اس غزوے کے بعد ہی ہوئی۔[1]

اس غزوے سے متعلق قرآن کا نزول

اس غزوے سے متعلق سورہ توبہ کی بہت سی آیات نازل ہوئیں۔ کچھ روانگی سے پہلے، کچھ روانگی کے بعد دورانِ سفر، اور کچھ مدینہ واپس آنے کے بعد۔ ان آیات میں غزوے کے حالات ذکر کئے گئے ہیں، منافقین کا پردہ کھولا گیا ہے، مخلص مجاہدین کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور مومنین صادقین جو غزوے میں گئے تھے اور جو نہیں گئے تھے ان کی توبہ کی قبولیت کا ذکر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

سنہ ۹ھ کے بعض اہم واقعات

اس سن (۹ھ) میں تاریخی اہمیت کے متعدد واقعات پیش آئے:

۱۔ تبوک سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد عُوَیمر عجلانی اور ان کی بیوی کے درمیان لِعان ہوا۔

۲۔ غامدیہ عورت کو جس نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر بدکاری کا اقرار کیا تھا، رجم کیا گیا۔ اس عورت نے بچے کی پیدائش کے بعد جب دودھ چھڑا لیا تب اسے رجم کیا گیا تھا۔

۳۔ اَصْحَمہ نجاشی شاہ حبشہ نے وفات پائی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

۴۔ نبی ﷺ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ ان کی وفات پر آپؐ کو سخت غم ہوا اور آپؐ نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ اگر میرے پاس تیسری لڑکی ہوتی تو اس کی شادی بھی تم سے کر دیتا۔

۵۔ تبوک سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد راس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے دُعائے مغفرت کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روکنے کے باوجود اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ بعد میں وحی نازل ہوئی اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت اور تائید کرتے ہوئے منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔

---

[1] اس غزوے کی تفاصیل مآخذ ذیل سے لی گئی ہیں: ابن ہشام ۲/ ۵۱۵ تا ۵۳۷، زاد المعاد ۳/ ۲ تا ۱۳، صحیح بخاری ۲/ ۶۳۳ تا ۶۳۷ و ۱/ ۲۵۲، ۴۱۴ وغیرہ، صحیح مسلم مع شرح نووی ۲/ ۲۴۶، فتح الباری ۸/ ۱۱۰ تا ۱۲۶، مختصر السیرہ للشیخ عبداللہ ص ۳۹۱ تا ۴۰۷۔

حج ۹ھ (زیرِ امارت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ)

اسی سال ذی قعدہ یا ذی الحجہ (۹ھ) میں رسول اللہ ﷺ نے مناسکِ حج قائم کرنے کی غرض سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا۔

اس کے بعد سورہ براءت کا ابتدائی حصہ نازل ہوا جس میں مشرکین سے کئے گئے عہد و پیمان کو برابری کی بنیاد پر ختم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس حکم کے آجانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تاکہ وہ آپؐ کی جانب سے اس کا اعلان کر دیں۔ ایسا اس لیے کرنا پڑا کہ خون اور مال کے عہد و پیمان کے سلسلے میں عرب کا یہی دستور تھا (کہ آدمی یا تو خود اعلان کرے یا اپنے خاندان کے کسی فرد سے اعلان کرائے۔ خاندان سے باہر کے کسی آدمی کا کیا ہوا اعلان تسلیم نہیں کیا جاتا تھا) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات عرج یا وادیٔ ضجنان میں ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے دریافت کیا کہ امیر ہو یا مامور؟ حضرت علیؓ نے کہا، نہیں بلکہ مامور ہوں۔ پھر دونوں آگے بڑھے —— حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا۔ جب (دسویں تاریخ) یعنی قربانی کا دن آیا تو حضرت علیؓ بن ابی طالب نے جمرہ کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں میں وہ اعلان کیا جس کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا۔ یعنی تمام عہد والوں کا عہد ختم کر دیا اور انہیں چار مہینے کی مہلت دی۔ اسی طرح جن کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہ تھا انہیں بھی چار مہینے کی مہلت دی۔ البتہ جن مشرکین نے مسلمانوں سے عہد نبھانے میں کوئی کوتاہی نہ کی تھی اور نہ مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد کی تھی، اُن کا عہد ان کی طے کردہ مدت تک برقرار رکھا۔

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت بھیج کر یہ اعلانِ عام کرایا کہ آئندہ سے کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا اور نہ کوئی ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف کر سکتا ہے۔

یہ اعلان گویا جزیرۃ العرب سے بُت پرستی کے خاتمے کا اعلان تھا۔ یعنی اس سال کے بعد بُت پرستی کے لیے آمد و رفت کی کوئی گنجائش نہیں[1]

---

[1] اس حج کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، صحیح بخاری ۱/۲۲۰، ۴۵۱، ۲/۶۲۶، ۶۷۱، زاد المعاد ۳/۲۵، ۲۶، ابن ہشام ۲/۵۴۳ تا ۵۴۶۔ اور کتبِ تفسیر ابتدا سورۂ براءت۔

غزوات پر ایک نظر

نبی ﷺ کے غزوات، سرایا اور فوجی مہمات پر ایک نظر ڈالنے کے بعد کوئی بھی شخص جو جنگ کے ماحول، پس منظر و پیش منظر اور آثار و نتائج کا علم رکھتا ہو یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نبی ﷺ دُنیا کے سب سے بڑے اور باکمال فوجی کمانڈر تھے۔ آپؐ کی سوجھ بوجھ سب سے زیادہ درست اور آپؐ کی فراست اور بیدار مغزی سب سے زیادہ گہری تھی۔ آپؐ جس طرح نبوّت و رسالت کے اوصاف میں سیّد الرسل اور اعظم الانبیاء تھے، اسی طرح فوجی قیادت کے وصف میں بھی آپؐ یگانۂ روزگار اور نادر عبقریت کے مالک تھے۔ چنانچہ آپؐ نے جو بھی معرکہ آرائی کی اس کے لیے ایسے حالات و جہات کا انتخاب فرمایا جو حزم و تدبّر اور حکمت و شجاعت کے عین مطابق تھے۔ کسی معرکے میں حکمت عملی، لشکر کی ترتیب اور حسّاس مراکز پر اس کی تعیناتی، موزوں ترین مقام جنگ کے انتخاب اور جنگی پلاننگ وغیرہ میں آپؐ سے کبھی کوئی چوک نہیں ہوئی اور اسی لیے اس بنیاد پر آپؐ کو کبھی کوئی زِک نہیں اٹھانی پڑی، بلکہ ان تمام جنگی معاملات و مسائل کے سلسلے میں آپؐ نے اپنے عملی اقدامات سے ثابت کر دیا کہ دُنیا بڑے بڑے کمانڈروں کے تعلق سے جس طرح کی قیادت کا علم رکھتی ہے آپؐ اس سے بہت کچھ مختلف ایک نرالی ہی قسم کی کمانڈرانہ صلاحیّت کے مالک تھے۔ جس کے ساتھ شکست کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ اس موقع پر یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اُحد اور حُنَین میں جو کچھ پیش آیا اس کا سبب رسول اللہ ﷺ کی کسی حکمتِ عملی کی خامی نہ تھی بلکہ اس کے پیچھے حُنین میں کچھ افرادِ لشکر کی بعض کمزوریاں کارفرما تھیں اور اُحد میں آپؐ کی نہایت اہم حکمت عملی اور لازمی ہدایات کو نہایت فیصلہ کن لمحات میں نظر انداز کر دیا گیا تھا۔

پھر ان دونوں غزوات میں جب مسلمانوں کو زِک اٹھانے کی نوبت آئی تو آپؐ نے جس عبقریت کا مظاہرہ فرمایا وہ اپنی مثال آپ تھی۔ آپؐ دشمن کے مدِمقابل ڈٹے رہے اور اپنی نادرۂ روزگار حکمت عملی سے اسے یا تو اس کے مقصد میں ناکام بنا دیا ـــــ جیسا کہ اُحد میں ہوا ـــــ یا جنگ کا پانسہ اس طرح پلٹ دیا کہ مُسلمانوں کی شکست، فتح میں تبدیل ہو گئی ـــــ جیسا کہ حنین میں ہوا ـــــ حالانکہ اُحد جیسی خطرناک صورت حال اور حنین جیسی بے لگام بھگدڑ سپہ سالاروں کی قوتِ فیصلہ سلب کر لیتی ہے اور ان کے اعصاب پر اتنا بدترین

اثر ڈالتی ہے کہ انہیں اپنے بچاؤ کے علاوہ اور کوئی فکر نہیں رہ جاتی۔

یہ گفتگو تو ان غزوات کے خالص فوجی اور جنگی پہلو سے تھی۔ باقی رہے دوسرے گوشے تو وہ بھی بے حد اہم ہیں۔ آپؐ نے ان غزوات کے ذریعے امن و امان قائم کیا، فتنے کی آگ بجھائی اسلام و بُت پرستی کی کشمکش میں دشمن کی شوکت توڑ کر رکھ دی اور انہیں اسلامی دعوت و تبلیغ کی راہ آزاد چھوڑنے اور مصالحت کرنے پر مجبور کر دیا۔ اسی طرح آپؐ نے ان جنگوں کی بدولت یہ بھی معلوم کر لیا کہ آپؐ کا ساتھ دینے والوں میں کون سے لوگ مخلص ہیں اور کون سے لوگ منافق، جو نہاں خانۂ دل میں غدر و خیانت کے جذبات چھپائے ہوئے ہیں۔

پھر آپؐ نے محاذ آرائی کے عملی نمونوں کے ذریعے مسلمان کمانڈروں کی ایک زبردست جماعت بھی تیار کر دی جنہوں نے آپؐ کے بعد عراق و شام کے میدانوں میں فارس و روم سے ٹکر لی، اور جنگی پلاننگ اور تکنیک میں ان کے بڑے بڑے کمانڈروں کو مات دے کر انہیں ان کے مکانات و سرزمین سے، اموال و باغات سے، چشموں اور کھیتوں سے، آرام دہ اور باعزت مقام سے اور مزے دار نعمتوں سے نکال باہر کیا۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ان غزوات کی بدولت مسلمانوں کے لیے رہائش، کھیتی، پیشے اور کام کا انتظام فرمایا۔ بے خانماں اور محتاج پناہ گزینوں کے مسائل حل فرمائے۔ ہتھیار، گھوڑے، ساز و سامان اور اخراجاتِ جنگ مہیا کئے اور یہ سب کچھ اللہ کے بندوں پر ذرہ برابر ظلم و زیادتی اور جور و جفا کئے بغیر حاصل کیا۔

آپؐ نے ان اسباب و وجوہ اور اغراض و مقاصد کو بھی تبدیل کر ڈالا جن کے لیے دورِ جاہلیت میں جنگ کے شعلے بھڑکا کرتے تھے، یعنی دورِ جاہلیت میں جنگ نام تھی لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا، ظلم و زیادتی اور انتقام و تشدد کا، کمزوروں کو کچلنے، آبادیاں ویران کرنے اور عمارتیں ڈھانے کا، عورتوں کی بے حُرمتی کرنے اور بوڑھوں، بچوں اور بچیوں کے ساتھ سنگدلی سے پیش آنے کا، کھیتی باڑی اور جانوروں کو ہلاک کرنے اور زمین میں تباہی و فساد مچانے کا۔ مگر اسلام نے اس جنگ کی رُوح تبدیل کر کے اسے ایک مقدس جہاد میں بدل دیا۔ جسے نہایت موزوں اور معقول اسباب کے تحت شروع کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے ایسے شریفانہ مقاصد اور بلند پایہ اغراض حاصل کئے جاتے ہیں جنہیں ہر زمانے اور ہر ملک میں انسانی معاشرہ کے لیے باعثِ اعزاز تسلیم کیا گیا ہے۔ کیونکہ اب جنگ کا مفہوم یہ ہو گیا تھا کہ انسان کو قہر و ظلم کے نظام سے نکال کر عدل و انصاف کے نظام میں لانے کی مسلح جد و جہد کی جائے۔ یعنی ایک ایسے نظام کو جس میں طاقتور کمزور کو کھا رہا ہو، اُلٹ کر ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں طاقتور کمزور ہو جائے جب تک کہ اس سے

کمزور کا حق لے نہ لیا جائے۔ اسی طرح اب جنگ کا معنیٰ یہ ہوگیا تھا کہ ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو نجات دلائی جائے جو دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔ اور ہمارے لیے اپنے پاس سے ولی بنا، اور اپنے پاس سے مددگار بنا۔ نیز اس جنگ کا معنی یہ ہوگیا کہ اللہ کی زمین کو غدر و خیانت، ظلم و ستم اور بدی و گناہ سے پاک کرکے اس کی جگہ امن و امان، رافت و رحمت، حقوق رسانی اور مروت و انسانیت کا نظم بحال کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے لیے شریفانہ ضوابط بھی مقرر فرمائے اور اپنے فوجیوں اور کمانڈروں پر ان کی پابندی لازمی قرار دیتے ہوئے کسی حال میں ان سے باہر جانے کی اجازت نہ دی۔ حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی لشکر یا سریّہ کا امیر مقرر فرماتے تو اسے خاص اس کے اپنے نفس کے بارے میں اللہ عزوجل کے تقویٰ کی اور اس کے مسلمان ساتھیوں کے بارے میں خیر کی وصیت فرماتے۔ پھر فرماتے: "اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں غزوہ کرو۔ جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ان سے لڑائی کرو۔ غزوہ کرو، خیانت نہ کرو، بدعہدی نہ کرو، ناک کان وغیرہ نہ کاٹو، کسی بچے کو قتل نہ کرو" الخ

اسی طرح آپ آسانی برتنے کا حکم دیتے اور فرماتے: "آسانی کرو، سختی نہ کرو۔ لوگوں کو سکون دلاؤ، متنفر نہ کرو۔"[1] اور جب رات میں آپؐ کسی قوم کے پاس پہنچتے تو صبح ہونے سے پہلے چھاپہ نہ مارتے۔ نیز آپؐ نے کسی کو آگ میں جلانے سے نہایت سختی کے ساتھ منع کیا۔ اسی طرح باندھ کر قتل کرنے اور عورتوں کو مارنے اور انہیں قتل کرنے سے بھی منع کیا اور لوٹ مار سے روکا۔ حتیٰ کہ آپؐ نے فرمایا کہ لوٹ کا مال مردار کی طرح ہی حرام ہے۔ اسی طرح آپؐ نے کھیتی باڑی تباہ کرنے، جانور ہلاک کرنے اور درخت کاٹنے سے منع فرمایا، سوائے اس صورت کے کہ اس کی سخت ضرورت آن پڑے اور درخت کاٹے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو۔ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے یہ بھی فرمایا: "کسی زخمی پر حملہ نہ کرو کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرو، اور کسی قیدی کو قتل نہ کرو۔" آپؐ نے یہ سُنّت بھی جاری فرمائی کہ سفیر کو قتل نہ کیا جائے۔ نیز آپؐ نے معاہدین (غیر مسلم شہریوں) کے قتل سے بھی نہایت سختی سے روکا یہاں تک کہ فرمایا: "جو شخص کسی معاہد کو قتل کرے گا وہ جنّت کی خوشبو نہیں پائے گا۔ حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کے فاصلے سے پائی جاتی ہے۔"

یہ اور اس طرح کے دوسرے بلند پایہ قواعد و ضوابط تھے جن کی بدولت جنگ کا عمل جاہلیت کی گندگیوں سے پاک و صاف ہو کر مقدس جہاد میں تبدیل ہوگیا۔

---

[1] صحیح مسلم ۲/۸۲، ۸۳

اللہ کے دین میں فوج در فوج داخلہ

جیسا کہ ہم نے عرض کیا غزوۂ فتح مکہ ایک فیصلہ کن معرکہ تھا جس نے بُت پرستی کا کام تمام کر دیا اور سارے عرب کے لیے حق و باطل کی پہچان ثابت ہوا۔ اس کی وجہ سے ان کے شبہات جاتے رہے اسی لیے اس کے بعد انہوں نے بڑی تیز رفتاری سے اسلام قبول کیا۔ حضرت عمرؓو بن سلمہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک چشمے پر (آباد) تھے جو لوگوں کی گزرگاہ تھا۔ ہمارے ہاں سے قافلے گزرتے رہتے تھے اور ہم ان سے پوچھتے رہتے تھے کہ لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس آدمی ـــــ یعنی نبی ﷺ ـــــ کا کیا حال ہے؟ اور کیسا ہے؟ لوگ کہتے: "وہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے اسے پیغمبر بنایا ہے؛ اس کے پاس وحی بھیجی ہے؛ اللہ نے یہ اور یہ وحی کی ہے"۔ میں یہ بات یاد کر لیتا تھا، گویا وہ میرے سینے میں چپک جاتی تھی اور عرب حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لیے فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے۔ کہتے تھے: "اسے اور اس کی قوم کو (پنجہ آزمائی کے لیے) چھوڑ دو۔ اگر وہ اپنی قوم پر غالب آگیا تو سچا نبی ہے۔ چنانچہ جب فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا تو ہر قوم نے اپنے اسلام کے ساتھ (مدینہ کی جانب) پیش رفت کی اور میرے والد بھی میری قوم کے اسلام کے ساتھ تشریف لے گئے اور جب (خدمتِ نبویؐ سے) واپس آئے تو فرمایا' میں تمہارے پاس خُدا کی قسم ایک نبیؐ برحق کے پاس سے آرہا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ فلاں نماز فلاں وقت پڑھو اور فلاں نماز فلاں وقت پڑھو۔ اور جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان کہے' اور جسے قرآن زیادہ یاد ہو وہ امامت کرے[1]

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ فتح مکہ کا واقعہ حالات کو تبدیل کرنے میں، اسلام کو قوت بخشنے میں، اہلِ عرب کا موقف متعین کرانے میں اور اسلام کے سامنے انہیں سپر انداز کرنے میں کتنے گہرے اور دُور رس اثرات رکھتا تھا۔ یہ کیفیت غزوہ تبوک کے بعد پختہ سے پختہ تر ہو گئی۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ان دو برسوں ۹ھ اور ۱۰ھ ـــــ میں مدینہ آنے والے وفود کا تانتا بندھا ہوا تھا اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے تھے، یہاں تک کہ وہ اسلامی لشکر جو فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار سپاہ پر مشتمل تھا اس کی تعداد غزوہ تبوک میں (جبکہ ابھی فتح مکہ پر پورا ایک سال بھی نہیں گزرا تھا) اتنی بڑھ گئی کہ وہ تیس ہزار فوجیوں کے

---

[1] صحیح بخاری ۲/۶۱۵، ۶۱۶

ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں تبدیل ہوگیا؛ پھر ہم حجۃ الوداع میں دیکھتے ہیں کہ ایک لاکھ ۲۴ ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار اہلِ اسلام کا سیلاب امنڈ پڑا ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے گرداگرد اس طرح لبیک پکارتا، تکبیر کہتا اور حمد و تسبیح کے نغمے گنگناتا ہے کہ آفاق گونج اُٹھتے ہیں اور وادی و کوہسار نغمۂ توحید سے معمور ہو جاتے ہیں۔

وفود

اہلِ مغازی نے جن وفود کا تذکرہ کیا ہے ان کی تعداد ستر سے زیادہ ہے۔ لیکن یہاں نہ تو ان سب کے ذکر کی گنجائش ہے اور نہ ان کے تفصیلی بیان میں کوئی بڑا فائدہ ہی مضمر ہے اس لیے ہم صرف انہی وفود کا ذکر کر رہے ہیں جو تاریخی حیثیت سے اہمیت و ندرت کے حامل ہیں۔ قارئین کرام کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ اگرچہ عام قبائل کے وفود فتح مکہ کے بعد خدمت نبویؐ میں حاضر ہونا شروع ہوئے تھے لیکن بعض بعض قبائل ایسے بھی تھے جن کے وفود فتح مکہ سے پہلے ہی مدینہ آچکے تھے۔ یہاں ہم ان کا ذکر بھی کر رہے ہیں۔

۱۔ وفد عبدالقیس ـــــ اس قبیلے کا وفد دو بار خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا تھا۔ پہلی بار ۵ھ میں یا اس سے بھی پہلے اور دوسری بار عام الوفود ۹ھ میں۔ پہلی بار اس کی آمد کی وجہ یہ ہوئی کہ اس قبیلے کا ایک شخص منقذ بن حبان سامان تجارت لے کر مدینہ آیا جایا کرتا تھا۔ وہ جب نبی ﷺ کی ہجرت کے بعد پہلی بار مدینہ آیا اور اسے اسلام کا علم ہوا تو وہ مسلمان ہوگیا اور نبی ﷺ کا ایک خط لے کر اپنی قوم کے پاس گیا۔ ان لوگوں نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ اور ان کے ۱۳ یا ۱۴ آدمیوں کا ایک وفد حرمت والے مہینے میں خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا۔ اسی دفعہ اس وفد نے نبی ﷺ سے ایمان اور مشروبات کے متعلق سوال کیا تھا۔ اس وفد کا سربراہ الاشج العصریؓ تھا جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم میں دو ایسی خصلتیں ہیں جنہیں اللہ پسند کرتا ہے۔ (۱) دُور اندیشی اور (۲) بُردباری۔

دوسری بار اس قبیلے کا وفد جیسا کہ بتایا گیا وفود والے سال میں آیا تھا۔ اس وقت ان کی تعداد چالیس تھی اور ان میں علاء بن جارود عبدی تھا جو نصرانی تھا، لیکن مُسلمان ہوگیا اور اس کا اسلام بہت خوب رہا۔[۳]

۲۔ وفدِ دَوس ـــــ یہ وفد ۷ھ کے اوائل میں مدینہ آیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ خیبر میں تھے۔ آپ پچھلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں کہ اس قبیلے کے سربراہ حضرت طُفَیل بن عَمرو دَوسی رضی اللہ عنہ اس وقت حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تھے جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے۔ پھر انہوں نے اپنی قوم میں واپس جا کر اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام مسلسل کیا لیکن ان کی قوم برابر ٹالتی اور تاخیر کرتی رہی یہاں تک کہ حضرت طفیل ان کی طرف سے مایوس ہوگئے۔ پھر انہوں نے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ قبیلہ دوس پر

---

[۲] مرعاۃ المفاتیح، ۱/۷۱ [۳] شرح صحیح مسلم للنووی ۱/۳۳، فتح الباری ۸/۸۵، ۸۶

بددُعا کر دیجئے لیکن آپ نے فرمایا: اے اللہ! دوس کو ہدایت دے۔ اور آپ کی اس دُعا کے بعد اس قبیلے کے لوگ مسلمان ہو گئے۔ حضرت طفیل نے اپنی قوم کے ستّر یا اسّی گھرانوں کی جمعیت لے کر ۷ھ کے اوائل میں اس وقت مدینہ ہجرت کی جب نبی ﷺ خیبر میں تشریف فرما تھے۔ اس کے بعد حضرت طفیل رضی اللہ عنہ خیبر میں آپؐ کے ساتھ جا ملے۔

۳۔ فَرْوَہ بن عَمْرو جذامی کا پیغام رسان ـــــ حضرت فَرْوَہؓ، رومی سپاہ کے اندر ایک عربی کمانڈر تھے۔ انہیں رُومیوں نے اپنی حدود سے متصل عرب علاقوں کا گورنر بنا رکھا تھا۔ ان کا مرکز معان (جنوبی اُردن) تھا اور عملداری گرد و پیش کے علاقے میں تھی۔ انہوں نے جنگِ مُوتہ (۸ھ) میں مسلمانوں کی معرکہ آرائی، شجاعت اور جنگی پختگی دیکھ کر اسلام قبول کر لیا اور ایک قاصد بھیج کر رسول اللہ ﷺ کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی۔ تحفہ میں ایک سفید خچر بھی بھجوایا۔ رُومیوں کو ان کے مُسلمان ہونے کا علم ہوا تو انہوں نے پہلے تو انہیں گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا پھر اختیار دیا کہ یا تو مرتد ہو جائیں یا موت کے لیے تیار رہیں۔ انہوں نے ارتداد پر موت کو ترجیح دی۔ چنانچہ انہیں فلسطین میں عفراء نامی ایک چشمے پر سولی دے کر شہید کر دیا گیا۔[۴۷]

۴۔ وفدِ صَدَاء ـــــ یہ وفد ۸ھ میں جِعرّانہ سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد حاضرِ خدمت ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے چار سو مسلمانوں کی ایک مہم تیار کر کے اسے حکم دیا کہ یمن کا وہ گوشہ روند آویں جس میں قبیلہ صَدَاء رہتا ہے۔ یہ مہم ابھی وادی قناۃ کے سرے پر خیمہ زن تھی کہ حضرت زیاد بن حارث صدائی کو اس کا علم ہو گیا۔ وہ بھاگم بھاگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرے پیچھے جو لوگ ہیں میں ان کے نمائندہ کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں لہٰذا آپ لشکر واپس بلا لیں۔ اور میں آپ کے لیے اپنی قوم کا ضامن ہوں۔ آپ نے وادی قناۃ ہی سے لشکر واپس بلا لیا۔ اس کے بعد حضرت زیاد نے اپنی قوم میں واپس جا کر انہیں ترغیب دی کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ان کی ترغیب پر پندرہ آدمی خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور قبولِ اسلام پر بیعت کی۔ پھر اپنی قوم میں واپس جا کر اسلام کی تبلیغ کی، اور ان میں اسلام پھیل گیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ان کے ایک سو آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شرفِ باریابی حاصل کیا۔

۵۔ کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ کی آمد ـــــ یہ شخص ایک شاعر خانوادے کا چشم و چراغ تھا اور خود بھی عرب کا عظیم ترین شاعر تھا۔ یہ کافر تھا اور نبی ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ امام حاکم کے بقول یہ بھی ان

---

[۴۷] زاد المعاد ۳/ ۴۵

مجرموں کی فہرست میں شامل تھا جن کے متعلق فتح مکہ کے موقع پر حکم دیا گیا تھا کہ اگر وہ خانہ کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے پائے جائیں تو بھی ان کی گردن مار دی جائے۔ لیکن یہ شخص بچ نکلا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ غزوہ طائف (۸ھ) سے واپس ہوئے تو کعب کے پاس اس کے بھائی بجیر بن زہیر نے لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے کئی ان افراد کو قتل کرا دیا ہے جو آپؐ کی ہجو کرتے اور آپؐ کو ایذائیں پہنچاتے تھے۔ قریش کے بچے کھچے شعراء میں سے جس کے جدھر سینگ سمائے ہیں نکل بھاگا ہے لہٰذا اگر تمہیں اپنی جان کی ضرورت ہے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس اُڑ کر آجاؤ، کیونکہ کوئی بھی شخص توبہ کر کے آپؐ کے پاس آجائے تو آپؐ اسے قتل نہیں کرتے؛ اور اگر یہ بات منظور نہیں تو پھر جہاں نجات مل سکے نکل بھاگو۔ اس کے بعد دونوں بھائیوں میں مزید خط و کتابت ہوئی جس کے نتیجہ میں کعب بن زہیر کو زمین تنگ محسوس ہونے لگی اور اسے اپنی جان کے لالے پڑتے نظر آئے اس لیے آخر کار وہ مدینہ آگیا اور جُہینہ کے ایک آدمی کے ہاں مہمان ہوا۔ پھر اسی کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوا تو جُہینی نے اشارہ کیا اور وہ اُٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس جا بیٹھا اور اپنا ہاتھ آپؐ کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ اسے پہچانتے نہ تھے۔ اس نے کہا: "اے اللہ کے رسول! کعب بن زہیر توبہ کر کے مسلمان ہو گیا ہے اور آپؐ سے امن کا خواستگار بن کر آیا ہے تو کیا اگر میں اسے آپؐ کی خدمت میں حاضر کر دوں تو آپؐ اس کے اسلام کو قبول فرمالیں گے؟" آپؐ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔ یہ سُن کر ایک انصاری صحابی اس پر جھپٹ پڑے اور اس کی گردن مارنے کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے فرمایا: "چھوڑ دو، یہ شخص تائب ہو کر اور پچھلی باتوں سے دستکش ہو کر آیا ہے۔"

اس کے بعد اسی موقع پر کعب بن زہیر نے اپنا مشہور قصیدہ آپ کو پڑھ کر سنایا جس کی ابتدا یوں ہے۔

بانت سُعادُ فقلبی الیومَ متبول　　متیم اِثرھا لم یفد، مکبول

"سُعاد دُور ہو گئی تو میرا دل بے قرار ہے۔ اس کے پیچھے وارفتہ اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس کا فدیہ نہیں دیا گیا۔"

اس قصیدے میں کعب نے رسول اللہ ﷺ سے معذرت کرتے ہوئے اور آپ کی مدح کرتے ہوئے آگے یوں کہا ہے:

نُبِّئتُ انَّ رسول اللہ اَوْعَدَنِی　　وَالعفوُ عند رسول اللہ مأمولُ

مَھلاً ھداک الذی اعطاک نافلۃ الـ ...　　قرآن فیھا مواعیظ وتفصیلُ

لاتأخذن بأقوال الوشاۃِ وَلَمْ　　اُذنِب ولوکَثُرَتْ فِیَّ الاقاوِیلُ

لقد اَقومُ مقاماً لو یقومُ بہ　　اَرِیٰ، واَسمعُ مالو یسمعُ الفِیلُ

لَظَلَّ یَرعدُ إلاّ أن یکونَ لہ　　من الرسول باذن اللہ تنویلُ
حتی وضعتُ یمینی ما أنازعُہٗ　　فی کف ذی نقمات قیلہ القیلُ
فلَھُوَ أخوفُ عندی إذ أکلّمُہٗ　　وقیل! إنک منسوبٌ ومسئولُ
من ضیغم بضراء الارض مخدرہ　　فی بطن عثر غیل دونہ غیلُ
إنّ الرسول لنورٌ یُستضاءُ بہٖ　　مُھنّدٌ من سیوفِ اللہ مَسلُولُ

"مجھے بتایا گیا ہے کہ اللہ کے رسول نے مجھے دھمکی دی ہے، حالانکہ اللہ کے رسولؐ سے درگذر کی توقع ہے۔ آپؐ ٹھہریں چغلخوروں کی بات نہ لیں ـــــ وہ ذات آپؐ کی رہنمائی کرے جس نے آپؐ کو نصائح اور تفصیل سے پُر قرآن کا تحفہ دیا ہے ـــــ اگرچہ میرے بارے میں باتیں بہت کہی گئی ہیں، لیکن میں نے جرم نہیں کیا ہے۔ میں ایسی جگہ کھڑا ہوں اور وہ باتیں دیکھ اور سُن رہا ہوں کہ اگر ہاتھی بھی وہاں کھڑا ہو اور ان باتوں کو سُنے اور دیکھے تو تھرا تا رہ جائے۔ سوائے اس صورت کے کہ اس پر اللہ کے اذن سے رسولؐ کی نوازش ہو۔ حتیٰ کہ میں نے اپنا ہاتھ کسی نزاع کے بغیر اس ہستیٔ محترم کے ہاتھ میں رکھ دیا جسے انتقام پر پوری قدرت ہے اور جس کی بات بات ہے۔ جب میں اس سے بات کرتا ہوں ـــــ درانحالیکہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ تمہاری طرف (فلاں فلاں باتیں) منسوب ہیں اور تم سے بازپُرس کی جائے گی ـــــ تو وہ میرے نزدیک اس شیر سے بھی زیادہ خوفناک ہوتے ہیں جس کا کچھار کسی ہلاکت خیز وادی کے بطن میں واقع کسی ایسی سخت زمین میں ہو جس سے پہلے بھی ہلاکت ہی ہو۔ یقیناً رسولؐ ایک نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ اللہ کی تلواروں میں سے ایک سونتی ہوئی ہندی تلوار ہیں۔"

اس کے بعد کعبؓ بن زہیر نے مہاجرین قریش کی تعریف کی، کیونکہ کعب کی آمد پر ان کے کسی آدمی نے خیر کے سوا کوئی بات اور حرکت نہیں کی تھی، لیکن ان کی مدح کے دوران انصار پر طنز کی، کیونکہ ان کے ایک آدمی نے ان کی گردن مارنے کی اجازت چاہی تھی۔ چنانچہ کہا

یمشون مشی الجمال الزھر یعصمھم　　ضرب اذا عرد السود التنابیل

"وہ (قریش) خوبصورت مٹکتے اونٹ کی چال چلتے ہیں اور شمشیر زنی ان کی حفاظت کرتی ہے جب کہ ناٹے کھوٹے، کالے کلوٹے لوگ راستہ چھوڑ کر بھاگتے ہیں۔"

لیکن جب وہ مسلمان ہو گیا، اور اس کے اسلام میں عمدگی آگئی تو اس نے ایک قصیدہ انصار کی مدح میں کہا اور ان کی شان میں اس سے جو غلطی ہو گئی تھی اس کی تلافی کی۔ چنانچہ اس قصیدے میں کہا:

من سرہ کرم الحیاۃ فلا یزل　　فی مقنب من صالحی الانصار

ورثوا المکارم کابراً عن کابر اِنّ الخیارَ ھم بنو الاخیار

"جسے کریمانہ زندگی پسند ہو وہ ہمیشہ صالح انصار کے کسی دستے میں رہے۔ انہوں نے خوبیاں باپ دادا سے ورثہ میں پائی ہیں۔ درحقیقت اچھے لوگ وہی ہیں جو اچھوں کی اولاد ہوں۔"

۶۔ وفد عذرہ ـــــ یہ وفد صفر ۹ھ میں مدینہ آیا۔ بارہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اس میں حمزہؓ بن نعمان بھی تھے۔ جب وفد سے پوچھا گیا کہ آپ کون لوگ ہیں؟ تو ان کے نمائندے نے کہا، ہم بنو عذرہ ہیں۔ قُصیّ کے اَخیافی بھائی۔ ہم نے ہی قصی کی تائید کی تھی اور خزاعہ اور بنو بکر کو مکہ سے نکالا تھا۔ (یہاں) ہمارے رشتے اور قرابت داریاں ہیں۔ اس پر نبی ﷺ نے خوش آمدید کہا اور ملک شام کے فتح کیے جانے کی بشارت دی۔ نیز انہیں کاہنہ عورتوں سے سوال کرنے سے منع کیا اور ان ذبیحوں سے روکا جنہیں یہ لوگ (حالتِ شرک میں) ذبح کیا کرتے تھے۔ اس وفد نے اسلام قبول کیا اور چند روز ٹھہر کر واپس گیا۔

۷۔ وفد بلی ـــــ یہ ربیع الاول ۹ھ میں مدینہ آیا اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر تین روز مقیم رہا۔ دورانِ قیام وفد کے رئیس ابوالضبیب نے دریافت کیا کہ کیا ضیافت میں بھی اجر ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہاں! کسی مالدار یا فقیر کے ساتھ جو بھی اچھا سلوک کرو گے وہ صدقہ ہے۔ اس نے پوچھا، مدتِ ضیافت کتنی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تین دن۔ اس نے پوچھا کسی لاپتہ شخص کی گمشدہ بھیڑ بکری مل جائے تو کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ تمہارے لیے ہے یا تمہارے بھائی کے لیے ہے یا پھر بھیڑیئے کے لیے ہے۔ اس کے بعد اس نے گمشدہ اُونٹ کے متعلق سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا، تمہیں اس سے کیا واسطہ؟ اسے چھوڑ دو یہاں تک کہ اسکا مالک اُسے پا جائے۔

۸۔ وفدِ ثقیف ـــــ یہ وفد رمضان ۹ھ میں تبوک سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد حاضر ہوا۔ اس قبیلے میں اسلام پھیلنے کی صورت یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ ذی قعدہ ۸ھ میں جب غزوہ طائف سے واپس ہوئے تو آپؐ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی اس قبیلے کے سردار عُروہؓ بن مسعود نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ پھر اپنے قبیلہ میں واپس جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ چونکہ اپنی قوم کا سردار تھا اور صرف یہی نہیں کہ اس کی بات مانی جاتی تھی بلکہ اسے اس قبیلے کے لوگ اپنی لڑکیوں اور عورتوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتے تھے اس لیے اس کا خیال تھا کہ لوگ اس کی اطاعت کریں گے۔ لیکن جب اس نے اسلام کی دعوت دی تو اس توقع کے بالکل برخلاف لوگوں نے اس پر ہر طرف سے تیروں کی بوچھاڑ کر دی اور اسے جان سے مار ڈالا۔ پھر اسے قتل کرنے کے بعد چند مہینے تو یوں ہی مقیم رہے لیکن اس کے بعد انہیں احساس ہوا کہ گرد و پیش کا علاقہ جو مسلمان ہو چکا ہے اس سے ہم مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے لہٰذا انہوں نے باہم مشورہ کر کے

طے کیا کہ ایک آدمی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجیں اور اس کے لیے عَبْدِ یالیل بن عَمرو سے بات چیت کی مگر وہ آمادہ نہ ہوا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں اس کے ساتھ بھی وہی سلوک نہ کیا جائے جو عروہ بن مسعود کے ساتھ کیا جا چکا ہے اس لیے اس نے کہا، میں یہ کام اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک میرے ساتھ مزید کچھ آدمی نہ بھیجو۔ لوگوں نے اس کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا اور اس کے ساتھ حلیفوں میں سے دو آدمی اور بنی مالک میں سے تین آدمی لگا دیئے۔ اس طرح کل چھ آدمیوں کا وفد تیار ہو گیا۔ اسی وفد میں حضرت عثمانؓ بن ابی العاص ثقفی بھی تھے جو سب سے زیادہ کم عمر تھے۔

جب یہ لوگ خدمتِ نبویؐ میں پہنچے تو آپؐ نے ان کے لیے مسجد کے ایک گوشے میں ایک قُبّہ لگوا دیا تاکہ یہ قرآن سُن سکیں اور صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ سکیں۔ پھر یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے جاتے رہے اور آپؐ انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ آخر ان کے سردار نے سوال کیا کہ آپؐ اپنے اور ثقیف کے درمیان ایک معاہدۂ صلح لکھ دیں جس میں زنا کاری، شراب نوشی اور سود خوری کی اجازت ہو۔ ان کے معبود "لات" کو برقرار رہنے دیا جائے انہیں نماز سے معاف رکھا جائے اور ان کے بُت خود ان کے ہاتھوں سے نہ تڑوائے جائیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کوئی بھی بات منظور نہ کی۔ لہٰذا انہوں نے تنہائی میں مشورہ کیا مگر انہیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے سپر ڈالنے کے سوا کوئی تدبیر نظر نہ آئی۔ آخر انہوں نے یہی کیا اور اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔ البتہ یہ شرط لگائی کہ "لات" کو ڈھانے کا انتظام رسول اللہ ﷺ خود فرما دیں، ثقیف اسے اپنے ہاتھوں سے ہرگز نہ ڈھائیں گے۔ آپؐ نے یہ شرط منظور کر لی اور ایک نوشتہ لکھ دیا اور عثمانؓ بن ابی العاص ثقفی کو ان کا امیر بنا دیا کیونکہ وہی اسلام کو سمجھنے اور دین و قرآن کی تعلیم حاصل کرنے میں سب سے زیادہ پیش پیش اور حریص تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وفد کے ارکان ہر روز صبح خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوتے تھے لیکن عثمانؓ بن ابی العاص کو اپنے ڈیرے پر چھوڑ دیتے تھے۔ اس لیے جب وفد واپس آ کر دوپہر میں قیلولہ کرتا تو حضرت عثمانؓ بن ابی العاص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن پڑھتے اور دین کی باتیں دریافت کرتے اور جب آپ کو استراحت فرماتے ہوئے پاتے تو اسی مقصد کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چلے جاتے۔ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کی گورنری بڑی بابرکت ثابت ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب خلافت صدیقی میں ارتداد کی لہر چلی اور ثقیف نے بھی مرتد ہونے کا ارادہ کیا تو انہیں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے مخاطب کر کے کہا: "ثقیف کے لوگو! تم سب سے اخیر میں اسلام لائے ہو۔ اس لیے سب سے پہلے مرتد نہ ہو۔"

یہ سن کر لوگ ارتداد سے رک گئے اور اسلام پر ثابت قدم رہے۔

بہرحال وفد نے اپنی قوم میں واپس آکر اصل حقیقت چھپائے رکھی اور قوم کے سامنے لڑائی اور مار دھاڑ کا ہوّا کھڑا کیا اور حزن وغم کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے مطالبہ کیا ہے کہ اسلام قبول کریں اور زنا، شراب اور سُود چھوڑ دیں ورنہ سخت لڑائی کی جائے گی۔ یہ سُن کر پہلے تو ثقیف پر نخوتِ جاہلیہ غالب آئی اور وہ دو تین روز تک لڑائی ہی کی بات سوچتے رہے، لیکن پھر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انہوں نے وفد سے گزارش کی کہ وہ پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس جائے اور آپؐ کے مطالبات تسلیم کرلے۔ اس مرحلے پر پہنچ کر وفد نے اصل حقیقت ظاہر کی اور جن باتوں پر مصالحت ہو چکی تھی ان کا اظہار کیا۔ ثقیف نے اسی وقت اسلام قبول کرلیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے لات کو ڈھانے کے لیے حضرت خالد بن ولیدؓ کی سرکردگی میں چند صحابہؓ کی ایک ذراسی نفری روانہ فرمائی۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے کھڑے ہو کر گرز اُٹھایا اور اپنے ساتھیوں سے کہا "واللہ میں ذرا آپ لوگوں کو ثقیف پر ہنساؤں گا۔ اس کے بعد لات پر گرز مار کر خود ہی گر پڑے اور ایڑیاں پٹکنے لگے۔ یہ بناوٹی منظر دیکھ کر اہلِ طائف پر ہول طاری ہوگیا۔ کہنے لگے "اللہ مغیرہ کو ہلاک کرے" اسے دیوی نے مار ڈالا۔ اتنے میں حضرت مغیرہؓ اچھل کر کھڑے ہوگئے اور فرمایا "اللہ تمہارا بُرا کرے۔ یہ تو پتھر اور مٹی کا تماشا ہے۔ پھر انہوں نے دروازے پر ضرب لگائی اور اسے توڑ دیا۔ اس کے بعد سب سے اونچی دیوار پر چڑھے اور ان کے ساتھ کچھ اور صحابہؓ بھی چڑھے۔ پھر اسے ڈھاتے ڈھاتے زمین کے برابر کر دیا حتیٰ کہ اس کی بنیاد بھی کھود ڈالی اور اس کا زیور اور لباس نکال لیا۔ یہ دیکھ کر ثقیف دم بخود رہ گئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ زیور اور لباس لے کر اپنی ٹیم کے ساتھ واپس ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے سب کچھ اسی دن تقسیم فرما دیا اور نبی کی نصرت اور دین کے اعزاز پر اللہ کی حمد کی۔[۵]

۹۔ شاہانِ یمن کا خط ـــــ تبوک سے نبی ﷺ کی واپسی کے بعد شاہانِ حِمیَر یعنی حارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال اور رعین، ہمدان اور معافر کے سربراہ نعمان بن قیل کا خط آیا۔ نامہ بر مالک بن مُرّہ رہاوی تھا۔ ان بادشاہوں نے اپنے اسلام لانے اور شرک واہلِ شرک سے علیحدگی اختیار کرنے کی اطلاع دے کر اسے بھیجا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس ایک جوابی خط لکھ کر واضح فرمایا کہ اہلِ ایمان کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ آپؐ نے اس خط میں معاہدین کے لیے اللہ کا ذمہ اور اس کے رسولؐ کا ذمہ بھی دیا تھا،

---

۵ زاد المعاد ۳/۲۶، ۲۷، ۲۸ ؛ ابنِ ہشام ۲/۵۳۷ تا ۵۴۲

بشرطیکہ وہ مقررہ جزیہ ادا کریں۔ اس کے علاوہ آپؐ نے کچھ صحابہؓ کو یمن روانہ فرمایا اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔

۱۰۔ وفدِ ہمدان ـــــ یہ وفد ۹ھ میں تبوک سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد حاضر خدمت ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ایک تحریر لکھ کر، جو کچھ انہوں نے مانگا تھا عطا فرما دیا اور مالکؓ بن نمط کو ان کا امیر مقرر کیا، ان کی قوم کے جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے ان کا گورنر بنایا اور باقی لوگوں کے پاس اسلام کی دعوت دینے کے لیے حضرت خالدؓ بن ولید کو بھیج دیا۔ وہ چھ مہینے مقیم رہ کر دعوت دیتے رہے لیکن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ پھر آپؐ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو بھیجا اور حکم دیا کہ وہ خالدؓ کو واپس بھیج دیں۔ حضرت علیؓ نے قبیلۂ ہمدان کے پاس جا کر رسول اللہ ﷺ کا خط سنایا اور اسلام کی دعوت دی تو سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کی بشارت بھیجی۔ آپؐ نے خط پڑھا تو سجدے میں گر گئے۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا، ہمدان پر سلام، ہمدان پر سلام۔

۱۱۔ وفد بنی فزارہ ـــــ یہ وفد ۹ھ میں تبوک سے نبی ﷺ کی واپسی کے بعد آیا۔ اس میں دس سے کچھ زیادہ افراد تھے اور سب کے سب اسلام لا چکے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے علاقے کی قحط سالی کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر بارش کی دُعا کی۔ آپؐ نے فرمایا:

"اے اللہ! اپنے ملک اور اپنے چوپایوں کو سیراب کر، اپنی رحمت پھیلا، اپنے مُردہ شہر کو زندہ کر۔ اے اللہ! ہم پر ایسی بارش برسا جو ہماری فریاد رسی کر دے، راحت پہنچا دے، خوشگوار ہو، پھیلی ہوئی ہمہ گیر ہو، جلد آئے، دیر نہ کرے، نفع بخش ہو، نقصان رساں نہ ہو۔ اے اللہ! رحمت کی بارش، عذاب کی بارش نہیں اور نہ ڈھانے والی، نہ غرق کرنے والی اور نہ مٹانے والی بارش۔ اے اللہ! ہمیں بارش سے سیراب کر، اور دشمنوں کے خلاف ہماری مدد فرما۔"[۶]

۱۲۔ وفد نجران ـــــ (ن پر زبر، ج ساکن۔ مکہ سے یمن کی جانب سات مرحلے پر ایک بڑا علاقہ تھا جو ۷۳ بستیوں پر مشتمل تھا۔ تیز رفتار سوار ایک دن میں پورا علاقہ طے کر سکتا تھا[۷]۔ اس علاقہ میں ایک لاکھ مردانِ جنگی تھے جو سب کے سب عیسائی مذہب کے پیرو تھے۔)

نجران کا وفد ۹ھ میں آیا۔ یہ ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ ۲۴ آدمی اشراف سے تھے جن میں سے تین آدمیوں کو اہلِ نجران کی سربراہی و سرکردگی حاصل تھی۔ ایک عاقب جس کے ذمہ امارت و حکومت کا کام تھا

---

[۶] زاد المعاد ۳/۴۸ [۷] فتح الباری ۸/۹۴

اور اس کا نام عبدالمسیح تھا۔ دوسرا سید جو ثقافی اور سیاسی امور کا نگراں تھا اور اس کا نام اَیہم یا شُرحبیل تھا۔ تیسرا اسقف (لاٹ پادری) جو دینی سربراہ اور روحانی پیشوا تھا۔ اس کا نام ابوحارثہ بن علقمہ تھا۔

وفد نے مدینہ پہنچ کر نبی ﷺ سے ملاقات کی۔ پھر آپ نے ان سے کچھ سوالات کئے اور انہوں نے آپؐ سے کچھ سوالات کئے۔ اس کے بعد آپؐ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن حکیم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں لیکن انہوں نے اسلام قبول نہ کیا اور دریافت کیا کہ آپؐ مسیح علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے اس روز دن بھر توقف کیا یہاں تک کہ آپؐ پر یہ آیات نازل ہوئیں:

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ (۳:۵۹/۶۰/۶۱)

"بیشک عیسیٰؑ کی مثال اللہ کے نزدیک آدمؑ جیسی ہے اسے مٹی سے پیدا کیا پھر اس سے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔ حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ پھر تمہارے پاس علم آ جانے کے بعد جو کوئی تم سے اس (عیسیٰ) کے بارے میں حجت کرے تو اس سے کہہ دو کہ آؤ ہم بلائیں اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو پھر مباہلہ کریں (اللہ سے گڑگڑا کر دعا کریں) پس اللہ کی لعنت ٹھہرائیں جھوٹوں پر۔"

صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان ہی آیاتِ کریمہ کی روشنی میں انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے قول سے آگاہ کیا اور اس کے بعد دن بھر انہیں غور و فکر کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ لیکن انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپؐ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ پھر جب اگلی صبح ہوئی —— درآنحالیکہ وفد کے ارکان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپؐ کی بات تسلیم کرنے اور اسلام لانے سے انکار کر چکے تھے —— تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں مباہلے کی دعوت دی اور آپؐ حسن و حسین رضی اللہ عنہما سمیت ایک چادر میں لپٹے ہوئے تشریف لائے پیچھے پیچھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چل رہی تھیں۔ جب وفد نے دیکھا کہ آپ واقعی بالکل تیار ہیں تو تنہائی میں جا کر مشورہ کیا۔ عاقب اور سید دونوں نے ایک دوسرے سے کہا: "دیکھو مباہلہ نہ کرنا۔ خدا کی قسم اگر یہ نبی ہے، اور ہم نے اس سے ملاعنت کر لی تو ہم اور ہمارے پیچھے ہماری اولاد ہرگز کامیاب نہ ہوگی۔ روئے زمین پر ہمارا ایک بال اور ناخن بھی تباہی سے نہ بچ سکے گا۔" آخر ان کی

رائے یہ ٹھہری کہ رسول اللہ ﷺ ہی کو اپنے بارے میں حَکَم بنایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپؐ کا جو مطالبہ ہو ہم اسے ماننے کو تیار ہیں۔ اس پیش کش پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے جزیہ لینا منظور کیا، اور دو ہزار جوڑے کپڑوں پر مصالحت فرمائی؛ ایک ہزار ماہ رجب میں اور ایک ہزار ماہ صفر میں۔ اور طے کیا کہ ہر جوڑے کے ساتھ ایک اوقیہ (ایک سو باون گرام چاندی) بھی ادا کرنی ہوگی۔ اس کے عوض آپؐ نے انہیں اللہ اور اس کے رسُول کا ذمہ عطا فرمایا اور دین کے بارے میں مکمل آزادی مرحمت فرمائی۔ اس سلسلے میں آپؐ نے انہیں ایک باقاعدہ نوشتہ لکھ دیا۔ ان لوگوں نے آپ سے گزارش کی آپؐ ان کے ہاں ایک امین (امانت دار) آدمی روانہ فرمائیں۔ اس پر آپؐ نے صلح کا مال وصول کرنے کے لیے اس اُمّت کے امین حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

اس کے بعد ان کے اندر اسلام پھیلنا شروع ہوا۔ اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ سید اور عاقب نجران پلٹنے کے بعد مسلمان ہو گئے۔ پھر نبی ﷺ نے ان سے صدقات اور جزیے لانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور ظاہر ہے کہ صدقہ مسلمانوں ہی سے لیا جاتا ہے[8]۔

۱۳۔ وفد بنی حنیفہ ـــــ یہ وفد ۹ھ میں مدینہ آیا۔ اس میں مُسَیلمہ کذّاب سمیت سترہ آدمی تھے[9]۔ مسیلمہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: مسیلمہ بن ثمامہ بن کبیر بن حبیب بن حارث ـــــ یہ وفد ایک انصاری صحابی کے مکان پر اُترا۔ پھر خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ البتہ مسیلمہ کذاب کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ تمام روایات پر مجموعی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اکڑ، تکبّر اور امارت کی ہوس کا اظہار کیا اور وفد کے باقی ارکان کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ نبی ﷺ نے پہلے تو قولاً اور فعلاً اچھے اور شریفانہ برتاؤ کے ذریعہ اس کی دلجوئی کرنی چاہی لیکن جب دیکھا کہ اس شخص پر اس برتاؤ کا کوئی مفید اثر نہیں پڑا تو آپؐ نے اپنی فراست سے تاڑ لیا کہ اس کے اندر شر ہے۔

اس سے قبل نبی ﷺ یہ خواب دیکھ چکے تھے کہ آپؐ کے پاس روئے زمین کے خزانے لا کر رکھ دیے گئے ہیں اور اس میں سے سونے کے دو کنگن آپؐ کے ہاتھ میں آپڑے ہیں۔ آپؐ کو یہ دونوں بہت گراں اور رنج دہ محسوس ہوئے۔ چنانچہ آپ کو وحی کی گئی کہ ان دونوں کو پھونک دیجئے۔ آپؐ نے پھونک دیا تو وہ

---

[8] فتح الباری ۸/۹۴، ۹۵ زاد المعاد ۳/۳۸ تا ۴۱۔ وفدِ نجران کی تفصیلات میں روایات کے اندر خاصا اضطراب ہے اور اسی وجہ سے بعض محققین کا رجحان ہے کہ نجران کا وفد دو بار مدینے آیا۔ لیکن ہمارے نزدیک وہی بات راجح ہے جسے ہم نے اُوپر مختصراً بیان کیا ہے۔ [9] فتح الباری ۸/۸۷

دونوں اڑ گئے۔ اس کی تعبیر آپؐ نے یہ فرمائی کہ آپؐ کے بعد دو کذّاب (پرلے درجے کے جھوٹے) نکلیں گے۔ چنانچہ جب مسیلمہ کذاب نے اکڑ اور انکار کا اظہار کیا ـــــ وہ کہتا تھا کہ اگر محمدؐ نے کاروبارِ حکومت کو اپنے بعد میرے حوالے کرنا طے کیا، تو میں ان کی پیروی کروں گا ـــــ تو رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت آپؐ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ تھی اور آپؐ کے ہمراہ آپ کے خطیب حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ تھے۔ مسیلمہ اپنے ساتھیوں کے درمیان موجود تھا۔ آپؐ اس کے سر پر جا کھڑے ہوئے اور گفتگو فرمائی۔ اس نے کہا: "اگر آپ چاہیں تو ہم حکومت کے معاملے میں آپ کو آزاد چھوڑ دیں لیکن اپنے بعد اس کو ہمارے لیے طے فرما دیں"۔ آپؐ نے (کھجور کی شاخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا: "اگر تم مجھ سے یہ ٹکڑا چاہو گے تو تمہیں یہ بھی نہ دوں گا؛ اور تم اپنے بارے میں اللہ کے مقرر کیے ہوئے فیصلے سے آگے نہیں جا سکتے، اور اگر تم نے پیٹھ پھیری تو اللہ تمہیں توڑ کر رکھ دے گا۔ خدا کی قسم! میں تجھے وہی شخص سمجھتا ہوں جس کے بارے میں مجھے وہ (خواب) جو دکھلایا گیا ہے۔ اور یہ ثابت بن قیس ہیں جو تمہیں میری طرف سے جواب دیں گے"۔ اس کے بعد آپ واپس چلے آئے۔[۱۰]

بالآخر وہی ہوا جس کا اندازہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی فراست سے کر لیا تھا؛ یعنی مسیلمہ کذاب یمامہ واپس جا کر پہلے تو اپنے بارے میں غور کرتا رہا، پھر دعویٰ کیا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کارِ نبوت میں شریک کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور سجع گھڑنے لگا۔ اپنی قوم کے لیے زنا اور شراب حلال کر دی اور ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ شہادت بھی دیتا رہا کہ آپؐ اللہ کے نبی ہیں۔ اس شخص کی وجہ سے اس کی قوم فتنے میں پڑ کر اس کی پیروکار و ہم آواز بن گئی۔ نتیجتاً اس کا معاملہ نہایت سنگین ہو گیا۔ اس کی اتنی قدر و منزلت ہوئی کہ اسے یمامہ کا رحمان کہا جانے لگا۔

اب اس نے رسول اللہ ﷺ کو ایک خط لکھا: "مجھے اس کام میں آپ کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہے۔ آدھی حکومت ہمارے لیے ہے اور آدھی قریش کے لیے"۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں لکھا: "زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور انجام متقیوں کے لیے ہے"۔[۱۱]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابن نواحہ اور ابن اثال مسیلمہ کے قاصد بن کر نبی ﷺ کے پاس آئے تھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: "تم دونوں شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟" انہوں نے کہا: ہم شہادت دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "میں اللہ اور اس

---

[۱۰] دیکھیے صحیح بخاری باب وفد بنی حنیفہ اور باب قصۃ الاسود العنسی ۲/۶۲۷، ۶۲۸ اور فتح الباری ۸/۸۷ تا ۹۲

[۱۱] زاد المعاد ۳/۳۱، ۳۲

کے رسُول (محمدؐ) پر ایمان لایا۔ اگر میں کسی قاصد کو قتل کرتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا۔[۱۲]

مسیلمہ کذاب نے ۱۰ھ میں نبوّت کا دعویٰ کیا تھا اور ربیع الاول ۱۲ھ میں بہ عہد خلافتِ صدیقی یمامہ کے اندر قتل کیا گیا۔ اس کا قاتل وہی وحشی تھا جس نے حضرت حمزہؓ کو قتل کیا تھا۔

ایک مدّعیٔ نبوّت تو یہ تھا جس کا یہ انجام ہوا۔ ایک دوسرا مدّعیٔ نبوّت اَسْوَد عَنْسی تھا جس نے یمن میں فساد برپا کر رکھا تھا۔ اسے نبی ﷺ کی وفات سے صرف ایک دن اور ایک رات پہلے حضرت فیروزؓ نے قتل کیا۔ پھر آپؐ کے پاس اس کے متعلق وحی آئی اور آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو اس واقعہ سے باخبر کیا۔ اس کے بعد یمن سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس باقاعدہ خبر آئی۔[۱۳]

۱۴۔ وفد بنی عامر بن صعصعہ ـــــ اس وفد میں دشمن خدا عامر بن طفیل، حضرت لبید کا اخیافی بھائی اربد بن قیس، خالد بن جعفر اور جبار بن اسلم شامل تھے۔ یہ سب اپنی قوم کے سربرآوردہ اور شیطان تھے۔ عامر بن طفیل وہی شخص ہے جس نے بئر معونہ پر ستّر صحابہ کرامؓ کو شہید کرایا تھا۔ ان لوگوں نے جب مدینہ آنے کا ارادہ کیا تو عامر اور اربد نے باہم سازش کی کہ نبی ﷺ کو دھوکا دے کر اچانک قتل کر دیں گے۔ چنانچہ جب یہ وفد مدینہ پہنچا تو عامر نے نبی ﷺ سے گفتگو شروع کی اور اربد گھوم کر آپؐ کے پیچھے پہنچا اور بالشت بھر تلوار میان سے باہر نکالی، لیکن اس کے بعد اللہ نے اس کا ہاتھ روک لیا اور وہ تلوار بے نیام نہ کر سکا۔ اللہ نے اپنے نبی کو محفوظ رکھا۔ نبی ﷺ نے ان دونوں پر بددُعا کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ واپسی پر اللہ نے اَرْبَد اور اس کے اونٹ پر بجلی گرا دی جس سے اربد جل مرا۔ ادھر عامر ایک سلولیہ عورت کے ہاں اُترا، اور اسی دوران اس کی گردن میں گلٹی نکل آئی۔ اس کے بعد وہ یہ کہتا ہوا مر گیا کہ: آہ! اونٹ کی گلٹی جیسی گلٹی، اور ایک سلولیہ عورت کے گھر میں موت؟

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ عامر نے نبی ﷺ کے پاس آکر کہا: "میں آپ کو تین باتوں کا اختیار دیتا ہوں (۱) آپؐ کے لیے وادی کے باشندے ہوں اور میرے لیے آبادی کے (۲) یا میں آپؐ کے بعد آپؐ کا خلیفہ ہوؤں (۳) ورنہ میں غطفان کو ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار گھوڑیوں سمیت آپؐ پر چڑھا لاؤں گا۔" اس کے بعد وہ ایک عورت کے گھر میں طاعون کا شکار ہو گیا (جس پر اس نے فرطِ غم سے) کہا، کیا اونٹ کی گلٹی جیسی گلٹی؟ اور وہ بھی بنی فلاں کی ایک عورت کے گھر میں؟ میرے پاس میرا گھوڑا لاؤ۔ پھر وہ سوار ہوا، اور اپنے گھوڑے ہی پر مر گیا۔

---

[۱۲] مسند احمد مشکوٰۃ ۲/۳۴۷ [۱۳] فتح الباری ۸/۹۳

۱۵۔ وفد تجیب ـــــ یہ وفد اپنی قوم کے صدقات کو، جو فقراء سے فاضل بچ گئے تھے، لے کر مدینہ آیا۔ وفد میں تیرہ آدمی تھے جو قرآن و سنن پوچھتے اور سیکھتے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ باتیں دریافت کیں تو آپؐ نے وہ باتیں انہیں لکھ دیں۔ وہ زیادہ عرصہ نہیں ٹھہرے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں تحائف سے نوازا تو انہوں نے اپنے ایک نوجوان کو بھی بھیجا جو ڈیرے پر پیچھے رہ گیا تھا۔ نوجوان نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا "حضور! خدا کی قسم! مجھے میرے علاقے سے اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں لائی ہے کہ آپ اللہ عزّ و جلّ سے میرے لیے یہ دُعا فرما دیں کہ وہ مجھے اپنی بخشش و رحمت سے نوازے اور میری مالداری میرے دل میں رکھ دے۔" آپؐ نے اس کے لیے یہ دُعا فرمائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شخص سب سے زیادہ قناعت پسند ہو گیا اور جب ارتداد کی لہر چلی تو صرف یہی نہیں کہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہا بلکہ اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کی تو وہ بھی اسلام پر ثابت قدم رہی۔ پھر اہلِ وفد نے حجۃ الوداع ۱۰ھ میں نبی ﷺ سے دوبارہ ملاقات کی۔

۱۶۔ وفدِ طَیّ ـــــ اس وفد کے ساتھ عرب کے مشہور شہسوار زیدؓ الخیل بھی تھے۔ ان لوگوں نے جب نبی ﷺ سے گفتگو کی اور آپ نے ان پر اسلام پیش کیا تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور بہت اچھے مسلمان ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زیدؓ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھ سے عرب کے جس کسی آدمی کی خوبی بیان کی گئی اور پھر وہ میرے پاس آیا تو میں نے اسے اس کی شہرت سے کچھ کمتر ہی پایا۔ مگر اس کے برعکس زیدؓ الخیل کی شہرت ان کی خوبیوں کو نہیں پہنچ سکی؛ اور آپؐ نے اُن کا نام زیدؓ الخیر رکھ دیا۔

اس طرح ۹ھ اور ۱۰ھ میں پے در پے وفود آئے۔ اہل یمن، اَزد، قُضاعہ کے بنی سعد ہُذَیم، بنی عامر بن قیس، بنی اسد، بہرا، خولان، محارب، بنی حارث بن کعب، غامد، بنی منتفق، سلامان، بنی عبس، مزینہ، مراد، زبید، کندہ، ذی مرہ، غسان، بنی عبس اور نخع کے وفود کا تذکرہ کیا ہے۔ نخع کا وفد آخری وفد تھا جو محرم ۱۱ھ کے وسط میں آیا تھا اور دو سو آدمیوں پر مشتمل تھا۔ باقی بیشتر وفود کی آمد ۹ھ اور ۱۰ھ میں ہوئی تھی۔ صرف بعض وفود ۱۱ھ تک متأخر ہوئے تھے۔

ان وفود کی پے بہ پے آمد سے پتا لگتا ہے کہ اس وقت اسلامی دعوت کو کس قدر فروغ اور قبولِ عام حاصل ہو چکا تھا۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اہلِ عرب مدینہ کو کتنی قدر اور تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے تھے حتیٰ کہ اس کے سامنے سپر انداز ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں سمجھتے تھے۔ درحقیقت مدینہ جزیرۃ العرب کا دارالحکومت بن چکا تھا اور کسی کے لیے اس سے صرف نظر ممکن نہ تھا۔ البتہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان سب لوگوں کے دلوں میں دین اسلام اثر کر چکا تھا۔ کیونکہ ان میں ابھی بہت سے ایسے اکھڑ بدو تھے جو محض اپنے سرداروں

کی متابعت میں مسلمان ہو گئے تھے ورنہ ان میں قتل و غارت گری کا جو رجحان جڑ پکڑ چکا تھا اس سے وہ پاک صاف نہیں ہوئے تھے اور ابھی اسلامی تعلیمات نے انہیں پورے طور پر مہذب نہیں بنایا تھا۔ چنانچہ قرآنِ کریم کی سورہ توبہ میں ان کے بعض افراد کے اوصاف یوں بیان کئے گئے ہیں:

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (۹: ۹۷، ۹۸)

"اعراب (بدو) کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسولؐ پر جو کچھ نازل کیا ہے اس کے حدود کو نہ جانیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور بعض اعراب جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں اور تم پر گردشوں کا انتظار کرتے ہیں۔ ان ہی پر بُری گردش ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔"

جبکہ کچھ دوسرے افراد کی تعریف کی گئی ہے اور ان کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے:

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (۹: ۹۹)

"اور بعض اعراب اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی قُربت اور رسول کی دُعاؤں کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ ان کے لیے قربت کا ذریعہ ہے عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔"

جہاں تک مکہ، مدینہ، ثقیف، یمن اور بحرین کے بہت سے شہری باشندوں کا تعلق ہے، تو ان کے اندر اسلام پختہ تھا اور ان ہی میں سے کبار صحابہ اور ساداتِ مسلمین ہوئے[۱۴]

---

[۱۴] یہ بات خضری نے محاضرات ۱/۱۴۴ میں کہی ہے۔ اور جن وفود کا ذکر کیا گیا یا جن کی طرف اشارہ کیا گیا ان کی تفصیل کے لیے دیکھئے: صحیح بخاری ۱/۱۳، ۲/۶۲۶ تا ۶۳۰، ابن ہشام ۲/۵۰۱ تا ۵۰۳، ۵۱۰ تا ۵۱۴، ۵۳۷ تا ۵۴۲، ۵۶۰ تا ۶۰۱، زاد المعاد ۳/۲۶ تا ۶۰، فتح الباری ۸/۸۳ تا ۱۰۳، رحمۃ للعالمین ۱/۱۸۴ تا ۲۱۷۔

دعوت کی کامیابی اور اثرات

اب ہم رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام کے تذکرہ تک پہنچ رہے ہیں۔ لیکن اس تذکرہ کے لیے رہوارِ قلم کو آگے بڑھانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذرا ٹھہر کر آپؐ کے اس جلیل الشان عمل پر ایک اجمالی نظر ڈالیں جو آپؐ کی زندگی کا خلاصہ ہے اور جس کی بنار پر آپؐ کو تمام نبیوں اور پیغمبروں میں یہ امتیازی مقام حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے سر پر اولین و آخرین کی سیادت کا تاج رکھ دیا۔

آپؐ ﷺ سے کہا گیا کہ ،

يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (۷۳ : ۱/۲)

"اے چادر پوش رات میں کھڑا ہو مگر تھوڑا"

اور يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَاَنْذِرْ ○ (۷۴ : ۱/۲)

"اے کمبل پوش! اُٹھ اور لوگوں کو سنگین انجام سے ڈرا دے۔"

پھر کیا تھا؟ آپؐ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے کاندھے پر اس رُوئے زمین کی سب سے بڑی امانت کا بارِ گراں اُٹھائے مسلسل کھڑے رہے؛ یعنی ساری انسانیت کا بوجھ، سارے عقیدے کا بوجھ، اور مختلف میدانوں میں جنگ وجہاد اور تگ و تاز کا بوجھ،

آپؐ نے اس انسانی ضمیر کے میدان میں جنگ وجہاد اور تگ وتاز کا بوجھ اٹھایا جو جاہلیّت کے اوہام وتصوّرات کے اندر غرق تھا؛ جسے زمین اور اس کی گوناگوں کشش کے بار نے بوجھل کر رکھا تھا؛ جو شہوات کی بیڑیوں اور پھندوں میں جکڑا ہوا تھا اور جب اس ضمیر کو اپنے بعض صحابہؓ کی صورت میں جاہلیت اور حیاتِ ارضی کے تہ در تہ بوجھ سے آزاد کر لیا تو ایک دُوسرے میدان میں ایک دوسرا معرکہ، بلکہ معرکوں پر معرکے شروع کر دیئے۔ یعنی دعوتِ الٰہی کے وہ دشمن جو دعوت اور اس پر ایمان لانے والوں کے خلاف ٹوٹے پڑ رہے تھے اور اس پاکیزہ پودے کو پنپنے، مٹی کے اندر جڑ پکڑنے، فضا میں شاخیں لہرانے اور پھلنے پھولنے سے پہلے اس کی

نمو گاہ ہی میں مار ڈالنا چاہتے تھے۔ ان دشمنانِ دعوت کے ساتھ آپؐ نے پیہم معرکہ آرائیاں شروع کیں اور ابھی آپؐ جزیرۃ العرب کے معرکوں سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ رُوم نے اس نئی امّت کو دبوچنے کے لیے اس کی سرحدوں پر تیاریاں شروع کر دیں۔

پھر ان تمام کارروائیوں کے دوران ابھی پہلا معرکہ ـــــ یعنی ضمیر کا معرکہ ـــــ ختم نہیں ہُوا تھا۔ کیونکہ یہ دائمی معرکہ ہے۔ اس میں شیطان سے مقابلہ ہے اور وہ انسانی ضمیر کی گہرائیوں میں گھُس کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھتا ہے اور ایک لحظہ کے لیے ڈھیلا نہیں پڑتا۔ محمد ﷺ دعوت الی اللہ کے کام میں جمے ہوئے تھے اور متفرق میدان کے پیہم معرکوں میں مصروف تھے۔ دُنیا آپؐ کے قدموں پر ڈھیر تھی مگر آپ تنگی و ترشی سے گذر بسر کر رہے تھے۔ اہلِ ایمان آپؐ کے گرداگرد امن و راحت کا سایہ پھیلا رہے تھے مگر آپؐ جہد و مشقّت اپنائے ہُوئے تھے۔ مسلسل اور کڑی محنت سے سابقہ تھا مگر ان سب پر آپؐ نے صبرِ جمیل اختیار کر رکھا تھا۔ رات میں قیام فرماتے تھے؛ اپنے رب کی عبادت کرتے تھے، اس کے قرآن کی ٹھہر ٹھہر کر قرارت کرتے تھے اور ساری دُنیا سے کٹ کر اس کی طرف متوجّہ ہو جاتے تھے جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا تھا۔[1]

اس طرح آپؐ نے مسلسل اور پیہم معرکہ آرائی میں بیس برس سے اُوپر گذار دیئے اور اس دوران آپؐ کو کوئی ایک معاملہ دوسرے معاملے سے غافل نہ کر سکا یہاں تک کہ اسلامی دعوت اتنے بڑے پیمانے پر کامیاب ہوئی کہ عقلیں حیران رہ گئیں۔ سارا جزیرۃ العرب آپؐ کے تابع فرمان ہو گیا اس کے اُفق سے جاہلیت کا غبار چھٹ گیا، بیمار عقلیں تندرست ہو گئیں، یہاں تک کہ بتوں کو چھوڑ بلکہ توڑ دیا گیا، توحید کی آوازوں سے فضا گونجنے لگی، ایمانِ جدید سے حیات پائے ہوئے صحرا کا شبستانِ وجود آذانوں سے لرزنے لگا اور اس کی پہنائیوں کو اللہ اکبر کی صدائیں چیرنے لگیں۔ قُرّا، قرآنِ مجید کی آیتیں تلاوت کرتے اور اللہ کے احکام قائم کرتے ہوئے شمال و جنوب میں پھیل گئے۔

بکھری ہوئی قومیں اور قبیلے ایک ہو گئے۔ انسان بندوں کی بندگی سے نکل کر اللہ کی بندگی میں داخل ہو گیا۔ اب نہ کوئی قاہر ہے نہ مقہور، نہ مالک ہے نہ مملوک، نہ حاکم ہے نہ محکوم، نہ ظالم ہے نہ مظلوم، بلکہ سارے لوگ اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک دوسرے

---

[1] سیّد قطب فی ظلال القرآن ۲۹/ ۱۶۸، ۱۶۹

سے محبّت رکھتے ہیں اور اللہ کے احکام بجا لاتے ہیں۔ اللہ نے اُن سے جاہلیت کا غرور و نخوت اور باپ دادا پر فخر کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اب عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر کالے کو گورے پر کوئی برتری نہیں۔ برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے؛ ورنہ سارے لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے تھے۔

غرض اس دعوت کی بدولت عربی وحدت، انسانی وحدت، اور اجتماعی عدل وجود میں آگیا۔ نوعِ انسانی کو دُنیاوی مسائل اور اُخروی معاملات میں سعادت کی راہ مل گئی۔ بالفاظ دیگر زمانے کی رفتار بدل گئی، رُوئے زمین متغیر ہوگیا تاریخ کا دھارا مڑ گیا اور سوچنے کے انداز بدل گئے۔

اس دعوت سے پہلے دُنیا پر جاہلیّت کی کارفرمائی تھی۔ اس کا ضمیر متعفن تھا اور رُوح بدبُو دار تھی۔ قدریں اور پیمانے مُختل تھے۔ ظلم اور غلامی کا دَور دورہ تھا۔ فاجرانہ خوش حالی اور تباہ کن محرومی کی موج نے دُنیا کو تہ و بالا کر رکھا تھا۔ اس پر کفر و گمراہی کے تاریک اور دبیز پردے پڑے ہوئے تھے، حالانکہ آسمانی مذاہب و اَدْیان موجود تھے مگر ان میں تحریف نے جگہ پالی تھی اور ضُعف سرایت کر گیا تھا۔ اس کی گرفت ختم ہو چکی تھی اور وہ محض بے جان و بے رُوح قسم کے جامد رسم و رواج کا مجموعہ بن کر رہ گئے تھے۔

جب اس دعوت نے انسانی زندگی پر اپنا اثر دکھایا تو انسانی روح کو وہم و خرافات، بندگی و غلامی، فساد و تعفّن اور گندگی و انارکی سے نجات دلائی اور معاشرۂ انسانی کو ظلم و طغیان، پراگندگی و بربادی، طبقاتی امتیازات، حکام کے استبداد اور کاہنوں کے رسوا کن تسلّط سے چھٹکارا دلایا اور دُنیا کو عفّت و نظافت، ایجادات و تعمیر، آزادی و تجدّد، معرفت و یقین، وثوق و ایمان، عدالت و کرامت اور عمل کی بُنیادوں پر زندگی کی بالیدگی، حیات کی ترقی اور حقدار کی حق رسائی کے لیے تعمیر کیا [۲]

ان تبدیلیوں کی بدولت جزیرۃ العرب نے ایک ایسی بابرکت اٹھان کا مشاہدہ کیا جس کی نظیر انسانی وجود کے کسی دَور میں نہیں دیکھی گئی اور اس جزیرے کی تاریخ اپنی عمر کے ان یگانۂ روزگار ایّام میں اس طرح جگمگائی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں جگمگائی تھی۔

---

[۲] ایضاً سید قطب در مقدمہ ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین ص ۱۴

حَجَّۃُ الوِداع

دعوت و تبلیغ کا کام پُورا ہوگیا اور اللہ کی الوہیّت کے اثبات اس کے ماسوا کی الوہیّت کی نفی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی بنیاد پر ایک نئے معاشرے کی تعمیر و تشکیل عمل میں آگئی۔ اب گویا غیبی ہاتف آپؐ کے قلب و شعور کو یہ احساس دلا رہا تھا کہ دُنیا میں آپؐ کے قیام کا زمانہ اختتام کے قریب ہے، چنانچہ آپؐ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ۱۰ھ میں یمن کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو رخصت کرتے ہوئے منجملہ اور باتوں کے فرمایا: "اے معاذ! غالباً تم مجھ سے میرے اس سال کے بعد نہ مل سکو گے، بلکہ غالباً میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گذرو گے۔" اور حضرت معاذؓ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کی جُدائی کے غم سے رونے لگے۔

درحقیقت اللہ چاہتا تھا کہ اپنے پیغمبر ﷺ کو اس دعوت کے ثمرات دکھلا دے جس کی راہ میں آپؐ نے بیس برس سے زیادہ عرصہ تک طرح طرح کی مشکلات اور مشقتیں برداشت کی تھیں اور اس کی صورت یہ ہو کہ آپؐ حج کے موقع پر اطرافِ مکہ میں قبائلِ عرب کے افراد و نمائندگان کے ساتھ جمع ہوں، پھر وہ آپؐ سے دین کے احکام و شرائع حاصل کریں اور آپؐ ان سے یہ شہادت لیں کہ آپؐ نے امانت ادا کر دی، پیغامِ رب کی تبلیغ فرما دی۔ اور امّت کی خیر خواہی کا حق ادا فرما دیا۔ اس مشیّتِ ایزدی کے مطابق نبی ﷺ نے جب اس تاریخی حجِ مبرور کے لیے اپنے ارادے کا اعلان فرمایا تو مسلمانانِ عرب جوق در جوق پہنچنا شروع ہوگئے۔ ہر ایک کی آرزو تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے نقشِ پا کو اپنے لیے نشانِ راہ بنائے اور آپؐ کی اقتدا کرے[1]۔ پھر سنیچر کے دن جبکہ ذی قعدہ میں چار دن باقی تھے رسول اللہ ﷺ نے کوچ کی تیاری فرمائی[2]۔ بالوں میں کنگھی کی، تیل لگایا، تہبند پہنا، چادر اوڑھی، قربانی کے

---

[1] یہ بات صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دیکھئے باب حجۃ النبی ﷺ ۱/۳۹۴

[2] حافظ ابن حجر نے اس کی بہت عمدہ تحقیق کی ہے اور بعض روایات میں جو یہ آیا ہے کہ ذیقعدہ کے پانچ دن باقی تھے تب آپؐ روانہ ہوئے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ دیکھئے فتح الباری ۸/۱۰۴

جانوروں کو قلادہ پہنایا اور ظہر کے بعد کوچ فرما دیا اور عصر سے پہلے ذُوالحُلَیفَہ پہنچ گئے۔ وہاں عصر کی نماز دو رکعت پڑھی اور رات بھر خیمہ زن رہے۔ صبح ہوئی تو صحابہ کرام سے فرمایا: "رات میرے پروردگار کی طرف سے ایک آنے والے نے آکر کہا، اِس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور کہو، حج میں عمرہ ہے"[۳]

پھر ظہر کی نماز سے پہلے آپؐ نے اِحرام کے لیے غسل فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کے جسمِ اطہر اور سرِ مبارک میں اپنے ہاتھ سے ذَرِیرَہ اور مُشک آمیز خوشبو لگائی۔ خوشبو کی چمک آپؐ کی مانگ اور داڑھی میں دکھائی پڑتی تھی مگر آپؐ نے یہ خوشبو دھوئی نہیں بلکہ برقرار رکھی۔ پھر اپنا تہبند پہنا، چادر اوڑھی، دو رکعت ظہر کی نماز پڑھی، اس کے بعد مصلّے ہی پر حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھتے ہوئے صدائے لبّیک بلند کی پھر باہر تشریف لائے، قَصْوَاء اُونٹنی پر سوار ہوئے اور دوبارہ صدائے لبّیک بلند کی۔ اس کے بعد اُونٹنی پر سوار کھلے میدان میں تشریف لے گئے تو وہاں بھی لبّیک پکارا۔

اس کے بعد آپؐ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ ہفتہ بھر بعد جب آپؐ سرِ شام مکّہ کے قریب پہنچے تو ذی طویٰ میں ٹھہر گئے۔ وہیں رات گذاری اور فجر کی نماز پڑھ کر غسل فرمایا۔ پھر مکّہ میں صبحدم داخل ہوئے۔ یہ اتوار ۴۔ ذی الحجہ ۱۰ھ کا دن تھا ـــــ راستے میں آٹھ راتیں گذری تھیں ـــــ اوسط رفتار سے اس مسافت کا یہی حساب بھی ہے ـــــ مسجدِ حرام پہنچ کر آپؐ نے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا پھر صفا و مروہ کے درمیان سَعْی کی مگر اِحرام نہیں کھولا کیونکہ آپؐ نے حج و عمرہ کا اِحرام ایک ساتھ باندھا تھا اور اپنے ساتھ ہَدْی (قربانی کے جانور) لائے تھے۔ طواف و سَعْی سے فارغ ہو کر آپؐ نے بالائی مکّہ میں حجون کے پاس قیام فرمایا لیکن دوبارہ طوافِ حج کے سوا کوئی اور طواف نہیں کیا۔

آپؐ کے جو صحابہ کرام اپنے ساتھ ہَدْی (قربانی کا جانور) نہیں لائے تھے آپؐ نے اُنہیں حکم دیا کہ اپنا اِحرام عمرہ میں تبدیل کر دیں اور بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کی سَعْی کر کے پوری طرح حلال ہو جائیں؛ لیکن چونکہ آپؐ خود حلال نہیں ہو رہے تھے اس لیے صحابہ کرامؓ کو تردّد ہوا۔ آپؐ نے فرمایا: "اگر میں اپنے معاملے کی وہ بات پہلے جان گیا ہوتا جو بعد میں معلوم ہوئی تو میں ہَدْی نہ لاتا۔ اور اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں بھی حلال ہو جاتا۔ آپؐ کا یہ ارشاد سُن کر صحابہ کرامؓ نے سرِ اطاعت خم کر دیا اور جن کے پاس ہدی نہ تھی وہ حلال ہو گئے۔

---

[۳] اسے بخاری نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ ۱/۲۰۷

آٹھ ذی الحجہ ـــ ترویہ کے دن ـــ آپؐ منیٰ تشریف لے گئے اور وہاں ۹۔ذی الحجہ کی صبح تک قیام فرمایا۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر (پانچ وقت) کی نمازیں وہیں پڑھیں۔ پھر اتنی دیر توقف فرمایا کہ سُورج طلوع ہوگیا۔ اس کے بعد عرفہ کو چل پڑے۔ وہاں پہنچے تو وادی نمرہ میں قبہ تیار تھا۔ اسی میں نزول فرمایا۔ جب سُورج ڈھل گیا تو آپؐ کے حکم سے قصوا پر کجاوہ کسا گیا اور آپؐ بطنِ وادی میں تشریف لے گئے۔ اس وقت آپؐ کے گرد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ آپؐ نے ان کے درمیان ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا :

" لوگو! میری بات سن لو! کیونکہ میں نہیں جانتا، شاید اس سال کے بعد اس مقام پر میں تم سے کبھی نہ مل سکوں۔ [۴]

تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارے آج کے دن کی، رواں مہینے کی اور موجودہ شہر کی حرمت ہے۔ سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روند دی گئی۔ جاہلیت کے خون بھی ختم کر دیئے گئے اور ہمارے خون میں سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے ـــ یہ بچہ بنو سعد میں دودھ پی رہا تھا کہ انہی ایام میں قبیلہ ہُذَیل نے اُسے قتل کر دیا ـــ اور جاہلیت کا سُود ختم کر دیا گیا، اور ہمارے سُود میں سے پہلا سُود جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ عباسؓ بن عبدالمطلب کا سُود ہے۔ اب یہ سارا کا سارا سُود ختم ہے۔

ہاں! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے' اور اللہ کے کلمے کے ذریعے حلال کیا ہے۔ ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جو تمہیں گوارا نہیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مار سکتے ہو لیکن سخت مار نہ مارنا' اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم انہیں معروف کے ساتھ کھلاؤ اور پہناؤ۔

اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اُسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے؛ اور وہ ہے اللہ کی کتاب [۵]

لوگو! یاد رکھو! میرے بعد کوئی نبی نہیں' اور تمہارے بعد کوئی اُمت نہیں لہٰذا اپنے رب کی عبادت کرنا، پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، خوشی خوشی اپنے مال

---

[۴] ابنِ ہشام ۲/۶۰۳ [۵] صحیح مسلم باب حجۃ النبی ﷺ ۱/۳۹۷

کی زکوٰۃ دینا، اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرنا اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرنا۔ ایسا کرو گے تو اپنے پروردگار کی جنّت میں داخل ہو گے۔[۶]

اور تم سے میرے متعلق پوچھا جانے والا ہے، تو تم لوگ کیا کہو گے؟" صحابہؓ نے کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ نے تبلیغ کر دی، پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا فرما دیا۔

یہ سُن کر آپؐ نے انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے تین بار فرمایا: "اے اللہ گواہ رہ"[۷]

آپؐ کے ارشادات کو ربیعہؓ بن امیہ بن خلف اپنی بلند آواز سے لوگوں تک پہنچا رہے تھے[۸] جب آپؐ خطبہ سے فارغ ہو چکے تو اللہ عزّوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ (۵:۳)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سُنی تو رونے لگے۔ دریافت کیا گیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا، اس لیے کہ کمال کے بعد زوال ہی تو ہے۔[۹]

خطبہ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان اور پھر اقامت کہی۔ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ نے پھر اقامت کہی اور آپؐ نے عصر کی نماز پڑھائی اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی اور نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد سوار ہو کر آپ جائے وقوف پر تشریف لے گئے۔ اپنی اونٹنی قصوٗا کا شکم چٹانوں کی جانب کیا اور حبلِ مشاۃ (پیدل چلنے والوں کی راہ میں واقع ریتیلے تودے) کو سامنے کیا اور قبلہ رُخ مسلسل (اسی حالت میں) وقوف فرمایا یہاں تک کہ سُورج غروب ہونے لگا۔ تھوڑی زردی ختم ہوئی، پھر سُورج کی ٹکیہ غائب ہو گئی۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت اُسامہؓ کو پیچھے بٹھایا اور وہاں سے روانہ ہو کر مُزدلفہ تشریف لائے۔ مُزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھیں۔ درمیان میں کوئی نفل نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد آپؐ لیٹ گئے اور طلوعِ فجر تک لیٹے رہے۔

---

[۶] ابنِ ماجہ، ابن عساکر، رحمۃ للعالمین ۱/۲۶۳ [۷] صحیح مسلم ۱/۳۹۷
[۸] ابنِ ہشام ۲/۶۰۵ [۹] بخاری عن ابن عمر دیکھئے رحمۃ للعالمین ۱/۲۶۵

البتہ صبح نمودار ہوتے ہی اذان و اقامت کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد قصواء پر سوار ہو کر مَشْعَرِ حَرَام تشریف لائے اور قبلہ رُخ ہو کر اللہ سے دُعا کی اور اس کی تکبیر و تہلیل اور توحید کے کلمات کہے۔ یہاں اتنی دیر تک ٹھہرے رہے کہ خوب اُجالا ہو گیا۔ اس کے بعد سُورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے منیٰ کے لیے روانہ ہو گئے اور اب کی بار حضرت فضلؓ بن عباس کو اپنے پیچھے سوار کیا۔ بَطنِ مُحَسِّر میں پہنچے تو سواری کو ذرا تیزی سے دوڑایا۔ پھر جو درمیانی راستہ جمرۂ کبریٰ پر نکلتا تھا اس سے چل کر جمرۂ کبریٰ پر پہنچے ـــــ اس زمانے میں وہاں ایک درخت بھی تھا اور جمرۂ کبریٰ اس درخت کی نسبت سے بھی معروف تھا ـــــ اس کے علاوہ جمرۂ کبریٰ کو جمرۂ عقبہ اور جمرۂ اُولیٰ بھی کہتے ہیں ـــــ پھر آپؐ نے جمرۂ کُبریٰ کو سات کنکریاں ماریں۔ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے جاتے تھے۔ کنکریاں چھوٹی چھوٹی تھیں جنہیں چٹکی میں لے کر چلایا جا سکتا تھا۔ آپؐ نے یہ کنکریاں بطنِ وادی میں کھڑے ہو کر ماری تھیں۔ اس کے بعد آپؐ قربان گاہ تشریف لے گئے اور اپنے دستِ مبارک سے ۶۳ اُونٹ ذبح کئے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا اور انہوں نے بقیہ ۳۷ اونٹ ذبح کئے۔ اس طرح سو اونٹ کی تعداد پوری ہو گئی۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو بھی اپنی ہَدْی (قربانی) میں شریک فرما لیا تھا۔ اس کے بعد آپؐ کے حکم سے ہر اُونٹ کا ایک ایک ٹکڑا کاٹ کر ہانڈی میں ڈالا اور پکایا گیا۔ پھر آپؐ نے اور حضرت علیؓ نے اس گوشت میں سے کچھ تناول فرمایا اور اس کا شوربا پیا۔

بعد ازاں رسول اللہ ﷺ سوار ہو کر مکّہ تشریف لے گئے۔ بیت اللہ کا طواف فرمایا ـــــ اسے طوافِ افاضہ کہتے ہیں ـــــ اور مکّہ ہی میں ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ پھر (چاہِ زمزم پر) بنو عبدالمطّلب کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ حجاج کرام کو زمزم کا پانی پلا رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "بنو عبدالمطّلب تم لوگ پانی کھینچو۔ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ پانی پلانے کے اس کام میں لوگ تمہیں مغلوب کر دیں گے تو میں بھی تم لوگوں کے ساتھ کھینچتا" ـــــ یعنی اگر صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کو خود پانی کھینچتے ہوئے دیکھتے تو ہر صحابی خود پانی کھینچنے کی کوشش کرتا۔ اور اس طرح حجاج کو زمزم پلانے کا جو شرف بنو عبدالمطّلب کو حاصل تھا اس کا نظم ان کے قابو میں نہ رہ جاتا۔ چنانچہ بنو عبدالمطّلب نے آپؐ کو ایک ڈول پانی دیا اور آپؐ نے اس میں سے حسبِ خواہش پیا۔[1]

---

[1] مسلم عن جابر باب حجۃ النبی ﷺ ۱/۳۹۷ تا ۴۰۰

آج یوم النحر تھا۔ یعنی ذی الحجہ کی دس تاریخ تھی۔ نبی ﷺ نے آج بھی دن چڑھے (چاشت کے وقت) ایک خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ خطبہ کے وقت آپؐ خچر پر سوار تھے اور حضرت علیؓ آپؐ کے ارشادات صحابہؓ کو سُنا رہے تھے۔ صحابہ کرام کچھ بیٹھے اور کچھ کھڑے تھے[۱۱]۔ آپؐ نے آج کے خطبے میں بھی کل کی کئی باتیں دُہرائیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں یوم النحر (دس ذی الحجہ) کو خطبہ دیا۔ فرمایا:

"زمانہ گھوم پھر کر اپنی اسی دن کی ہیئت پر پہنچ گیا ہے جس دن اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہے جن میں سے چار مہینے حرام کے ہیں؛ تین پے در پے یعنی ذی قعدہ ذی الحجہ اور محرم اور ایک رجبِ مُضَر جو جمادی الآخرہ اور شعبان کے درمیان ہے۔"

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا' اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ اس پر آپؐ خاموش رہے' یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ آپؐ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ لیکن پھر آپؐ نے فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں! آپؐ نے فرمایا یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ اس پر آپؐ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا آپؐ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے' مگر آپؐ نے فرمایا' کیا یہ بلدہ (مکہ) نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں آپؐ نے فرمایا' اچھا تو یہ دن کون سا ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ اس پر آپؐ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا آپؐ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے مگر آپؐ نے فرمایا' کیا یہ یوم النحر (قربانی کا دن، یعنی دس ذی الحجہ) نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں؟ آپؐ نے فرمایا' اچھا تو سنو کہ تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہے جیسے تمہارے اس شہر اور تمہارے اس مہینے میں تمہارے آج کے دن کی حرمت ہے۔

اور تم لوگ بہت جلد اپنے پروردگار سے ملو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا، لہٰذا دیکھو میرے بعد پلٹ کر گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ بتاؤ! کیا میں نے تبلیغ کر دی؟ صحابہ نے کہا' ہاں۔ آپؐ نے فرمایا' اے اللہ! گواہ رہ ——— جو شخص موجود ہے وہ غیر موجود تک (میری باتیں) پہنچا دے۔ کیونکہ بعض وہ افراد جن تک (یہ باتیں) پہنچائی جائیں گی وہ بعض (موجودہ) سننے والے سے کہیں زیادہ ان باتوں کے دروبست کو سمجھ سکیں گے[۱۲]۔

---

[۱۱] ابوداؤد: باب أیّ وقت یخطب یوم النحر ۱/۲۷۰ [۱۲] صحیح بخاری: باب الخطبۃ ایام منیٰ ۱/۲۳۴

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے اس خُطبے میں یہ بھی فرمایا: "یاد رکھو! کوئی بھی جرم کرنے والا اپنے سوا کسی اور پر جُرم نہیں کرتا (یعنی اس جرم کی پاداش میں کوئی اور نہیں بلکہ خود مجرم ہی پکڑا جائے گا۔) یاد رکھو! کوئی جُرم کرنے والا اپنے بیٹے پر یا کوئی بیٹا اپنے باپ پر جُرم نہیں کرتا (یعنی باپ کے جُرم میں بیٹے کو یا بیٹے کے جُرم میں باپ کو نہیں پکڑا جائے گا) یاد رکھو! شیطان مایوس ہو چکا ہے کہ اب تمہارے اس شہر میں کبھی بھی اس کی پوجا کی جائے لیکن اپنے جن اعمال کو تم لوگ حقیر سمجھتے ہو ان میں اس کی اطاعت کی جائے گی اور وہ اسی سے راضی ہوگا۔"[۱۳]

اس کے بعد آپؐ ایّامِ تشریق (۱۱-۱۲-۱۳ ذی الحجہ کو) منیٰ میں مقیم رہے۔ اس دوران آپؐ حج کے مناسک بھی ادا فرما رہے تھے اور لوگوں کو شریعت کے احکام بھی سکھا رہے تھے۔ اللہ کا ذکر بھی فرما رہے تھے۔ ملّتِ ابراہیمی کے سنن ہدیٰ بھی قائم کر رہے تھے، اور شرک کے آثار و نشانات کا صفایا بھی فرما رہے تھے۔ آپؐ نے ایّامِ تشریق میں بھی ایک دن خطبہ دیا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں بہ سندِ حسن مروی ہے کہ حضرت سراء بنت نبہان رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رؤس کے دن[۱۴] خطبہ دیا اور فرمایا "کیا یہ ایّامِ تشریق کا درمیانی دن نہیں ہے؟"[۱۵] آپؐ کا آج کا خطبہ بھی کل (یوم النحر) کے خطبے جیسا تھا اور یہ خطبہ سورۂ نصر کے نزول کے بعد دیا گیا تھا۔

ایّامِ تشریق کے خاتمے پر دوسرے یوم النَّفر یعنی ۱۳-ذی الحجہ کو نبی ﷺ نے منیٰ سے کوچ فرمایا۔ اور وادی اَبطَح کے خیف بنی کنانہ میں فروکش ہوئے۔ دن کا باقی ماندہ حصّہ اور رات وہیں گذاری اور ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں وہیں پڑھیں۔ البتہ عشاء کے بعد تھوڑا سا سو کر اُٹھے پھر سوار ہو کر بیت اللہ تشریف لے گئے اور طوافِ وداع فرمائے۔

اور اب تمام مناسکِ حج سے فارغ ہو کر آپؐ نے سواری کا رُخ مدینہ منورہ کی راہ پر ڈال دیا اس لیے نہیں کہ وہاں پہنچ کر راحت فرمائیں بلکہ اس لیے کہ اب پھر اللہ کی خاطر اللہ کی راہ میں ایک نئی جدوجہد کا آغاز فرمائیں۔[۱۶]

---

[۱۳] ترمذی ۲/۳۸، ۱۳۵، ابنِ ماجہ کتاب الحج، مشکوۃ ۱/۲۳۴

[۱۴] یعنی ۱۲-ذی الحجہ (عون المعبود ۲/۱۴۳) [۱۵] ابوداؤد باب ای یوم یخطب بمنی ۱/۲۶۹

[۱۶] حجۃ الوداع کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: صحیح بخاری کتاب المناسک ج ۱ و ج ۲/۶۳۱، صحیح مسلم باب حجۃ النبی ﷺ، فتح الباری ج ۳-شرح کتاب المناسک اور ج ۸/۱۰۳ تا ۱۱۰، ابنِ ہشام ۲/۶۰۱ تا ۶۰۵ زاد المعاد ۱/۱۹۶، ۲۱۸ تا ۲۴۰

خطِ میقات
حدودِ حرم
راستے

حدودِ حرم اور میقات کا نقشہ

آخری فوجی مہم

رومن امپائر کی کبریائی کو گوارا نہ تھا کہ وہ اسلام اور اہلِ اسلام کے زندہ رہنے کا حق تسلیم کرے اسی لیے اس کی قلمرو میں رہنے والا کوئی شخص اسلام کا حلقہ بگوش ہو جاتا تو اس کے جان کی خیر نہ رہتی، جیسا کہ معان کے رومی گورنر حضرت فروہؓ بن عمرو جذامی کے ساتھ پیش آچکا تھا۔

اس جرأتِ بے محابا اور اس غرورِ بے جا کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے صفر ۱۱ھ میں ایک بڑے لشکر کی تیاری شروع فرمائی اور حضرت اُسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کا سپہ سالار مقرر فرماتے ہوئے حکم دیا کہ بلقاء کا علاقہ اور داروم کی فلسطینی سرزمین سواروں کے ذریعہ روند آؤ۔ اس کارروائی کا مقصد یہ تھا کہ رومیوں کو خوف زدہ کرتے ہوئے ان کی حدود پر واقع عرب قبائل کا اعتماد بحال کیا جائے اور کسی کو یہ تصور کرنے کی گنجائش نہ دی جائے کہ کلیسا کے تشدد پر ئی بازپرس نے والا نہیں اور اسلام قبول کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اپنی موت کو دعوت دی جا رہی ہے۔

اس موقع پر کچھ لوگوں نے سپہ سالار کی نوعمری کو نکتہ چینی کا نشانہ بنایا اور اس مہم کے اندر شمولیت میں تاخیر کی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ ان کی سپہ سالاری پر طعنہ زنی کر رہے ہو تو ان سے پہلے ان کے والد کی سپہ سالاری پر طعنہ زنی کر چکے ہو، حالانکہ وہ خدا کی قسم سپہ سالاری کے اہل تھے اور میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے تھے اور یہ بھی ان کے بعد میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہیں۔[1]

بہر حال صحابہ کرامؓ حضرت اسامہ کے گرداگرد جمع ہو کر ان کے لشکر میں شامل ہو گئے اور لشکر روانہ ہو کر مدینہ سے تین میل دُور مقامِ جرف میں خیمہ زن بھی ہو گیا لیکن رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے متعلق تشویشناک خبروں کے سبب آگے نہ بڑھ سکا بلکہ اللہ کے فیصلے کے انتظار میں وہیں ٹھہرنے پر مجبور ہو گیا اور اللہ کا فیصلہ یہ تھا کہ یہ لشکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کی پہلی فوجی مہم قرار پائے۔[2]

---

[1] صحیح بخاری - باب بعث النبی ﷺ اُسامۃ ۶۱۲/۲ [2] ایضاً صحیح بخاری! وابنِ ہشام ۶۰۶/۲ ، ۶۵۰

رفیقِ اعلیٰ کی جانب

الوداعی آثار

جب دعوتِ دین مکمل ہوگئی اور عرب کی تکمیل اسلام کے ہاتھ میں آگئی تو رسول اللہ ﷺ کے جذبات و احساسات، احوال و ظروف اور گفتار و کردار سے ایسی علامات نمودار ہونا شروع ہوئیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اب آپؐ اس حیاتِ مستعار کو اور اس جہان فانی کے باشندگان کو الوداع کہنے والے ہیں۔ مثلاً:

آپؐ نے رمضان ۱۰ھ میں بیس دن اعتکاف فرمایا جبکہ ہمیشہ دس دن ہی اعتکاف فرمایا کرتے تھے، پھر حضرت جبریلؑ نے آپؐ کو اس سال دو مرتبہ قرآن کا دَور کرایا جبکہ ہر سال ایک ہی مرتبہ دَور کرایا کرتے تھے۔ آپؐ نے حجۃ الوداع میں فرمایا: "مجھے معلوم نہیں، شاید میں اس سال کے بعد اپنے اس مقام پر تم لوگوں سے کبھی نہ مل سکوں"۔ جمرۂ عقبہ کے پاس فرمایا: "مجھ سے اپنے حج کے اعمال سیکھ لو کیونکہ میں اس سال کے بعد غالباً حج نہ کر سکوں گا"۔ آپؐ پر ایّامِ تشریق کے وسط میں سورہ نصر نازل ہوئی اور اس سے آپؐ نے سمجھ لیا کہ اب دُنیا سے روانگی کا وقت آن پہنچا ہے اور یہ موت کی اطلاع ہے۔

اوائل صفر ۱۱ھ میں آپؐ دامنِ اُحد میں تشریف لے گئے اور شہداء کے لیے اس طرح دُعا فرمائی گویا زندوں اور مُردوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ پھر واپس آکر منبر پر فروکش ہوئے۔ اور فرمایا: "میں تمہارا میرِ کارواں ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔ بخدا، میں اس وقت اپنا حوض (حوضِ کوثر) دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین اور زمین کے خزانوں کی کُنجیاں عطا کی گئی ہیں، اور بخدا مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کروگے بلکہ اندیشہ اس کا ہے کہ دُنیا طلبی میں باہم مقابلہ کروگے۔"[1]

ایک روز نصف رات کو آپؐ بقیع تشریف لے گئے اور اہلِ بقیع کے لیے دُعائے مغفرت کی۔ فرمایا: "اے قبر والو! تم پر سلام! لوگ جس حال میں ہیں اس کے مقابل تمہیں وہ حال مبارک ہو جس میں تم ہو۔ فتنے تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ایک کے پیچھے ایک چلے آرہے

---

[1] متفق علیہ۔ صحیح بخاری ۲/۵۸۵

ہیں اور بعد والا پہلے والے سے زیادہ بُرا ہے۔" اس کے بعد یہ کہہ کر اہلِ قبور کو بشارت دی کہ ہم بھی تم سے آملنے والے ہیں۔

مرض کا آغاز

۲۹ صفر ۱۱ھ روز دوشنبہ کو رسول اللہ ﷺ ایک جنازے میں بقیع تشریف لے گئے۔ واپسی پر راستے ہی میں دردِ سر شروع ہوگیا اور حرارت اتنی تیز ہوگئی کہ سر پر بندھی ہوئی پٹی کے اوپر سے محسوس کی جانے لگی۔ یہ آپؐ مرض الموت کا آغاز تھا۔ آپؐ نے اسی حالتِ مرض میں گیارہ دن نماز پڑھائی۔ مرض کی کل مدّت ۱۳ یا ۱۴ دن تھی۔

آخری ہفتہ

رسول اللہ ﷺ کی طبیعت روز بروز بوجھل ہوتی جارہی تھی۔ اس دوران آپؐ ازواجِ مطہرات سے پُوچھتے رہتے تھے کہ میں کل کہاں رہوں گا؟ میں کل کہاں رہوں گا؟ اس سوال سے آپؐ کا جو مقصود تھا ازواجِ مطہرات اسے سمجھ گئیں چنانچہ انہوں نے اجازت دے دی کہ آپؐ جہاں چاہیں رہیں۔ اس کے بعد آپؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منتقل ہوگئے۔ منتقل ہوتے ہوئے حضرت فضل بن عباس اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کا سہارا لے کر درمیان میں چل رہے تھے۔ سر پر پٹی بندھی تھی اور پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ اس کیفیت کے ساتھ آپؐ حضرت عائشہؓ کے مکان میں تشریف لائے اور پھر حیاتِ مبارکہ کا آخری ہفتہ وہیں گزارا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مُعوِّذات اور رسول اللہ ﷺ سے حفظ کی ہوئی دُعائیں پڑھ کر آپؐ پر دم کرتی رہتی تھیں اور برکت کی اُمید میں آپؐ کا ہاتھ آپؐ کے جسمِ مبارک پر پھیرتی رہتی تھیں۔

وفات سے پانچ دن پہلے

وفات سے پانچ دن پہلے روز چہار شنبہ (بدھ) کو جسم کی حرارت میں مزید شدّت آگئی جس کی وجہ سے تکلیف بھی بڑھ گئی اور غشی طاری ہوگئی۔ آپؐ نے فرمایا: "مجھ پر مختلف کنوؤں کے سات مشکیزے بہاؤ تاکہ میں لوگوں کے پاس جاکر وصیّت کرسکوں۔" اس کی تکمیل کرتے ہوئے آپؐ کو ایک لگن میں بٹھا دیا گیا اور آپؐ کے اُوپر اتنا پانی ڈالا گیا کہ آپؐ "بس" "بس" کہنے لگے۔

اس وقت آپؐ نے کچھ تخفیف محسوس کی اور مسجد میں تشریف لے گئے —— سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی —— منبر پر فروکش ہوئے اور بیٹھ کر خطبہ دیا۔ صحابہ کرام گرداگرد جمع تھے۔ فرمایا: "یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت —— کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنایا"

ایک روایت میں ہے: "یہود و نصاریٰ پر اللہ کی مار کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی

قبروں کو مسجد بنا لیا[۲]۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا: "تم لوگ میری قبر کو بُت نہ بنانا کہ اس کی پُوجا کی جائے"۔[۳]

پھر آپؐ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کیا اور فرمایا: "مَیں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑا مارا ہو تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے، وہ بدلہ لے لے، اور کسی کی بے آبرُوئی کی ہو تو یہ میری آبرو حاضر ہے، وہ بدلہ لے لے۔"

اس کے بعد آپؐ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ ظہر کی نماز پڑھائی، اور پھر منبر پر تشریف لے گئے اور عداوت وغیرہ سے متعلق اپنی پچھلی باتیں دُہرائیں۔ ایک شخص نے کہا، آپؐ کے ذمہ میرے تین درہم باقی ہیں۔ آپؐ نے فضل بن عباسؓ سے فرمایا "انہیں ادا کر دو۔ اس کے بعد انصار کے بارے میں وصیت فرمائی۔ فرمایا:

"مَیں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ میرے قلب و جگر ہیں۔ انہوں نے اپنی ذمّہ داری پوری کر دی مگر ان کے حقوق باقی رہ گئے ہیں؛ لہٰذا ان کے نیکوکار سے قبول کرنا اور ان کے خطاکار سے درگذر کرنا۔" ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "لوگ بڑھتے جائیں گے، اور انصار گھٹتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ کھانے میں نمک کی طرح ہو جائیں گے۔ لہٰذا تمہارا جو آدمی کسی نفع اور نقصان پہنچانے والے کام کا والی ہو تو وہ ان کے نیکوکاروں سے قبول کرے اور ان کے خطاکاروں سے درگذر کرے۔"[۴]

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: "ایک بندے کو اللہ نے اختیار دیا کہ وہ یا تو دنیا کی چمک دمک اور زیب و زینت میں سے جو کچھ چاہے اللہ اُسے دے دے یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کرے تو اس بندے نے اللہ کے پاس والی چیز کو اختیار کر لیا۔" ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ بات سُن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا: "ہم اپنے ماں باپ سمیت آپؐ پر قربان۔ اس پر ہمیں تعجب ہُوا۔ لوگوں نے کہا، اس بڈھے کو دیکھو! رسول اللہ ﷺ تو ایک بندے کے بارے میں یہ بتا رہے ہیں کہ اللہ نے اُسے اختیار دیا کہ دُنیا کی چمک دمک اور زیب و زینت میں سے جو چاہے اللہ اسے دے دے یا وہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کرے اور یہ بڈھا کہہ رہا ہے کہ ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپؐ پر قربان۔ (لیکن چند دن بعد واضح ہُوا کہ) جس بندے کو اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ ﷺ تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ

---

[۲] صحیح بخاری ۱/۶۲ مؤطا امام مالک ص ۳۶۰

[۳] موطا امام مالک ص ۶۵ [۴] صحیح بخاری ۱/۵۳۶

ہم میں سب سے زیادہ صاحبِ علم تھے۔[۵]

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھ پر اپنی رفاقت اور مال میں سب سے زیادہ صاحبِ احسان ابوبکرؓ ہیں" اور اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی اور کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو خلیل بناتا۔ لیکن (ان کے ساتھ) اسلام کی اخوّت و محبّت (کا تعلق) ہے۔ مسجد میں کوئی دروازہ باقی نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے لازماً بند کر دیا جائے، سوائے ابوبکرؓ کے دروازے کے۔"[۶]

چار دن پہلے وفات سے چار دن پہلے جمعرات کو جب کہ آپؐ سخت تکلیف سے دوچار تھے فرمایا: "لاؤ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ کبھی گمراہ نہ ہو گے۔" اس وقت گھر میں کئی آدمی تھے جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے کہا "آپؐ پر تکلیف کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے۔ بس اللہ کی یہ کتاب تمہارے لیے کافی ہے۔ اس پر گھر کے اندر موجود لوگوں میں اختلاف پڑ گیا اور وہ جھگڑ پڑے۔ کوئی کہہ رہا تھا "لاؤ رسول اللہ ﷺ لکھ دیں۔ اور کوئی وہی کہہ رہا تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا" اس طرح لوگوں نے جب زیادہ شور و شغب اور اختلاف کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس سے اُٹھ جاؤ۔"[۷]

پھر اسی روز آپؐ نے تین باتوں کی وصیّت فرمائی: ایک اس بات کی وصیّت کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا۔ دوسرے اس بات کی وصیّت کی کہ وفود کی اسی طرح نوازش کرنا جس طرح آپؐ کیا کرتے تھے۔ البتہ تیسری بات کو راوی بھول گیا غالباً یہ کتاب و سنّت کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کی وصیّت تھی یا لشکرِ اسامہ کو روانہ کرنے کی وصیّت تھی یا آپؐ کا یہ ارشاد تھا کہ "نماز اور تمہارے زیرِ دست" یعنی غلاموں اور لونڈیوں کا خیال رکھنا۔

رسول اللہ ﷺ مرض کی شدّت کے باوجود اس دن تک، یعنی وفات سے چار دن پہلے (جمعرات) تک تمام نمازیں خود ہی پڑھایا کرتے تھے۔ اس روز بھی مغرب کی نماز آپؐ ہی نے پڑھائی اور اس میں سورہ والمرسلاتِ عُرفاً پڑھی۔[۸]

لیکن عشاء کے وقت مرض کا ثقل اتنا بڑھ گیا کہ مسجد میں جانے کی طاقت نہ رہی حضرت عائشہ

[۵-۶] متفق علیہ: مشکوٰۃ ۲/۵۴۶، ۵۵۴ صحیح بخاری ۱/۵۱۶

[۷] متفق علیہ: صحیح بخاری ۱/۲۲، ۴۲۹، ۴۴۹، ۲/۶۳۸

[۸] صحیح بخاری عن ام الفضل، باب مرض النبی ﷺ ۲/۶۳۷

رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا: "نہیں یا رسولؐ اللہ، سب آپؐ کا انتظار کر رہے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا میرے لیے لگن میں پانی رکھو۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ آپؐ نے غسل فرمایا اور اس کے بعد اٹھنا چاہا، لیکن آپؐ پر غشی طاری ہوگئی۔ پھر افاقہ ہوا تو آپؐ نے دریافت کیا، کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا: "نہیں یا رسولؐ اللہ، سب آپؐ کا انتظار کر رہے ہیں۔" اس کے بعد دوبارہ اور پھر سہ بارہ وہی بات پیش آئی جو پہلی بار پیش آچکی تھی کہ آپؐ نے غسل فرمایا، پھر اٹھنا چاہا تو آپؐ پر غشی طاری ہوگئی۔ بالآخر آپؐ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہلوا بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان ایام میں نماز پڑھائی۔[۹] نبی ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ان کی پڑھائی ہوئی نمازوں کی تعداد سترہ ہے۔

حضرت عائشہؓ نے نبی ﷺ سے تین یا چار بار مراجعہ فرمایا کہ امامت کا کام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بجائے کسی اور کو سونپ دیں۔ ان کا منشا یہ تھا کہ لوگ ابوبکرؓ کے بارے میں بدشگون نہ ہوں، لیکن نبی ﷺ نے ہر بار انکار فرما دیا اور فرمایا "تم سب یوسف والیاں ہو۔[۱۰] ابوبکرؓ کو حکم دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔"[۱۱]

ایک دن یا دو دن پہلے

ہفتہ یا اتوار کو نبی ﷺ نے اپنی طبیعت میں قدرے تخفیف محسوس کی، چنانچہ دو آدمیوں کے درمیان چل کر ظہر کی نماز کے لیے تشریف لائے۔ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ آپؐ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے۔ آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں اور لانے والوں

---

[۹] متفق علیہ، مشکوٰۃ ۱/۱۰۲

[۱۰] حضرت یوسف علیہ السلام کے سلسلے میں جو عورتیں عزیزِ مصر کی بیوی کو ملامت کر رہی تھیں وہ بظاہر تو اس کے فعل کے گھٹیا پن کا اظہار کر رہی تھیں لیکن یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر جب انہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لیں تو معلوم ہوا کہ یہ خود بھی درپردہ ان پر فریفتہ ہیں۔ یعنی وہ زبان سے کچھ کہہ رہی تھیں لیکن دل میں کچھ اور ہی بات تھی۔ یہی معاملہ یہاں بھی تھا۔ بظاہر تو رسول اللہ ﷺ سے کہا جا رہا تھا کہ ابوبکرؓ رقیق القلب ہیں آپؐ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو گریہ وزاری کے سبب قراءت نہ کر سکیں گے یا سنا نہ سکیں گے لیکن دل میں یہ بات تھی کہ اگر خدانخواستہ حضورؐ اسی مرض میں رحلت فرما گئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نحوست اور بدشگونی کا خیال لوگوں کے دل میں جاگزیں ہو جائے گا۔ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس گذارش میں دیگر ازواجِ مطہراتؓ بھی شریک تھیں اس لیے آپؐ نے فرمایا تم سب یوسف والیاں ہو یعنی تمہارے بھی دل میں کچھ ہے اور زبان سے کچھ کہہ رہی ہو۔

[۱۱] صحیح بخاری ۱/۹۹

سے فرمایا کہ مجھے ان کے بازو میں بٹھا دو۔ چنانچہ آپؐ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بائیں بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کی اقتدار کر رہے تھے اور صحابہ کرام کو تکبیر سُنا رہے تھے[۱۲]

ایک دن پہلے

وفات سے ایک دن پہلے بروز اتوار نبی ﷺ نے اپنے تمام غلاموں کو آزاد فرما دیا۔ پاس میں سات دینار تھے انہیں صدقہ کر دیا۔ اپنے ہتھیار مسلمانوں کو ہبہ فرما دیئے۔ رات میں چراغ جلانے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تیل پڑوسن سے ادھار لیا۔ آپؐ کی زِرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع (کوئی ۷۵ کیلو) جَو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔

حیاتِ مبارکہ کا آخری دن

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ دوشنبہ کے روز مسلمان نماز فجر میں مصروف تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت فرما رہے تھے ـــــ کہ اچانک رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ ہٹایا اور صحابہ کرام پر جو صفیں باندھے نماز میں مصروف تھے نظر ڈالی۔ پھر تبسم فرمایا۔ ادھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی ایڑ کے بل پیچھے ہٹے کہ صف میں جا ملیں۔ انہوں نے سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے تشریف لانا چاہتے ہیں۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ (کے اس اچانک ظہور سے) مسلمان اس قدر خوش ہوئے کہ چاہتے تھے کہ نماز کے اندر ہی فتنے میں پڑ جائیں (یعنی آپؐ کی مزاج پُرسی کے لیے نماز توڑ دیں۔) لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کر لو۔ پھر حجرے کے اندر تشریف لے گئے اور پردہ گرا لیا[۱۳]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر کسی دوسری نماز کا وقت نہیں آیا۔

دن چڑھے چاشت کے وقت آپؐ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے کچھ سرگوشی کی۔ وہ رونے لگیں۔ آپؐ نے انہیں پھر بلایا اور کچھ سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ بعد میں ہمارے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ (پہلی بار) نبی ﷺ نے مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے بتایا کہ آپؐ اسی مرض میں وفات پا جائیں گے۔ اس لیے میں روئی۔ پھر آپؐ نے مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے بتایا کہ آپؐ کے اہل و

[۱۲] صحیح بخاری ۱/۹۸، ۹۹ [۱۳] ایضاً باب مرض النبی ﷺ ۲/۲۴۰

عیال میں سب سے پہلے میں آپؐ کے پیچھے جاؤں گی۔ اس پر میں ہنسی[۱۴]

نبی ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو یہ بشارت بھی دی کہ آپؓ ساری خواتینِ عالم کی سیدہ (سردار) ہیں[۱۵]

اس وقت رسول اللہ ﷺ جس شدید کرب سے دوچار تھے اسے دیکھ کر حضرت فاطمہؓ بے ساختہ پکار اٹھیں۔ وَاکَرْبَ اَبَاہُ! "ہائے ابا جان کی تکلیف" آپؐ نے فرمایا "تمہارے ابا پر آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں"۔[۱۶]

آپؐ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر چوما اور ان کے بارے میں خیر کی وصیت فرمائی۔ ازواجِ مطہراتؓ کو بلایا اور انہیں وعظ و نصیحت کی۔

ادھر لمحہ بہ لمحہ تکلیف بڑھتی جا رہی تھی اور اس زہر کا اثر بھی ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا جسے آپؐ کو خیبر میں کھلایا گیا تھا۔ چنانچہ آپؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے تھے "اے عائشہ! خیبر میں جو کھانا میں نے کھا لیا تھا اس کی تکلیف برابر محسوس کر رہا ہوں۔ اس وقت مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اس زہر کے اثر سے میری رگِ جاں کٹی جا رہی ہے"۔[۱۷]

آپؐ نے صحابہ کرام کو بھی وصیت فرمائی۔ فرمایا "اَلصَّلَاۃَ اَلصَّلَاۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" "نماز، نماز، اور تمہارے زیرِ دست" (یعنی لونڈی، غلام) آپؐ نے یہ الفاظ کئی بار دہرائے[۱۸]

نزعِ رواں

پھر نزع کی حالت شروع ہو گئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کی اپنے اُوپر ٹیک لگوا دی۔ ان کا بیان ہے کہ اللہ کی ایک نعمت مجھ پر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں، میری باری کے دن میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے وفات پائی اور آپؐ کی موت کے وقت اللہ نے میرا لعاب اور آپؐ کا لعاب اکٹھا کر دیا۔ ہُوا یہ کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر آپ کے پاس تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی اور رسول اللہ ﷺ مجھ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپؐ مسواک کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ میں سمجھ گئی کہ آپؐ مسواک چاہتے ہیں۔ میں نے پوچھا آپؐ کے لیے لے لوں؟ آپؐ نے سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔ میں نے مسواک لے کر آپؐ کو دی تو آپؐ کو کڑی محسوس ہوئی۔ میں

---

[۱۴] بخاری ۲ / ۶۳۸

[۱۵] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گفتگو اور بشارت دینے کا یہ واقعہ حیاتِ مبارکہ کے آخری دن نہیں بلکہ آخری ہفتے میں پیش آیا تھا۔ دیکھئے رحمۃ للعالمین ۱ / ۲۸۲

[۱۶] صحیح بخاری ۲ / ۶۴۱ [۱۷] ایضاً ۲ / ۶۳۷ [۱۸] صحیح بخاری ۲ / ۶۳۷

نے کہا اسے آپؐ کے لیے نرم کر دوں؟ آپؐ نے سر کے اشارے سے کہا ہاں۔ میں نے مسواک نرم کر دی اور آپؐ نے نہایت اچھی طرح مسواک کی۔ آپؐ کے سامنے کٹورے میں پانی تھا۔ آپؐ پانی میں دونوں ہاتھ ڈال کر چہرہ پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: "لا الٰہ الا اللہ، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ موت کے لیے سختیاں ہیں"[۱۹]

مسواک سے فارغ ہوتے ہی آپؐ نے ہاتھ یا انگلی اٹھائی، نگاہ چھت کی طرف بلند کی اور دونوں ہونٹوں پر کچھ حرکت ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان لگایا تو آپؐ فرما رہے تھے: "ان انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ہمراہ جنہیں تُو نے انعام سے نوازا۔ اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کر اور مجھے رفیقِ اعلےٰ میں پہنچا دے۔ اے اللہ! رفیق اعلےٰ"[۲۰]

آخری فقرہ تین بار دہرایا، اور اسی وقت ہاتھ جھک گیا اور آپؐ رفیقِ اعلےٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ واقعہ ۱۲۔ ربیع الاول ۱۱ھ یوم دوشنبہ کو چاشت کی شدت کے وقت پیش آیا۔ اس وقت نبی ﷺ کی عمر تریسٹھ سال چار دن ہو چکی تھی۔

غمہائے بیکراں

اس حادثۂ دلفگار کی خبر فوراً پھیل گئی۔ اہلِ مدینہ پر کوہِ غم ٹوٹ پڑا۔ آفاق و اطراف تاریک ہو گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اس سے بہتر اور تابناک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا اور جس دن رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اس سے زیادہ قبیح اور تاریک دن بھی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔[۲۱]

آپؐ کی وفات پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرطِ غم سے فرمایا: یَا اَبَتَاہُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاہُ، یَا اَبَتَاہُ مَنْ جَنَّۃُ الْفِرْدَوْسِ مَاوَاہُ، یَا اَبَتَاہُ اِلٰی جِبْرِیْلَ نَنْعَاہُ۔[۲۲]

"ہائے ابا جان! جنہوں نے پروردگار کی پکار پر لبیک کہا۔ ہائے ابا جان! جن کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے۔ ہائے ابا جان! ہم جبریلؑ کو آپؐ کی موت کی خبر دیتے ہیں۔"

---

۱۹ صحیح بخاری ۲/۶۴۰

۲۰ ایضاً صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ وباب آخر ما تکلم النبی ﷺ ۲/۶۳۸ تا ۶۴۱

۲۱ دارمی، مشکوٰۃ ۲/۵۴۷

۲۲ صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ ۲/۶۴۱

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف

وفات کی خبر سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہوش جاتے رہے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر کہنا شروع کیا: "کچھ منافقین سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی بلکہ آپؐ اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں، جس طرح موسیٰ بن عمران علیہ السلام تشریف لے گئے تھے، اور اپنی قوم سے چالیس رات غائب رہ کر ان کے پاس پھر واپس آ گئے تھے، حالانکہ واپسی سے پہلے کہا جا رہا تھا کہ وہ انتقال کر چکے ہیں۔

خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ بھی ضرور پلٹ کر آئیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے جو سمجھتے ہیں کہ آپؐ کی موت واقع ہو چکی ہے۔"[۲۳]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا موقف

ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سنح میں واقع اپنے مکان سے گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لائے اور اُتر کر مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے۔ پھر لوگوں سے کوئی بات کئے بغیر سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور رسول اللہ ﷺ کا قصد فرمایا۔ آپؐ کا جسدِ مبارک دھاریدار یمنی چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے رُخِ انور سے چادر ہٹائی اور اُسے چوما اور روئے۔ پھر فرمایا: "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، اللہ آپؐ پر دو موت جمع نہیں کرے گا۔ جو موت آپؐ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپؐ کو آ چکی۔"

اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے۔ اس وقت بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے بات کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: "عمر بیٹھ جاؤ۔" حضرت عمرؓ نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ ادھر صحابہ کرام حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

اَمَّا بعد۔ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ، قَالَ اللّٰهُ: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○ (۳:۱۴۴)

---

[۲۳] ابنِ ہشام ۲/ ۶۵۵

"اما بعد، تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا تو (وہ جان لے) کہ محمد ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے۔ اور تم میں سے جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ کبھی نہیں مرے گا۔ اللہ کا ارشاد ہے: محمدؐ نہیں ہیں مگر رسول ہی۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ تو کیا اگر وہ (محمدؐ) مر جائیں یا ان کی موت واقع ہو جائے یا وہ قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ اپنی ایڑ کے بل پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑ کے بل پلٹ جائے تو (یاد رکھے کہ) وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔"

صحابہ کرام کو جواب تک فرطِ غم سے حیران و ششدر تھے انہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ خطاب سُن کر یقین آگیا کہ رسول اللہ ﷺ واقعی رحلت فرما چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابنِ عباسؓ کا بیان ہے کہ واللہ ایسا لگتا تھا گویا لوگوں نے جانا ہی نہ تھا کہ اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے، یہاں تک کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت کی تو سارے لوگوں نے اُن سے یہ آیت اخذ کی۔ اور اب جس کسی انسان کو میں سُنتا تو وہ اسی کو تلاوت کر رہا ہوتا۔

حضرت سعیدؒ بن مسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "واللہ میں نے جوں ہی ابوبکرؓ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سُنا انتہائی متحیّر اور دہشت زدہ ہو کر رہ گیا۔ حتیٰ کہ میرے پاؤں مجھے اُٹھا ہی نہیں رہے تھے اور حتیٰ کہ ابوبکرؓ کو اس آیت کی تلاوت کرتے سُن کر میں زمین پر گر پڑا۔ کیونکہ میں جان گیا کہ واقعی نبی ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے۔"[۲۴]

تجہیز و تکفین اور تدفین

ادھر نبی ﷺ کی تجہیز و تکفین سے پہلے ہی آپؐ کی جانشینی کے معاملے میں اختلاف پڑ گیا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین و انصار کے درمیان بحث و مناقشہ ہوا مجادلہ و گفتگو ہوئی، تردید و تنقید ہوئی اور بالآخر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق ہو گیا۔ اس کام میں دوشنبہ کا باقیماندہ دن گذر گیا اور رات آگئی۔ لوگ نبی ﷺ کی تجہیز و تکفین کے بجائے اس دوسرے کام میں مشغول رہے۔ پھر رات گذری اور منگل کی صبح ہوئی۔ اس وقت تک آپؐ کا جسدِ مبارک ایک دھاریدار یمنی چادر سے ڈھکا بستر ہی پر رہا۔ گھر کے لوگوں نے باہر سے دروازہ بند کر دیا تھا۔

---

[۲۴] صحیح بخاری ۲/ ۶۴۰، ۶۴۱

منگل کے روز آپؐ کو کپڑے اتارے بغیر غسل دیا گیا۔ غسل دینے والے حضرات یہ تھے: حضرت عباس، حضرت علی، حضرت عباس کے دو صاحبزادگان فضل اور قثم، رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام شقران، حضرت اسامہ بن زید اور اوس بن خولی رضی اللہ عنہم حضرت عباس، فضل اور قثم آپؐ کی کروٹ بدل رہے تھے۔ حضرت اسامہؓ اور شقرانؓ پانی بہا رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے تھے اور حضرت اوسؓ نے آپؐ کو اپنے سینے سے ٹیک دے رکھی تھی۔

اس کے بعد آپؐ کو تین سفید یمنی چادروں میں کفنایا گیا۔ ان میں کرتا اور پگڑی نہ تھی۔[۲۵] بس آپؐ کو چادروں ہی میں لپیٹ دیا گیا تھا۔

آپؐ کی آخری آرام گاہ کے بارے میں بھی صحابہ کرام کی رائیں مختلف تھیں لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی نبی بھی فوت نہیں ہوا مگر اس کی تدفین وہیں ہوئی جہاں فوت ہوا۔ اس فیصلے کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپؐ کا وہ بستر اٹھایا جس پر آپؐ کی وفات ہوئی تھی اور اسی کے نیچے قبر کھودی۔ قبر لحد والی (بغلی) کھودی گئی تھی۔

اس کے بعد باری باری دس دس صحابہ کرام نے حجرہ شریف میں داخل ہو کر نمازِ جنازہ پڑھی۔ کوئی امام نہ تھا۔ سب سے پہلے آپؐ کے خانوادہ (بنو ہاشم) نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر مردوں کے بعد عورتوں نے اور انکے بعد بچوں نے۔

نمازِ جنازہ پڑھنے میں منگل کا پورا دن گذر گیا اور چہار شنبہ (بدھ) کی رات آگئی۔ رات میں آپؐ کے جسدِ پاک کو سپردِ خاک کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی تدفین کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ ہم نے بدھ کی رات کے درمیانی اوقات میں پھاوڑوں کی آواز سنی۔[۲۶]

---

۲۵ صحیح بخاری ۱/۱۶۹ - صحیح مسلم ۱/۳۰۶

۲۶ مختصر سیرۃ الرسول للشیخ عبداللہ ص ۴۷۱ - واقعہ وفات کی تفصیل کے لیے دیکھئے: صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ اور اس کے بعد کے چند ابواب مع فتح الباری، نیز صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح، باب وفاۃ النبی ﷺ، ابن ہشام ۲/۶۴۹ تا ۶۶۵۔ تلقیح فہوم اہل الاثر ص ۳۸، ۳۹ - رحمۃ للعالمین ۱/۲۷۷ تا ۲۸۶ - اوقات کی تعیین بالعموم رحمۃ للعالمین سے لی گئی ہے۔

خانۂ نبوّت

۱۔ ہجرت سے قبل مکہ میں نبی ﷺ کا گھرانہ آپؐ اور آپؐ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر مشتمل تھا۔ شادی کے وقت آپؐ کی عمر پچیس سال تھی اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال۔ حضرت خدیجہؓ آپؐ کی پہلی بیوی تھیں اور ان کے جیتے جی آپؐ نے کوئی اور شادی نہیں کی۔ آپؐ کی اولاد میں حضرت ابراہیم کے ماسوا تمام صاحبزادے اور صاحبزادیاں ان ہی حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں۔ صاحبزادگان میں سے تو کوئی زندہ نہ بچا البتہ صاحبزادیاں حیات رہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ زینب، رُقیہؓ، اُمِ کلثومؓ، اور فاطمہؓ ـــــ زینبؓ کی شادی ہجرت سے پہلے ان کے پھوپھی زاد بھائی حضرت ابوالعاصؓ بن ربیع سے ہوئی۔ رقیہؓ اور اُمِ کلثومؓ کی شادی یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضرت فاطمہؓ کی شادی جنگ بدر اور جنگ احد کے درمیانی عرصہ میں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور ان کے بطن سے حسنؓ، حسینؓ، زینبؓ اور ام کلثوم پیدا ہوئیں۔

معلوم رہے کہ نبی ﷺ کو اُمّت کے بالمقابل یہ امتیازی خصوصیت حاصل تھی کہ آپ مختلف اغراض کے پیشِ نظر چار سے زیادہ شادیاں کر سکتے تھے۔ چنانچہ جن عورتوں سے آپؐ نے عقد فرمایا ان کی تعداد گیارہ تھی، جن میں سے نو عورتیں آپ کی رحلت کے وقت حیات تھیں اور دو عورتیں آپ کی زندگی ہی میں وفات پا چکی تھیں (یعنی حضرت خدیجہ اور اُمّ المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا) ان کے علاوہ مزید دو عورتیں ہیں جن کے بارے میں اختلاف ہے کہ آپؐ کا ان سے عقد ہوا تھا یا نہیں! لیکن اس پر اتفاق ہے کہ انہیں آپؐ کے پاس رخصت نہیں کیا گیا۔ ذیل میں ہم ان ازواجِ مطہرات کے نام اور ان کے مختصر حالات ترتیب وار پیش کر رہے ہیں۔

۲۔ حضرت سَوْدَہؓ بنت زَمْعَہ: ان سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے چند دن بعد نبوت کے دسویں سال ماہِ شوال میں شادی کی۔ آپؐ سے پہلے حضرت سَوْدَہؓ اپنے چچیرے

بھائی سکران بن عمرو کے عقد میں تھیں اور وہ انتقال کر کے انہیں بیوہ چھوڑ گئے تھے۔

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ بنتِ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا: ان سے رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے گیارھویں برس ماہِ شوال میں شادی کی یعنی حضرت سودہؓ سے شادی کے ایک سال بعد اور ہجرت سے دو برس پانچ ماہ پہلے۔ اس وقت ان کی عمر چھ برس تھی۔ پھر ہجرت کے سات ماہ بعد شوال ۱ھ میں انہیں رخصت کیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر نو برس تھی اور وہ باکرہ تھیں۔ ان کے علاوہ کسی اور باکرہ عورت سے آپؐ نے شادی نہیں کی۔ حضرت عائشہؓ آپ کی سب سے محبوب بیوی تھیں اور اُمت کی عورتوں میں علی الاطلاق سب سے زیادہ فقیہ اور صاحبِ علم تھیں۔

۴۔ حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا۔ ان کے پہلے شوہر خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے جو بدر اور احد کے درمیانی عرصہ میں رحلت کر گئے اور وہ بیوہ ہو گئیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی شادی کا یہ واقعہ ۳ھ کا ہے۔

۵۔ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا: یہ قبیلہ بنو ہلال بن عامر بن صعصعہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ مسکینوں پر رحم و مروت اور رقّت و رأفت کے سبب ان کا لقب اُمّ المساکین پڑ گیا تھا۔ یہ حضرت عبداللہؓ بن جحش کے عقد میں تھیں۔ وہ جنگِ اُحد میں شہید ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ۴ھ میں ان سے شادی کر لی۔ مگر صرف آٹھ ماہ رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں رہ کر وفات پا گئیں۔

۶۔ اُمّ سلمہ ہند بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا: یہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ جمادی الآخرہ ۴ھ میں حضرت ابو سلمہؓ کا انتقال ہو گیا تو ان کے بعد شوال ۴ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔

۷۔ زینب بنتِ جحش بن ریاب رضی اللہ عنہا: یہ قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی شادی پہلے حضرت زیدؓ بن حارثہ سے ہوئی تھی جنہیں رسول اللہ ﷺ کا بیٹا سمجھا جاتا تھا لیکن حضرت زیدؓ سے نباہ نہ ہو سکا اور انہوں نے طلاق دیدی۔ خاتمۂ عدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ (۳۳: ۳۷) جب زید نے ان سے اپنی ضرورت پوری کر لی تو ہم نے انہیں آپؐ کی زوجیت میں دے دیا۔"

انہیں کے تعلق سے سورۂ احزاب کی مزید کئی آیات نازل ہوئیں جن میں متبنّیٰ (لے پالک)

کے قضیے کا دوٹوک فیصلہ کر دیا گیا ـــــ تفصیل آگے آ رہی ہے ـــــ حضرت زینبؓ سے رسول اللہ ﷺ کی شادی ذی قعدہ ۵ھ میں یا اس سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی۔

۸۔ جُوَیْرِیَہ بنت حارث رضی اللہ عنہا: ان کے والد قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنو المصطلق کے سردار تھے۔ حضرت جویریہؓ بنو المصطلق کے قیدیوں میں لائی گئی تھیں اور حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے حصے میں پڑی تھیں۔ انہوں نے حضرت جویریہؓ سے مکاتبت کر لی یعنی ایک مقررہ رقم کے عوض آزاد کر دینے کا معاملہ طے کر لیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف سے مقررہ رقم ادا فرما دی اور ان سے شادی کر لی۔ یہ شعبان ۵ھ یا ۶ھ کا واقعہ ہے۔

۹۔ اُمِّ حَبِیْبَہ رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا۔ یہ عبید اللہ بن جحش کے عقد میں تھیں اور اس کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ بھی گئی تھیں لیکن عبید اللہ نے وہاں جانے کے بعد مرتد ہو کر عیسائی مذہب قبول کر لیا اور پھر وہیں انتقال کر گیا لیکن اُمِّ حبیبہؓ اپنے دین اور اپنی ہجرت پر قائم رہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے محرم ۷ھ میں عمرو بن اُمیہ ضمری کو اپنا خط دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تو نجاشی کو یہ پیغام بھی دیا کہ اُمِّ حبیبہؓ سے آپ کا نکاح کر دے۔ اس نے اُمِّ حبیبہؓ کی منظوری کے بعد ان سے آپؐ کا نکاح کر دیا اور شُرَحْبِیْل بن حَسَنَہ کے ساتھ انہیں آپؐ کی خدمت میں بھیج دیا۔

۱۰۔ حضرت صَفِیَّہ بنت حُیَیّ بن اَخْطَب رضی اللہ عنہا: یہ بنی اسرائیل سے تھیں اور خیبر میں قید کی گئیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے لیے منتخب فرما لیا اور آزاد کر کے شادی کر لی۔ یہ فتح خیبر ۷ھ کے بعد کا واقعہ ہے۔

۱۱۔ حضرت مَیْمُوْنہ بنت حارث رضی اللہ عنہا: یہ ام الفضل لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ ان سے رسول اللہ ﷺ نے ذی قعدہ ۷ھ میں عمرۂ قضاء سے فارغ ہونے ـــــ اور صحیح قول کے مطابق احرام سے حلال ہونے ـــــ کے بعد شادی کی۔

یہ گیارہ بیویاں ہوئیں جو رسول اللہ ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں اور آپؐ کی صحبت و رفاقت میں رہیں۔ ان میں سے دو بیویاں یعنی حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ اُمُّ المساکین کی وفات آپؐ کی زندگی ہی میں ہوئی اور نو بیویاں آپؐ کی وفات کے بعد حیات رہیں۔ ان کے علاوہ دو اور خواتین جو آپؐ کے پاس رخصت نہیں کی گئیں ان میں سے ایک قبیلہ بنو کلاب سے تعلق

رکھتی تھیں اور ایک قبیلہ کندہ سے۔ یہی قبیلہ کندہ والی خاتون جونیہ کی نسبت سے معروف ہیں ان کا آپؐ سے عقد ہوا تھا یا نہیں اور ان کا نام و نسب کیا تھا اس بارے میں اہل سیر کے درمیان بڑے اختلافات ہیں جنکی تفصیل کی ہم کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

جہاں تک لونڈیوں کا معاملہ ہے تو مشہور یہ ہے کہ آپؐ نے دو لونڈیوں کو اپنے پاس رکھا: ایک ماریہ قبطیہ کو جنہیں مقوقس فرمانروائے مصر نے بطور ہدیہ بھیجا تھا ان کے بطن سے آپؐ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے جو بچپن ہی میں ۲۸ یا ۲۹ شوال ۱۰ھ مطابق ۲۷ جنوری ۶۳۲ء کو مدینہ کے اندر انتقال کر گئے۔

دوسری لونڈی ریحانہؓ بنت زید تھیں جو یہود کے قبیلہ بنی نضیر یا بنی قریظہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ بنو قریظہ کے قیدیوں میں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمایا تھا اور وہ آپ کی لونڈی تھیں۔ ان کے بارے میں بعض محققین کا خیال ہے کہ انہیں نبی ﷺ نے بحیثیت لونڈی نہیں رکھا تھا بلکہ آزاد کر کے شادی کر لی تھی لیکن ابن قیم کی نظر میں پہلا قول راجح ہے۔ ابو عبیدہ نے ان دو لونڈیوں کے علاوہ مزید دو لونڈیوں کا ذکر کیا ہے جس میں سے ایک کا نام جمیلہؓ بتایا جاتا ہے جو کسی جنگ میں گرفتار ہو کر آئی تھیں اور دوسری کوئی اور لونڈی تھیں جنہیں حضرت زینبؓ بنت جحش نے آپ کو ہبہ کیا تھا[1]۔

یہاں ٹھہر کر رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے ایک پہلو پر ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے۔ آپؐ نے اپنی جوانی کے نہایت پر قوت اور عمدہ ایام یعنی تقریباً تیس برس صرف ایک بیوی پر اکتفا کرتے ہوئے گزار دیئے اور وہ بھی ایسی بیوی پر جو تقریباً بڑھیا تھی یعنی پہلے حضرت خدیجہؓ پر اور پھر حضرت سودہؓ پر۔ تو کیا یہ تصور کسی بھی درجے میں معقول ہو سکتا ہے کہ اس طرح اتنا عرصہ گذار دینے کے بعد جب آپ بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچ گئے تو آپؐ کے اندر یکایک جنسی قوت اس قدر بڑھ گئی کہ آپؐ کو پے در پے نو شادیاں کرنی پڑیں۔ جی نہیں! آپؐ کی زندگی کے ان دونوں حصوں پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی بھی ہوشمند آدمی اس تصور کو معقول تسلیم نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؐ نے اتنی بہت ساری شادیاں کچھ دوسرے ہی اغراض و مقاصد کے تحت کی تھیں جو عام شادیوں کے مقررہ مقصد سے بہت ہی زیادہ عظیم القدر اور جلیل المرتبہ تھے۔

---

[1] :۔ دیکھئے زاد المعاد ۱/۲۹

اس کی توضیح یہ ہے کہ آپؐ نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما سے شادی کرکے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رشتۂ مصاہرت قائم کیا، اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پے درپے اپنی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہؓ پھر حضرت اُمِّ کلثومؓ کی شادی کرکے اور حضرت علیؓ سے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ کی شادی کرکے جو رشتہائے مُصاہرت قائم کیے ان کا مقصود یہ تھا کہ آپؐ ان چاروں بزرگوں سے اپنے تعلقات نہایت پختہ کرلیں کیونکہ یہ چاروں بزرگ پیچیدہ ترین مراحل میں اسلام کے لیے فداکاری وجاں سپاری کا جو امتیازی وصف رکھتے تھے وہ معروف ہے۔

عرب کا دستور تھا کہ وہ رشتۂ مصاہرت کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ان کے نزدیک دامادی کا رشتہ مختلف قبائل کے درمیان قربت کا ایک اہم باب تھا اور داماد سے جنگ لڑنا اور محاذ آرائی کرنا بڑے شرم اور عار کی بات تھی۔ اس دستور کو سامنے رکھ کر رسول اللہ ﷺ نے چند شادیاں اس مقصد سے کیں کہ مختلف افراد اور قبائل کی اسلام دشمنی کا زور توڑ دیں اور ان کے بغض ونفرت کی چنگاری بجھا دیں۔ چنانچہ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا قبیلۂ بنی مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں جو ابوجہل اور خالد بن ولید کا قبیلہ تھا۔ جب نبی ﷺ نے ان سے شادی کرلی تو خالد بن ولید میں وہ سختی نہ رہی جس کا مظاہرہ وہ اُحد میں کرچکے تھے، بلکہ تھوڑے ہی عرصہ بعد انہوں نے اپنی مرضی خوشی اور خواہش سے اسلام قبول کرلیا۔ اسی طرح جب آپؐ نے ابوسفیان کی صاحبزادی حضرت اُمِّ حبیبہؓ سے شادی کرلی تو پھر ابوسفیان آپ کے مدِّمقابل نہ آیا اور جب حضرت جُوَیریہؓ اور حضرت صفیہؓ آپ کی زوجیت میں آگئیں تو قبیلہ بنی المصطلق اور قبیلہ بنی نضیر نے محاذ آرائی چھوڑ دی۔ حضور کے عقد میں ان دونوں بیویوں کے آنے کے بعد تاریخ میں ان کے قبیلوں کی کسی شورش اور جنگی تگ ودَو کا سراغ نہیں ملتا، بلکہ حضرت جُوَیریہؓ تو اپنی قوم کیلئے ساری عورتوں سے زیادہ بابرکت ثابت ہوئیں، کیونکہ جب رسُول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کرلی تو صحابہ کرامؓ نے ان کے ایک سو گھرانوں کو جو قید میں تھے آزاد کردیا اور کہا کہ یہ لوگ رسُول اللہ ﷺ کے سُسرالی ہیں۔ ان کے دلوں پر اس احسان کا جو زبردست اثر ہُوا ہوگا وہ ظاہر ہے۔

ان سب سے بڑی اور عظیم بات یہ ہے کہ رسُول اللہ ﷺ ایک غیر مہذّب قوم کو تربیت دینے، اس کا تزکیۂ نفس کرنے اور تہذیب وتمدن سکھانے پر مامور تھے جو تہذیب وثقافت

سے ، تمدن کے لوازمات کی پابندی سے اور معاشرے کی تشکیل و تعمیر میں حصہ لینے کی ذمہ داریوں سے بالکل ناآشنا تھی ، اور اسلامی معاشرے کی تشکیل جن اصولوں کی بنیاد پر کرنی تھی ان میں مردوں اور عورتوں کے اختلاط کی گنجائش نہ تھی لہٰذا عدم اختلاط کے اس اصول کی پابندی کرتے ہوئے عورتوں کی براہ راست تربیت نہیں کی جا سکتی تھی حالانکہ ان کی تعلیم و تربیت کی ضرورت مردوں سے کچھ کم اہم اور ضروری نہ تھی ، بلکہ کچھ زیادہ ہی ضروری تھی ۔

اس لیے نبی ﷺ کے پاس صرف یہی ایک سبیل رہ گئی تھی کہ آپؐ مختلف عمر اور لیاقت کی اتنی عورتوں کو منتخب فرمالیں جو اس مقصد کے لیے کافی ہوں ۔ پھر آپؐ انہیں تعلیم و تربیت دیدیں ، ان کا تزکیہ نفس فرمادیں ، انہیں احکام شریعت سکھلا دیں اور اسلامی تہذیب و ثقافت سے اس طرح آراستہ کر دیں کہ وہ دیہاتی اور شہری ، بوڑھی اور جوان ہر طرح کی عورتوں کی تربیت کر سکیں اور انہیں مسائل شریعت سکھا سکیں اور اس طرح عورتوں میں تبلیغ کی مہم کے لیے کافی ہو سکیں ۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی ﷺ کے خانگی حالات کو امت تک پہنچانے کا سہرا زیادہ تر ان امہاتؓ المومنین ہی کے سر ہے ان میں بھی بالخصوص وہ امہاتؓ المومنین جنہوں نے طویل عمر پائی ۔ مثال کے طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ انہوں نے نبی ﷺ کے افعال و اقوال خوب خوب روایت کئے ہیں ۔

نبی ﷺ کا ایک نکاح ایک ایسی جاہلی رسم توڑنے کے لیے بھی عمل میں آیا تھا جو عرب معاشرہ میں پشتہا پشت سے چلی آرہی تھی اور بڑی پختہ ہو چکی تھی ۔ یہ رسم تھی کسی کو متبنّیٰ بنانے کی ۔ متبنّیٰ کو جاہلی دور میں وہی حقوق اور حرمتیں حاصل تھیں جو حقیقی بیٹے کو ہوا کرتی ہیں ۔ پھر یہ دستور اور اصول عرب معاشرے میں اس قدر جڑ پکڑ چکا تھا کہ اس کا مٹانا آسان نہ تھا لیکن یہ اصول ان بنیادوں اور اصولوں سے نہایت سختی کے ساتھ ٹکراتا تھا جنہیں اسلام نے نکاح ، طلاق ، میراث اور دوسرے معاملات میں مقرر فرمایا تھا ۔ اس کے علاوہ جاہلیت کا یہ اصول اپنے دامن میں بہت سے ایسے مفاسد اور فواحش بھی لیے ہوئے تھا جن سے معاشرے کو پاک کرنا اسلام کے اولین مقاصد میں سے تھا ۔ لہٰذا اس جاہلی اصول کو توڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی شادی حضرت زینبؓ بنت جحش سے فرمادی حضرت

زینبؓ پہلے حضرت زیدؓ کے عقد میں تھیں جو رسول اللہ ﷺ کے متبنّٰی (منہ بولے بیٹے) تھے مگر دونوں میں نباہ مشکل ہو گیا اور حضرت زیدؓ نے طلاق دینے کا ارادہ کر لیا۔ یہ وہ وقت تھا جب تمام کفار رسول اللہ ﷺ کے خلاف محاذ آرا تھے اور جنگِ خندق کے لیے جمع ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔ ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے متبنّٰی بنانے کی رسم کے خاتمے کے اشارات مل چکے تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ کو بجا طور پر یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر ان ہی حالات میں حضرت زیدؓ نے طلاق دیدی اور پھر آپؐ کو حضرت زینبؓ سے شادی کرنی پڑی تو منافقین، مشرکین اور یہودیات کا بتنگڑ بنا کر آپ کے خلاف سخت پروپیگنڈہ کریں گے اور سادہ لوح مسلمانوں کو طرح طرح کے وسوسوں میں مبتلا کر کے ان پر برے اثرات ڈالیں گے اس لیے آپؐ کی کوشش تھی کہ حضرت زیدؓ طلاق نہ دیں تاکہ اس کی سرے سے نوبت ہی نہ آئے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی اور اس نے آپؐ کو (محبت آمیز) تنبیہ کی چنانچہ ارشاد ہوا:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ (۳۳ : ۳۷)

"اور جب آپؐ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے اور آپؐ نے انعام کیا ہے (یعنی حضرت زیدؓ سے) کہ تم اپنے اوپر اپنی بیوی کو روک رکھو اور اللہ سے ڈرو۔ اور آپؐ اپنے نفس میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا؛ اور آپؐ لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ زیادہ مستحق تھا کہ آپؐ اس سے ڈرتے۔"

بالآخر حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے ہی دی۔ پھر ان کی عدت گذر گئی تو ان سے رسول اللہ ﷺ کی شادی کا فیصلہ نازل ہوا اللہ نے آپؐ پر یہ نکاح لازم کر دیا تھا اور کوئی اختیار اور گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ اس سلسلے میں نازل ہونے والی آیتِ کریمہ یہ ہے۔

فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ (۳۳ : ۳۷)

"جب زیدؓ نے اس سے اپنی ضرورت پوری کر لی تو ہم نے اس کی شادی آپؐ سے کر دی تاکہ مومنین پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں پر کوئی حرج نہ رہ جائے جبکہ وہ منہ بولے بیٹے ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں۔"

اس کا مقصد یہ تھا کہ منہ بولے بیٹوں سے متعلق جاہلی اصول عملاً بھی توڑ دیا جائے، جس طرح اس سے پہلے اس ارشاد کے ذریعہ قولاً توڑا جا چکا تھا:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ (۳۳:۵)

"انہیں ان کے باپ کی نسبت سے پکارو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے۔"

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (۳۳:۴۰)

"محمدؐ، تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔"

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ جب معاشرے میں کوئی رواج اچھی طرح جڑ پکڑ لیتا ہے تو محض بات کے ذریعے اسے مٹانا یا اس میں تبدیلی لانا بیشتر اوقات ممکن نہیں ہوا کرتا؛ بلکہ جو شخص اس کے خاتمے یا تبدیلی کا داعی ہو اس کا عملی نمونہ موجود رہنا بھی ضروری ہو جاتا ہے صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کی طرف سے جس حرکت کا ظہور ہوا اس سے اس حقیقت کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے۔ اس موقع پر کہاں تو مسلمانوں کی فداکاری کا یہ عالم تھا کہ جب عروہؓ بن مسعود ثقفی نے انہیں دیکھا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا تھوک اور کھنکار بھی ان میں سے کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ ہی میں پڑ رہا ہے، اور جب آپؐ وضو فرماتے ہیں تو صحابہ کرام آپؐ کے وضو سے گرنے والا پانی لینے کے لیے اس طرح ٹوٹے پڑ رہے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے آپس میں اُلجھ پڑیں گے جی ہاں! یہ وہی صحابہ کرامؓ تھے جو درخت کے نیچے موت یا عدم فرار پر بیعت کرنے کیلئے ایک دوسرے سے سبقت لے جا رہے تھے اور یہ وہی صحابہ کرامؓ تھے جن میں ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے جاں نثارانِ رسول بھی تھے۔ لیکن انہی صحابہ کرامؓ کو —— جو آپؐ پر مرمٹنا اپنی انتہائی سعادت و کامیابی سمجھتے تھے ——

جب آپؐ نے صلح کا معاہدہ طے کر لینے کے بعد حکم دیا کہ اٹھ کر اپنی ہدی (قربانی کے جانور) ذبح کر دیں تو آپؐ کے حکم کی بجا آوری کے لیے کوئی ٹس سے مس نہ ہوا یہاں تک کہ آپ قلق و اضطراب سے دوچار ہو گئے۔ لیکن جب حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کو مشورہ دیا کہ آپؐ اٹھ کر چپ چاپ اپنا جانور ذبح کر دیں، اور آپؐ نے ایسا ہی کیا تو ہر شخص آپؐ کے طرز عمل کی پیروی کے لیے دوڑ پڑا اور تمام صحابہؓ نے لپک لپک کر اپنے جانور ذبح کر دیئے۔ اس واقعہ سے سمجھا جا سکتا ہے کہ کسی پختہ رواج کو مٹانے کے لیے قول اور عمل کے اثرات میں کتنا زیادہ فرق ہے۔ اس لیے متبنّٰی کا جاہلی اصول عملی طور پر توڑنے کے لیے آپؐ کا نکاح آپؐ کے منہ بولے

بیٹے حضرت زیدؓ کی مطلقہ سے کرایا گیا۔

اس نکاح کا عمل میں آنا تھا کہ منافقین نے آپؐ کے خلاف نہایت وسیع پیمانے پر جھوٹا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ اور طرح طرح کے وسوسے اور افواہیں پھیلائیں جس کے کچھ نہ کچھ اثرات سادہ لوح مسلمانوں پر بھی پڑے۔ اس پروپیگنڈے کو تقویت پہنچانے کے لئے ایک شرعی پہلو بھی منافقین کے ہاتھ آگیا تھا کہ حضرت زینبؓ آپ کی پانچویں بیوی تھیں جبکہ مسلمان بیک وقت چار بیویوں سے زیادہ کی حلت جانتے ہی نہ تھے۔ ان سب کے علاوہ پروپیگنڈہ کی اصل جان یہ تھی کہ حضرت زید، رسول اللہ ﷺ کے بیٹے سمجھے جاتے تھے اور بیٹے کی بیوی سے شادی بڑی فحش کاری خیال کی جاتی تھی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں اس اہم موضوع سے متعلق کافی وشافی آیات نازل کیں اور صحابہؓ کو معلوم ہوگیا کہ اسلام میں منہ بولے بیٹے کی کوئی حیثیت نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ نہایت بلند پایہ اور مخصوص مقاصد کے تحت اپنے رسول ﷺ کو خصوصیت کے ساتھ شادی کی تعداد کے سلسلے میں اتنی وسعت دی ہے جو کسی اور کو نہیں دی گئی ہے۔

اُمہاتُ المومنین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی رہائش نہایت شریفانہ، باعزت، بلند پایہ اور عمدہ انداز کی تھی۔ ازواجِ مطہرات بھی، شرف، قناعت، صبر، تواضع، خدمت اور ازدواجی حقوق کی نگہداشت کا مرقع تھیں۔ حالانکہ آپؐ بڑی روکھی پھیکی اور سخت زندگی گذار رہے تھے جسے برداشت کر لینا دوسروں کے بس کی بات نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے علم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی میدے کی نرم روٹی کھائی ہو یہاں تک کہ اللہ سے جا ملے اور نہ آپؐ نے اپنی آنکھ سے کبھی بھنی ہوئی بکری دیکھی[2]۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ دو دو ماہ گذر جاتے تیسرے مہینے کا چاند نظر آجاتا اور رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آگ نہ جلتی۔ حضرت عروہ نے دریافت کیا کہ تب آپؐ لوگ کیا کھاتی تھیں۔ فرمایا کہ بس دو کالی چیزیں۔ یعنی کھجور اور پانی[3]۔ اس مضمون کی احادیث بکثرت ہیں۔

اس تنگی وترشی کے باوجود ازواج مطہرات سے کوئی لائقِ عتاب حرکت صادر نہ ہوئی۔ صرف ایک دفعہ ایسا ہوا اور وہ بھی اس لیے کہ ایک تو انسانی فطرت کا تقاضا ہی کچھ ایسا ہے دوسرے

---

[2] صحیح بخاری ۲/۹۵۶ [3] ایضاً ایضاً

اسی بنیاد پر کچھ احکامات مشروع کرتے تھے ـــــ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی موقع پر آیت تخییر نازل فرمائی جو یہ تھی :

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوٰجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ○ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ○
(۲۹/۲۸:۳۳)

" اے نبیؐ! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں سازوسامان دے کر بھلائی کے ساتھ رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکوکاروں کے لیے زبردست اجر تیار کر رکھا ہے۔"

اب ان ازواجؓ مطہرات کے شرف اور عظمت کا اندازہ کیجئے کہ ان سب نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو ترجیح دی اور ان میں سے کوئی ایک بھی دنیا کی طرف مائل نہ ہوئیں۔

اسی طرح سوکنوں کے درمیان جو واقعات روزمرہ کا معمول ہوا کرتے ہیں، ازواجؓ مطہرات کے درمیان کثرت تعداد کے باوجود اس طرح کے واقعات شاذ و نادر ہی پیش آئے اور وہ بھی بتقاضائے بشریت، اور اس پر بھی جب اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا تو دوبارہ اس طرح کی کسی حرکت کا ظہور نہیں ہوا۔ سورہ تحریم کی ابتدائی پانچ آیات میں اسی کا ذکر ہے۔

اخیر میں یہ عرض کر دینا بھی بیجا نہ ہوگا کہ ہم اس موقع پر تعدّدِ ازدواج کے موضوع پر بحث کی ضرورت نہیں سمجھتے، کیونکہ جو لوگ اس موضوع پر سب سے زیادہ لے دے کرتے ہیں یعنی باشندگانِ یورپ وہ خود جس طرح کی زندگی گذار رہے ہیں؛ جس تلخی و بدبختی کا جام نوش کر رہے ہیں۔ جس طرح کی رسوائیوں اور جرائم میں لت پت ہیں اور تعدّدِ ازدواج کے اصول سے منحرف ہو کر جس قسم کے رنج و الم اور مصائب کا سامنا کر رہے ہیں وہ ہر طرح کی بحث و جدل سے مستغنی کر دینے کے لیے کافی ہے۔ اہلِ یورپ کی بدبختانہ زندگی تعدّدِ ازدواج کے اصول کے مبنی برحق ہونے کی سب سے سچی گواہ ہے اور اصحابِ نظر کے لیے اس میں بڑی عبرت ہے۔

○

اخلاق واوصاف

نبی کریم ﷺ ایسے جمالِ خَلق اور کمالِ خُلق سے مُتّصِف تھے جو حیطۂ بیان سے باہر ہے۔ اس جمال وکمال کا اثر یہ تھا کہ دل آپؐ کی تعظیم اور قدر ومنزلت کے جذبات سے خود بخود لبریز ہوجاتے تھے۔ چنانچہ آپؐ کی حفاظت اور اجلال وتکریم میں لوگوں نے ایسی ایسی فداکاری و جاں نثاری کا ثبوت دیا جس کی نظیر دنیا کی کسی اور شخصیت کے سلسلے میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ آپؐ کے رفقاء اور ہم نشین وارفتگی کی حد تک آپؐ سے محبت کرتے تھے۔ انہیں گوارا نہ تھا کہ آپؐ کو خراش تک آجائے خواہ اس کے لیے ان کی گردنیں ہی کیوں نہ کاٹ دی جائیں۔ اس طرح کی محبت کی وجہ یہی تھی کہ عادۃً جن کمالات پر جان چھڑکی جاتی ہے ان کمالات سے جس قدر حصۂ وافر آپؐ کو عطا ہوا تھا کسی اور انسان کو نہ ملا۔ ذیل میں ہم عاجزی وبے مائیگی کے اعتراف کے ساتھ ان روایات کا خلاصہ پیش کررہے ہیں جن کا تعلق آپؐ کے جمال وکمال سے ہے۔

حُلیۂ مُبارک

ہجرت کے وقت رسُول اللہ ﷺ اُمِّ مَعبدؓ خُزاعیہ کے خیمے سے گذرے تو اس نے آپ کی روانگی کے بعد اپنے شوہر سے آپؐ کے حلیہ مبارک کا جو نقشہ کھینچا وہ یہ تھا: "چمکتا رنگ، تابناک چہرہ، خوبصورت ساخت، نہ توندلے پن کا عیب نہ گنجے پن کی خامی، جمال جہاں تاب کے ساتھ ڈھلا ہوا پیکر، سرگیں آنکھیں، لمبی پلکیں، بھاری آواز، لمبی گردن، سفید وسیاہ آنکھیں، سیاہ سرگیں پلکیں، باریک اور باہم ملے ہوئے ابرو، چمکدار کالے بال، خاموش ہوں تو باوقار، گفتگو کریں تو پُرکشش، دور سے (دیکھنے میں) سب سے تابناک وپُرجمال، قریب سے سب سے خوبصورت اور شیریں، گفتگو میں چاشنی، بات واضح اور دوٹوک، نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا کہ گویا لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ درمیانہ قد، نہ ناٹا کہ نگاہ میں نہ جچے، نہ لمبا کہ ناگوار لگے۔ دو شاخوں کے درمیان ایسی شاخ کی طرح ہیں جو سب سے زیادہ تازہ وخوش منظر ہے، رفقاء آپ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو لپک کر بجالاتے ہیں۔ مطاع ومکرم، نہ ترُش رُو، نہ لغو گو۔"[1]

---

[1] زاد المعاد ۲/۵۴

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپؐ کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "آپؐ نہ لمبے تڑنگے تھے نہ ناٹے کھوٹے، لوگوں کے حساب سے درمیانہ قد کے تھے۔ بال نہ زیادہ گھنگریالے تھے نہ بالکل کھڑے کھڑے بلکہ دونوں کے بیچ بیچ کی کیفیت تھی۔ رخسار نہ بہت زیادہ پُرگوشت تھا، نہ ٹھوڑی چھوٹی اور پیشانی پست، چہرہ کسی قدر گولائی لیے ہوئے تھا۔ رنگ گورا گلابی، آنکھیں سُرخی مائل، پلکیں لمبی، جوڑوں اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی بڑی، سینہ پر ناف تک بالوں کی ہلکی سی لکیر، بقیہ جسم بال سے خالی، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں پُرگوشت، چلتے تو قدرے جھٹکے سے پاؤں اٹھاتے اور یوں چلتے گویا کسی ڈھلوان پر چل رہے ہیں۔ جب کسی طرف توجہ فرماتے تو پورے وجود کے ساتھ متوجہ ہوتے۔ دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ آپؐ سارے انبیاء کے خاتم تھے سب سے زیادہ سخی دست اور سب سے بڑھ کر جرأت مند سب سے زیادہ صادق اللہجہ اور سب سے بڑھ کر عہد و پیمان کے پابندِ وفا، سب سے زیادہ نرم طبیعت اور سب سے شریف ساتھی جو آپؐ کو اچانک دیکھتا ہیبت زدہ ہو جاتا۔ جو جان پہچان کے ساتھ ملتا محبوب رکھتا۔ آپؐ کا وصف بیان کرنے والا یہی کہہ سکتا ہے کہ میں نے آپؐ سے پہلے اور آپؐ کے بعد آپؐ جیسا نہیں دیکھا"[۲]

حضرت علیؓ کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ کا سر بڑا تھا، جوڑوں کی ہڈیاں بھاری بھاری تھیں، سینے پر بالوں کی لمبی لکیر تھی۔ جب آپؐ چلتے تو قدرے جھک کر چلتے گویا کسی ڈھلوان سے اُتر رہے ہیں[۳]۔

حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے کہ آپؐ کا دہانہ کشادہ تھا، آنکھیں ہلکی سُرخی لیے ہوئے اور ایڑیاں باریک[۴]۔

حضرت ابو الطفیلؓ کہتے ہیں کہ آپ گورے رنگ، پُرملاحت چہرے اور میانہ قد و قامت کے تھے[۵]۔

حضرت انسؓ بن مالک کا ارشاد ہے کہ آپؐ کی ہتھیلیاں کشادہ تھیں، اور رنگ چمکدار، نہ خالص سفید، نہ گندم گوں، وفات کے وقت تک سر اور چہرے کے بیس بال بھی سفید نہ ہوئے تھے[۶]۔ صرف کنپٹی کے بالوں میں کچھ سفیدی تھی اور چند بال سر کے سفید تھے[۷]۔

حضرت ابو جُحَیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپؐ کے ہونٹ کے نیچے عنفقہ (داڑھی بچہ) میں سفیدی دیکھی[۸]۔

حضرت عبد اللہ بن بسر کا بیان ہے کہ آپؐ کے عنفقہ (داڑھی بچہ) میں چند بال سفید تھے[۹]۔

---

[۲] ابن ہشام ۱/۴۰۱، ۴۰۲، ترمذی مع شرح تحفۃ الاحوذی ۴/۳۰۳ [۳] ایضاً ترمذی مع شرح
[۴] صحیح مسلم ۲/۲۵۸ [۵] ایضاً ایضاً [۶] صحیح بخاری ۱/۵۰۲
[۷] ایضاً ایضاً و صحیح مسلم ۲/۲۵۹ [۸] صحیح بخاری ۱/۵۰۱، ۵۰۲ [۹] ایضاً ۱/۵۰۲

حضرت براءؓ کا بیان ہے کہ آپؐ کا پیکر درمیانی تھا۔ دونوں کندھوں کے درمیان دوری تھی۔ بال دونوں کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔ میں نے آپؐ کو سُرخ جوڑا زیب تن کئے ہوئے دیکھا۔ کبھی کوئی چیز آپؐ سے زیادہ خوبصورت نہ دیکھی[10]

پہلے آپؐ اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے، اس لیے بال میں کنگھی کرتے تو مانگ نہ نکالتے، لیکن بعد میں مانگ نکالا کرتے تھے[11]

حضرت براءؓ کہتے ہیں: آپ کا چہرہ سب سے زیادہ خوبصورت تھا اور آپؐ کے اخلاق سب سے بہتر تھے[12] ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا نبی ﷺ کا چہرہ تلوار جیسا تھا، انہوں نے کہا "نہیں بلکہ چاند جیسا تھا"۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ کا چہرہ گول تھا[13]

ربیعؓ بنت مُعوّذ کہتی ہیں کہ اگر تم حضورؐ کو دیکھتے تو لگتا کہ تم نے طلوع ہوتے ہوئے سورج کو دیکھا ہے[14]۔

حضرت جابرؓ بن سمرہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار چاندنی رات میں آپؐ کو دیکھا، آپؐ پر سُرخ جوڑا تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا، اور چاند کو دیکھتا۔ آخر (اس نتیجہ پر پہنچا کہ) آپؐ چاند سے زیادہ خوبصورت ہیں[15]

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز نہیں دیکھی۔ لگتا تھا سُورج آپؐ کے چہرے میں رواں دواں ہے۔ اور میں نے رسُول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو تیز رفتار نہیں دیکھا۔ لگتا تھا زمین آپ کے لیے لپیٹی جا رہی ہے۔ ہم تو اپنے آپ کو تھکا مارتے تھے اور آپؐ بالکل بے فکر[16]

حضرت کعب بن مالک کا بیان ہے کہ جب آپؐ خوش ہوتے تو چہرہ دمک اُٹھتا، گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے[17]۔

ایک بار آپ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف فرما تھے۔ پسینہ آیا تو چہرے کی دھاریاں چمک اٹھیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے ابوکبیر ہذلی کا یہ شعر پڑھا:

واذا نظرت إلى أسرة وجهه برقت كبرق العارض المتهلل[18]

"جب ان کے چہرے کی دھاریاں دیکھو تو وہ یوں چمکتی ہیں جیسے روشن بادل چمک رہا ہو"

ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھتے:

---

[10] ایضاً ایضاً [11] ایضاً ۱/۵۰۳
[12] ایضاً ۱/۵۰۲ صحیح مسلم ۲/۲۵۸ [13] صحیح بخاری ۱/۵۰۲ صحیح مسلم ۲/۲۵۹
[14] مسند دارمی۔ مشکوۃ ۲/۵۱۷ [15] ترمذی فی الشمائل ص۲ دارمی، مشکوۃ ۲/۵۱۷
[16] جامع ترمذی مع شرح تحفۃ الاحوذی ۴/۳۰۶ مشکوۃ ۲/۵۱۸
[17] صحیح بخاری ۱/۵۰۲ [18] رحمۃ للعالمین ۲/۱۷۲

أمين مصطفى بالخير يدعو كضوء البدر زايله الظلام[19]

"آپؐ امین ہیں، چنیدہ و برگزیدہ ہیں، خیر کی دعوت دیتے ہیں، گویا ماہ کامل کی روشنی ہیں جس سے تاریکی آنکھ مچولی کھیل رہی ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ زُہیر کا یہ شعر پڑھتے جو ہرم بن سنان کے بارے میں کہا گیا تھا کہ:

لو کنت من شیءٍ سوی البشر کنت المضیءَ لِلَیْلَةِ البدر

"اگر آپؐ بشر کے سوا کسی اور چیز سے ہوتے تو آپؐ ہی چودھویں کی رات کو روشن کرتے"

پھر فرماتے کہ رسُول اللہ ﷺ ایسے ہی تھے۔[20]

جب آپؐ غضبناک ہوتے تو چہرہ سُرخ ہو جاتا گویا دونوں رخساروں میں دانۂ انار نچوڑ دیا گیا ہے۔[21]

حضرت جابر بن سمرہ کا بیان ہے کہ آپؐ کی پنڈلیاں قدرے پتلی تھیں اور آپؐ ہنستے تو صرف تبسم فرماتے آنکھیں سرمگیں تھیں، تم دیکھتے تو کہتے کہ آپؐ نے آنکھوں میں سُرمہ لگا رکھا ہے حالانکہ سُرمہ نہ لگا ہوتا۔[22]

حضرت ابنِ عباسؓ کا ارشاد ہے کہ آپؐ کے آگے کے دونوں دانت الگ الگ تھے۔ جب آپؐ گفتگو فرماتے تو ان دانتوں کے درمیان سے نور جیسا نکلتا دکھائی دیتا۔[23]

گردن گویا چاندی کی صفائی لیے ہُوئے گڑیا کی گردن تھی۔ پلکیں طویل، داڑھی گھنی، پیشانی کشادہ، ابرو پیوستہ اور ایک دوسرے سے الگ، ناک اونچی، رخسار ہلکے، لبہ سے ناف تک چھڑی کی طرح دوڑا ہوا بال، اور اس کے سوا شکم اور سینے پر کہیں بال نہیں۔ البتہ بازو اور مونڈھوں پر بال تھے۔ شکم اور سینہ برابر، سینہ مسطح اور کشادہ، کلائیاں بڑی بڑی ہتھیلیاں کشادہ، قد کھڑا، تلوے خالی، اعضا بڑے بڑے۔ جب چلتے تو جھٹکے کے ساتھ چلتے، قدرے جھکاؤ کے ساتھ آگے بڑھتے اور سہل رفتار سے چلتے۔[24]

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی حریر و دیبا نہیں چھُوا جو رسُول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔ اور نہ کبھی کوئی عنبر یا مشک یا کوئی ایسی خوشبو سونگھی جو رسُول اللہ ﷺ کی خوشبو سے بہتر ہو۔[25]

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپؐ کا ہاتھ اپنے چہرہ پر رکھا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مُشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔[26]

حضرت جابرؓ بن سمرہ — جو بچے تھے — کہتے ہیں: "آپؐ نے میرے رخسار پہ ہاتھ پھیرا تو میں نے

---

[19] خلاصۃ السیر ص۲۰ [20] ایضاً خلاصۃ السیر ص۲۰
[21] مشکوٰۃ ۱/۲۲، ترمذی: ابواب القدر، باب ما جاء فی التشدید فی الخوض فی القدر ۲/۳۵
[22] جامع ترمذی مع شرح تحفۃ الاحوذی ۴/۳۰۶ [23] ترمذی مشکوٰۃ ۲/۵۱۸
[24] خلاصۃ السیر ص۱۹، ۲۰ [25] صحیح بخاری ۱/۵۰۳ صحیح مسلم ۲/۲۵۷ [26] صحیح بخاری ۱/۵۰۲

آپؐ کے ہاتھ میں ایسی ٹھنڈک اور ایسی خوشبو محسوس کی گویا آپؐ نے اسے عطار کے عطردان سے نکالا ہے[۲۷]

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آپؐ کا پسینہ گویا موتی ہوتا تھا، اور حضرت اُمِّ سُلَیم کہتی ہیں کہ یہ پسینہ ہی سب سے عمدہ خوشبو ہوا کرتی تھی[۲۸]

حضرت جابرؓ کہتے ہیں: "آپؐ کسی راستے سے تشریف لے جاتے اور آپؐ کے بعد کوئی اور گذرتا تو آپؐ کے جسم یا پسینہ کی خوشبو کی وجہ سے جان جاتا کہ آپؐ یہاں سے تشریف لے گئے ہیں"[۲۹]

آپؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان مُہرِ نبوت تھی جو کبوتر کے انڈے جیسی اور جسمِ مبارک ہی کے مشابہ تھی۔ یہ بائیں کندھے کی کری (نرم ہڈی) کے پاس تھی۔ اس پر مسوں کی طرح تلوں کا جمگھٹ تھا[۳۰]

کمالِ نفس اور مکارمِ اخلاق

نبی ﷺ فصاحت و بلاغت میں ممتاز تھے۔ آپؐ طبیعت کی روانی، لفظ کے نکھار، فقروں کی جزالت، معانی کی صحت اور تکلف سے دوری کے ساتھ ساتھ جوامع الکلم (جامع باتوں) سے نوازے گئے تھے۔ آپؐ کو نادر حکمتوں اور عرب کی تمام زبانوں کا علم عطا ہوا تھا؛ چنانچہ آپؐ ہر قبیلے سے اسی کی زبان اور محاوروں میں گفتگو فرماتے تھے۔ آپؐ میں بدویوں کا زورِ بیان اور قوتِ تخاطب اور شہریوں کی شستگیٔ الفاظ اور شفتگی و شائستگی جمع تھی اور وحی پر مبنی تائید ربّانی الگ سے۔

بُردباری، قوتِ برداشت، قدرت پاکر درگذر اور مشکلات پر صبر ایسے اوصاف تھے جنکے ذریعہ اللہ نے آپؐ کی تربیت کی تھی۔ ہر حلیم و بردبار کی کوئی نہ کوئی لغزش اور کوئی نہ کوئی زبان کی بے احتیاطی جانی جاتی ہے مگر نبی ﷺ کی بلندیٔ کردار کا عالم یہ تھا کہ آپؐ کے خلاف دشمنوں کی ایذا رسانی اور بدمعاشوں کی خودسری و زیادتی جس قدر بڑھتی گئی آپؐ کے صبر و حلم میں اسی قدر اضافہ ہوتا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو کاموں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپؐ وہی کام اختیار فرماتے جو آسان ہوتا، جب تک کہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا۔ اگر گناہ کا کام ہوتا تو آپؐ سب سے بڑھ کر اس سے دُور رہتے۔ آپؐ نے کبھی اپنے نفس کے لیے انتقام نہ لیا؛ البتہ اگر اللہ کی حرمت چاک کی جاتی تو آپؐ اللہ کے لیے انتقام لیتے[۳۱]

آپؐ سب سے بڑھ کر غیظ و غضب سے دُور تھے اور سب سے جلد راضی ہو جاتے تھے۔

---

۲۷ صحیح مسلم ۲/۲۵۶ ۲۸ ایضاً صحیح مسلم
۲۹ دارمی مشکوٰۃ ۲/۵۱۷ ۳۰ صحیح مسلم ۲/۲۵۹، ۲۶۰ ۳۱ صحیح بخاری ۱/۵۰۳

جُود و کرم کا وصف ایسا تھا کہ اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ آپؐ اس شخص کی طرح بخشش و نوازش فرماتے تھے جسے فقر کا اندیشہ ہی نہ ہو۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی ﷺ سب سے بڑھ کر پیکرِ جُود و سخا تھے، اور آپؐ کا دریائے سخاوت رمضان میں اس وقت زیادہ جوش پر ہوتا جب حضرت جبرئیلؑ آپؐ سے ملاقات فرماتے اور حضرت جبرئیلؑ رمضان میں آپؐ سے ہر رات ملاقات فرماتے اور قرآن کا دور کراتے۔ پس رسُول اللہ ﷺ خیر کی سخاوت میں (خزائن رحمت سے مالا مال کر کے) بھیجی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ پیش پیش ہوتے تھے[۳۲]۔ حضرت جابر کا ارشاد ہے کہ ایسا کبھی نہ ہوا کہ آپؐ سے کوئی چیز مانگی گئی ہو اور آپؐ نے نہیں کہہ دیا ہو[۳۳]۔

شجاعت، بہادری اور دلیری میں بھی آپ کا مقام سب سے بلند اور معروف تھا۔ آپؐ سب سے زیادہ دلیر تھے۔ نہایت کٹھن اور مشکل مواقع پر جبکہ اچھے اچھے جانبازوں اور بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے، آپؐ اپنی جگہ برقرار رہے اور پیچھے ہٹنے کی بجائے آگے ہی بڑھتے گئے۔ پائے ثبات میں ذرا لغزش نہ آئی۔ بڑے بڑے بہادر بھی کبھی نہ کبھی بھاگے اور پسپا ہوتے ہیں مگر آپؐ میں یہ بات کبھی نہیں پائی گئی۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ جب زور کا رَن پڑتا اور جنگ کے شعلے خوب بھڑک اٹھتے تو ہم رسول اللہ ﷺ کی آڑ لیا کرتے تھے۔ آپؐ سے بڑھ کر کوئی شخص دشمن کے قریب نہ ہوتا[۳۴]۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک رات اہلِ مدینہ کو خطرہ محسوس ہوا لوگ شور کی طرف دوڑے تو راستے میں رسول اللہ ﷺ واپس آتے ہوئے ملے۔ آپؐ لوگوں سے پہلے ہی آواز کی جانب پہنچ (کر خطرے کے مقام کا جائزہ لے) چکے تھے۔ اس وقت آپؐ ابو طلحہؓ کے بغیر زین کے گھوڑے پر سوار تھے۔ گردن میں تلوار حمائل کر رکھی تھی اور فرما رہے تھے ڈرو نہیں، ڈرو نہیں[۳۵] (کوئی خطرہ نہیں)۔

آپؐ سب سے زیادہ حیادار اور پست نگاہ تھے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپؐ پردہ نشین کنواری عورت سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ جب آپؐ کو کوئی بات ناگوار گزرتی تو چہرے سے پتا لگ جاتا[۳۶]۔ اپنی نظریں کسی کے چہرے پر گاڑتے نہ تھے۔ نگاہ پست رکھتے تھے اور آسمان کی بہ نسبت زمین کی طرف نظر زیادہ دیر تک رہتی تھی۔ عموماً نیچی نگاہ سے تاکتے۔ حیا اور کرمِ نفس کا عالم یہ تھا کہ کسی سے ناگوار بات رُو در رُو نہ کہتے اور کسی کی کوئی ناگوار بات آپؐ تک پہنچتی تو نام لیکر اس کا ذکر نہ کرتے بلکہ یوں فرماتے کہ کیا بات ہے کہ کچھ لوگ ایسا کر رہے ہیں۔ فرزدق کے اس شعر کے

---

۳۲ ایضاً ۱/۵۰۲ ۳۳ ایضاً ایضاً

۳۴ شفاء قاضی عیاض ۱/۸۹ صحاح و سنن میں بھی اس مضمون کی روایت موجود ہے۔

۳۵ صحیح مسلم ۲/۲۵۲ - صحیح بخاری ۱/۴۰۷ ۳۶ صحیح بخاری ۱/۵۰۴

سب سے زیادہ صحیح مصداق آپؐ تھے :

یغضی حیاء و یغضی من مهابته فلا یکلم الا حین یبتسم

"آپ حیا کے سبب اپنی نگاہ پست رکھتے ہیں اور آپ کی ہیبت کے سبب نگاہیں پست رکھی جاتی ہیں، چنانچہ آپ سے اُسی وقت گفتگو کی جاتی ہے جب آپ تبسم فرما رہے ہوں۔"

آپؐ سب سے زیادہ عادل، پاک دامن، صادق اللہجہ اور عظیم الامانۃ تھے۔ اس کا اعتراف آپؐ کے دوست دشمن سب کو ہے۔ نبوّت سے پہلے آپؐ کو امین کہا جاتا تھا اور دَورِ جاہلیت میں آپ کے پاس فیصلے کے لیے مقدمات لائے جاتے تھے۔ جامع ترمذی میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک بار ابوجہل نے آپؐ سے کہا: "ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے البتہ آپؐ جو کچھ لے کر آئے ہیں اسے جھٹلاتے ہیں۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ [۳۷] (۶، ۳۳)

"یہ لوگ آپؐ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔"

ہرقل نے ابوسفیان سے دریافت کیا کہ کیا اس (نبی ﷺ) نے جو بات کہی ہے اس کے کہنے سے پہلے تم لوگ اُن پر جھوٹ کا الزام لگاتے تھے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ "نہیں"۔

آپؐ سب سے زیادہ متواضع اور تکبّر سے دُور تھے۔ جس طرح بادشاہوں کے لیے ان کے خُدّام و حاشیہ بردار کھڑے رہتے ہیں اس طرح اپنے لیے آپؐ صحابہ کرامؓ کو کھڑے ہونے سے منع فرماتے تھے۔ مسکینوں کی عیادت کرتے تھے، فقرا کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے، غلام کی دعوت منظور فرماتے تھے، صحابہ کرامؓ میں کسی امتیاز کے بغیر ایک عام آدمی کی طرح بیٹھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ اپنے جوتے خود ٹانکتے تھے، اپنے کپڑے خود سیتے تھے اور اپنے ہاتھ سے اس طرح کام کرتے تھے جیسے تم میں سے کوئی آدمی اپنے گھر کے کام کاج کرتا ہے۔ آپؐ بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے اپنے کپڑے خود ہی دیکھتے (کہ کہیں اس میں جُوں نہ ہو) اپنی بکری خود دوہتے تھے اور اپنا کام خود کرتے تھے۔[۳۸]

آپؐ سب سے بڑھ کر عہد کی پابندی اور صلہ رحمی فرماتے تھے، لوگوں کے ساتھ سب سے زیادہ شفقت اور رحم و مروت سے پیش آتے تھے، رہائش اور ادب میں سب سے اچھے تھے۔ آپؐ کا اخلاق سب سے زیادہ کشادہ تھا۔ بدخلقی سے سب سے زیادہ دور و نفور تھے۔ نہ عادتاً فحش گو تھے نہ بہ تکلف فحش کہتے تھے، نہ لعنت کرتے تھے۔ نہ بازار میں چیختے چلاتے تھے نہ بُرائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے، بلکہ معافی اور درگذر سے کام لیتے تھے کسی کو اپنے پیچھے چلتا ہوا نہ چھوڑتے تھے

---

[۳۷] مشکوٰۃ ۲/۵۲۱ [۳۸] مشکوٰۃ ۲/۵۲۰

اور نہ کھانے پینے میں اپنے غلاموں اور لونڈیوں پر ترفّع اختیار فرماتے تھے۔ اپنے خادم کا کام خود ہی کر دیتے تھے۔ کبھی اپنے خادم کو اُف نہیں کہا۔ نہ اس پر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر عتاب فرمایا۔ مسکینوں سے محبت کرتے، ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور ان کے جنازوں میں حاضر ہوتے تھے۔ کسی فقیر کو اس کے فقر کی وجہ سے حقیر نہیں سمجھتے تھے۔ ایک بار آپؐ سفر میں تھے۔ ایک بکری کاٹنے پکانے کا مشورہ ہوا۔ ایک نے کہا "ذبح کرنا میرے ذمہ، دوسرے نے کہا کھال اتارنا میرے ذمہ، تیسرے نے کہا "پکانا میرے ذمہ، نبی ﷺ نے فرمایا ایندھن کی لکڑیاں جمع کرنا میرے ذمہ صحابہ نے عرض کیا ہم آپؐ کا کام کر دیں گے آپؐ نے فرمایا: "میں جانتا ہوں تم لوگ میرا کام کر دو گے لیکن میں پسند نہیں کرتا کہ تم پر امتیاز حاصل کروں کیونکہ اللہ اپنے بندے کی یہ حرکت ناپسند کرتا ہے کہ اپنے آپ کو اپنے رفقاء میں ممتاز سمجھے"۔ اس کے بعد آپؐ نے اُٹھ کر لکڑیاں جمع فرمائیں۔[۳۹]

آیئے ذرا ہندؓ بن ابی ہالہ کی زبانی رسُول اللہ ﷺ کے اوصاف سُنیں۔ ہندؓ اپنی ایک طویل روایت میں کہتے ہیں: "رسُول اللہ ﷺ پیہم غموں سے دوچار تھے۔ ہمیشہ غور و فکر فرماتے رہتے تھے۔ آپؐ کے لیے راحت نہ تھی۔ بلاضرورت نہ بولتے تھے۔ دیر تک خاموش رہتے تھے۔ از اوّل تا آخر بات پُورے مُنہ سے کرتے تھے، یعنی صرف منہ کے کنارے سے نہ بولتے تھے۔ جامع اور دوٹوک کلمات کہتے تھے جن میں نہ فضول گوئی ہوتی تھی نہ کوتاہی۔ نرم خو تھے، جفاجو اور حقیر نہ تھے۔ نعمت معمولی بھی ہوتی تو اس کی تعظیم کرتے تھے۔ کسی چیز کی مذمت نہیں فرماتے تھے۔ کھانے کی نہ بُرائی کرتے تھے نہ تعریف حق کو کوئی نقصان پہنچاتا تو جب تک انتقام نہ لے لیتے آپؐ کے غضب کو روکا نہ جا سکتا تھا۔ البتہ کشادہ دل تھے؛ اپنے نفس کے لیے نہ غضبناک ہُوتے نہ انتقام لیتے۔ جب اشارہ فرماتے تو پُوری ہتھیلی سے اشارہ فرماتے اور تعجب کے وقت ہتھیلی پلٹتے۔ جب غضبناک ہوتے تو رُخ پھیر لیتے اور جب خوش ہوتے تو نگاہ پست فرما لیتے۔ آپؐ کی بیشتر ہنسی تبسّم کی صورت میں تھی۔ مسکراتے تو دانت اولوں کی طرح چمکتے۔

لایعنی بات سے زبان روکے رکھتے۔ ساتھیوں کو جوڑتے تھے، توڑتے نہ تھے۔ ہر قوم کے معزز آدمی کی تکریم فرماتے تھے اور اسی کو ان کا والی بناتے تھے۔ لوگوں (کے شر) سے محتاط رہتے اور ان سے بچاؤ اختیار فرماتے تھے لیکن اس کے لیے کسی سے اپنی خندہ جبینی ختم نہ فرماتے تھے۔

---

۳۹ خلاصۃ السیر ص ۲۲

اپنے اصحابؓ کی خبرگیری کرتے اور لوگوں کے حالات دریافت فرماتے۔ اچھی چیز کی تحسین وتصویب فرماتے اور بری چیز کی تقبیح وتوہین۔ مُعتدل تھے، افراط و تفریط سے دُور تھے۔ غافل نہ ہوتے تھے کہ مبادا لوگ بھی غافل یا ملول خاطر ہو جائیں۔ ہر حالت کیلیے مستعد رہتے تھے۔ حق سے کوتاہی نہ فرماتے تھے، نہ حق سے تجاوز فرما کر ناحق کی طرف جاتے تھے۔ جو لوگ آپؐ کے قریب رہتے تھے وہ سب سے اچھے لوگ تھے اور ان میں بھی آپؐ کے نزدیک افضل وہ تھا جو سب سے بڑھ کر خیرخواہ ہو؛ اور سب سے زیادہ قدر آپؐ کے نزدیک اس کی تھی جو سب سے اچھا غمگسار و مددگار ہو۔

آپؐ اُٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر ضرور فرماتے۔ جگہیں متعین نہ فرماتے ـــــ یعنی اپنے لیے کوئی امتیازی جگہ مقرر نہ فرماتے ـــــ جب قوم کے پاس پہنچتے تو مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے اور اسی کا حکم بھی فرماتے۔ سب اہلِ مجلس پر برابر توجہ فرماتے، حتیٰ کہ کوئی جلیس یہ نہ محسوس کرتا کہ کوئی شخص آپؐ کے نزدیک اس سے زیادہ باعزت ہے۔ کوئی کسی ضرورت سے آپؐ کے پاس بیٹھتا یا کھڑا ہوتا تو آپؐ اتنے صبر کے ساتھ اس کے لیے رُکے رہتے کہ وہ خود ہی واپس ہوتا۔ کوئی کسی ضرورت کا سوال کر دیتا تو آپؐ اسے عطا کیے بغیر یا اچھی بات کہے بغیر واپس نہ فرماتے۔ آپؐ نے اپنی خندہ جبینی اور اخلاق سے سب کو نوازا، یہاں تک کہ آپؐ سب کے لیے باپ کا درجہ رکھتے تھے اور سب آپؐ کے نزدیک یکساں حق رکھتے تھے، کسی کو فضیلت تھی تو تقویٰ کی بنیاد پر۔ آپؐ کی مجلس حلم وحیا، اور صبر و امانت کی مجلس تھی۔ اس میں آوازیں بلند نہ کی جاتی تھیں اور نہ حُرمتوں پر عیب لگتے تھے ـــــ یعنی کسی کی بے آبروئی کا اندیشہ نہ تھا ـــــ لوگ تقویٰ کی بدولت باہم محبت وہمدردی رکھتے تھے۔ بڑے کا احترام کرتے تھے چھوٹے پر رحم کرتے تھے، حاجتمند کو نوازتے تھے اور اجنبی کو انس عطا کرتے تھے۔

آپؐ کے چہرے پر ہمیشہ بشاشت رہتی سہل خو اور نرم پہلو تھے جفاجو اور سخت خو نہ تھے۔ نہ چیختے چلاتے تھے، نہ فحش کہتے تھے نہ زیادہ عتاب فرماتے تھے نہ بہت تعریف کرتے تھے۔ جس چیز کی خواہش نہ ہوتی اس سے تغافل برتتے تھے۔ آپؐ سے مایوسی نہیں ہوتی تھی۔ آپؐ نے تین باتوں سے اپنے نفس کو محفوظ رکھا: (۱) ریا سے (۲) کسی چیز کی کثرت سے (۳) اور لایعنی بات سے۔ اور تین باتوں سے لوگوں کو محفوظ رکھا یعنی آپؐ (۱) کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے (۲) کسی کو عار نہیں دلاتے تھے (۳) اور کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے۔ آپؐ وہی بات نوکِ زبان پر لاتے تھے جس میں ثواب کی امید ہوتی۔ جب آپؐ تکلم فرماتے تو آپؐ کے ہم نشین یوں سر جھکائے ہوتے گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور جب آپؐ خاموش ہوتے تو لوگ گفتگو کرتے۔ لوگ آپؐ کے پاس گپ بازی نہ کرتے۔ آپؐ کے پاس جو کوئی بولتا سب اس کے لیے خاموش رہتے، یہاں تک کہ وہ اپنی بات پوری کر لیتا۔ ان

کی بات وہی ہوتی جو ان کا پہلا شخص کرتا۔ جس بات سے سب لوگ ہنستے اس سے آپؐ بھی ہنستے اور جس بات پر سب لوگ تعجب کرتے اس پر آپؐ بھی تعجب کرتے۔ اجنبی آدمی درشت کلامی سے کام لیتا تو اس پر آپؐ صبر کرتے اور فرماتے "جب تم لوگ حاجتمند کو دیکھو کہ وہ اپنی حاجت کی طلب میں ہے تو اسے سامانِ ضرورت سے نواز دو"۔ آپؐ احسان کا بدلہ دینے والے کے سوا کسی سے ثناء کے طالب نہ ہوتے[۴۰]

خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ اپنی مجلس میں سب سے زیادہ باوقار ہوتے۔ اپنے پاؤں وغیرہ نہ پھیلاتے، بہت زیادہ خاموش رہتے۔ بلاضرورت نہ بولتے جو شخص نامناسب بات بولتا اس سے رُخ پھیر لیتے۔ آپؐ کی ہنسی مسکراہٹ تھی اور کلام دو ٹوک؛ نہ فضول نہ کوتاہ۔ آپؐ کے صحابہؓ کی ہنسی بھی آپ کی توقیر و اقتداء میں مسکراہٹ ہی کی حد تک ہوتی[۴۱]

حاصل یہ کہ نبی ﷺ بے نظیر صفاتِ کمال سے آراستہ تھے۔ آپؐ کے ربّ نے آپؐ کو بے نظیر ادب سے نوازا تھا حتیٰ کہ اس نے خود آپؐ کی تعریف میں فرمایا:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (۶۸:۴) "یقیناً آپ عظیم اخلاق پر ہیں"۔ اور یہ ایسی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے لوگ آپؐ کی طرف کھنچ آئے، دلوں میں آپؐ کی محبت بیٹھ گئی اور آپؐ کو قیادت کا وہ مقام حاصل ہوا کہ لوگ آپؐ پر وارفتہ ہو گئے۔ ان ہی خوبیوں کے سبب آپؐ کی قوم کی اکڑ اور سختی نرمی میں تبدیل ہوئی یہاں تک کہ یہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو گئی۔

یاد رہے کہ ہم نے پچھلے صفحات میں آپ کی جن خوبیوں کا ذکر کیا ہے وہ آپؐ کے کمال اور عظیم صفات کے مظاہر کی چند چھوٹی چھوٹی لکیریں ہیں ورنہ آپ کے مجد و شرف اور شمائل و خصائل کی بلندی اور کمال کا یہ عالم تھا کہ ان کی حقیقت اور تہ تک نہ رسائی ممکن ہے نہ اس کی گہرائی ناپی جا سکتی ہے۔

بھلا عالم وجود کے اس سب سے عظیم بشر کی عظمت کی انتہا تک کس کی رسائی ہو سکتی ہے جس نے مجد و کمال کی سب سے بلند چوٹی پر اپنا نشیمن بنایا اور اپنے رب کے نور سے اس طرح منوّر ہوا کہ کتابِ الٰہی ہی کو اس کا وصف اور خلق قرار دیا گیا یعنی، ع

قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۔

صفی الرحمٰن المبارکپوری

۱۶۔ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ / ۱۷ جون ۱۹۸۴ء

حسین آباد۔ مبارک پور
ضلع اعظم گڑھ (یوپی) ہند

---

[۴۰] شفاء قاضی عیاض ۱/۱۲۱ تا ۱۲۶ نیز دیکھئے شمائل ترمذی [۴۱] ایضاً ۱/۱۰۷